مولانا حسن ظفر نقوی

ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار

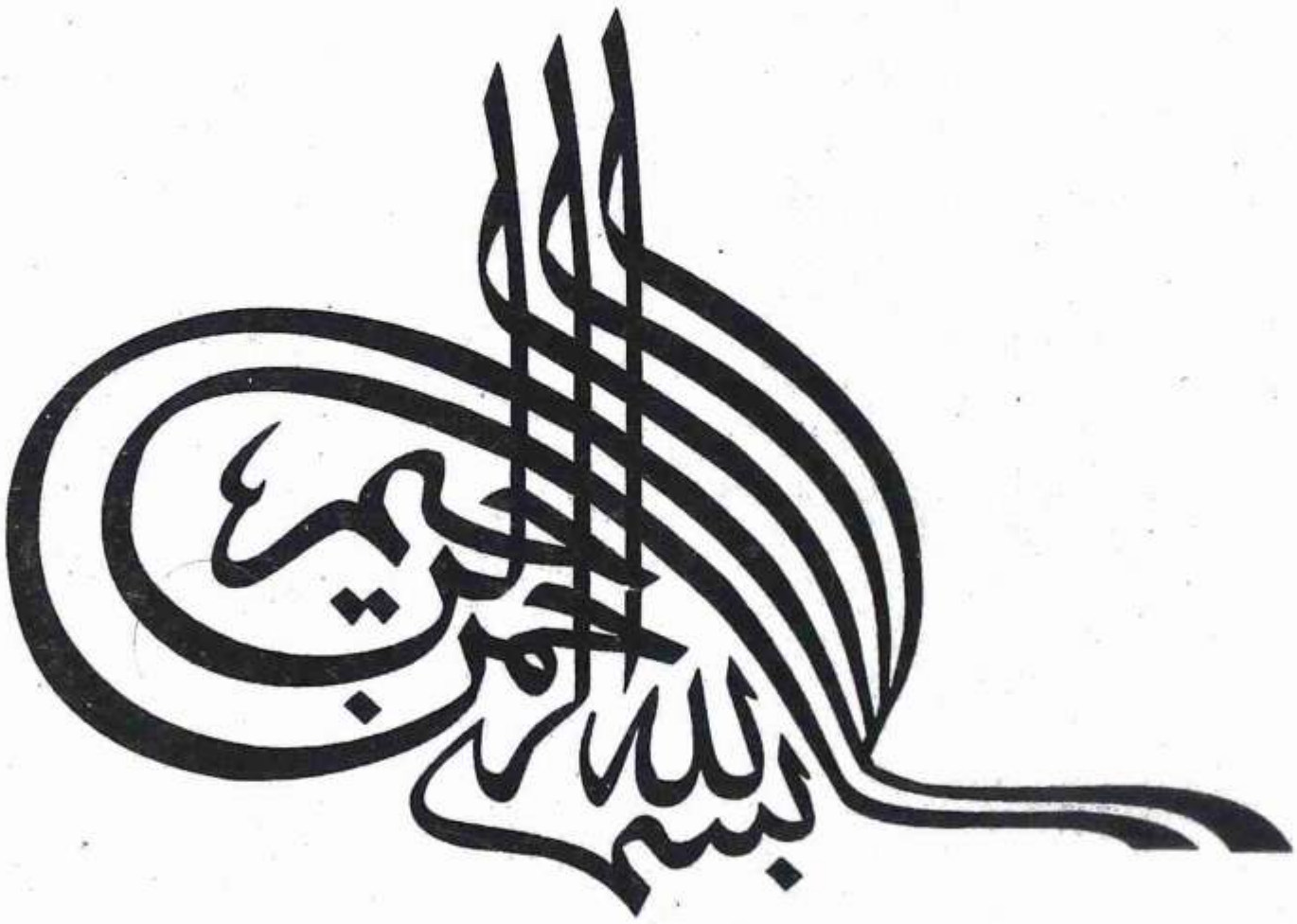
بسم الله الرحمن الرحيم

ارشادِ ربّ العزت

اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ یَتْلُوا عَلَیْهِمْ
آیاٰتِهِ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ

(آل عمران ۱۶۴)

اُن کے واسطے اُنھیں کی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انھیں خدا
کی آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتا ہے اور اُن کی (طبیعت) کو
پاکیزہ کرتا ہے اور انھیں کتاب (خدا) اور عقل کی باتیں سکھاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

ارشادِ رسولِ مکرّم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وَ عَلَیْکُمْ بِمَکَارِمِ الْاَخْلاَقِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ بَعَثَنِیْ بِهَا

اللہ نے مجھے اس لئے خلق کیا ہے کہ میں تمہیں بہترین
اخلاق کی وصیت کرتا رہوں۔

ارتقائے انسانیت

میں

معصومینؑ کا کردار

مجموعہ تقاریر

فروغِ ایمان ٹرسٹ مسجد وامام بارگاہ باب العلم

(محرم الحرام ۱۴۲۱ھ)

مولانا حسن ظفر نقوی

ناشر

فرازِ منبر اکیڈمی کراچی پاکستان

جملہ حقوق بہ حق فرازِ منبر اکیڈمی محفوظ ہیں

نام کتاب: ——— ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار

خطابت: ——— مولانا حسن ظفر نقوی

تسوید: ——— غلام عباس وفا

سرورق: ——— امتیاز عباس عابدی

ترتیب: ——— سیّد زوار زیدی، آفرین عباس رضوی

طبع اوّل: ——— رمضان المبارک ۱۴۲۴ ہجری قمری

قیمت: ——— مجلد ایڈیشن ۱۲۵ روپے

ناشر: **فرازِ منبر اکیڈمی** کراچی پاکستان

تقسیم کنندگان: ..... محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ کراچی

Tel: 4124286-4917823 Fax: 4312882

E-mail: anisco@cyber.net.pk

علی بک ڈپو عباس ٹاؤن

گلشنِ اقبال ٹاؤن، پوسٹ بکس نمبر 17848، کراچی

پوسٹل کوڈ: 75300 فون: 8141362

العصر بک سینٹر

جامع مسجد صاحب الزمانؑ، حیدر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

ACC No.....Date.....
Section.....Status.....
D.D. Class.....
NAJAFI BOOK LIBRARY

انتساب

معصومین علیہم السلام

سے تربیت پانے والوں

کے نام

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے

لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا

انّ اللہ قد اکرمکم بدینہ وخلقکم لعبادتہ،

فانصبوا انفسکم فی اداء حقہ.....

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے دین کے ساتھ عزّت بخشی ہے اور تمہیں اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے لہٰذا تم بھی اپنی جانوں کو اُس کا حق ادا کرنے کے لئے پیش کردو۔

(شرح ابن ابی الحدید، ج ۲، ص ۱۸۵)

فہرست

تقریظ ..... آل محمد رزمی ۱۱

پہلی مجلس ۲۳

دوسری مجلس ۴۹

تیسری مجلس ۷۳

چوتھی مجلس ۱۰۳

پانچویں مجلس ۱۳۵

چھٹی مجلس ۱۶۳

ساتویں مجلس ۱۹۳

آٹھویں مجلس ۲۲۳

نویں مجلس ۲۴۷

سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا

"ایھا الناس! پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظلم و جور کرتا ہو، محرمات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہو، خدائی احکام کو توڑ رہا ہو، سنّت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہو اور بندگان خدا میں معصیت کا طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہو تو جو شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور قولی یا عملی طور پر اصلاح کی کوشش نہ کرے، خدا کو حق ہوگا کہ وہ اس شخص کو بھی اسی بادشاہ کے درجے میں محسوب (شمار) کرے ..... تمہیں معلوم ہوگا کہ بنوامیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنالیا ہے اور خدا کی اطاعت سے روگردانی اختیار کی ہے، مسلمانوں کے اموال کو اپنا بنالیا ہے، حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کر دیا ہے اس صورت میں مجھ سے زیادہ کس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے؟..... "خدایا! تو جانتا ہے کہ میرا قیام (جہاد) نہ تو حکومت کے لئے ہے نہ حصول دولت کے لئے بلکہ ہم تیرے دین کے معالم کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور شہروں میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور تیرے مظلوم بندوں کے لئے امن و امان قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تیرے فرائض و سنن و احکام پر عمل کیا جائے..... میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ذلت سمجھتا ہوں۔"

جب حکومت قصرہائے معدلت ڈھانے لگے　　جب غرورِ اقتدار، اقدار پر چھانے لگے
خسروی، آئین پر جب آگ برسانے لگے　　جب حقوقِ نوع انسانی پہ آنچ آنے لگے

رن میں در آ، بازوے خیبر شکن سے کام لے
ان مواقع پر حسینی بانکپن سے کام لے

کس طرف جانا ہے تجھ کو سوچ اے مردِ خدا!　　اِک طرف زہرِ فنا ہے، اِک طرف نہرِ بقا
یا پہن لے تاجِ کردارِ شہیدِ کربلا　　یا محیطِ کشورِ باطل میں جا کر ڈوب جا

یا عنانِ ذہنِ عالم جانبِ حق موڑ دے
یا حسینؑ ابنِ علیؑ کا نام لینا چھوڑ دے

گر یہ فطری امر ہے جی بھر کے رو اور بار بار　　ماتمِ شبیرؑ میں روتا ہوں میں بھی زار زار
میں تو کیا اس غم سے جنبش میں ہے قلبِ روزگار　　غور فرما لیکن اس نکتے پہ بھی اے سوگوار!

غم نہیں ہے طرۂ طرفِ کلاۂ کربلا
سورما کی موت ہے میراثِ شاہِ کربلا

کون اس میراث کی جانب بڑھاتا ہے قدم　　کس کو سونپا جائے عباسِ دلاورؑ کا علَم
کون کھاتا ہے شعارِ نصرتِ حق کی قسم　　کون یہ کہتا ہوا صف سے اُبھرتا ہے کہ ہم

صفحۂ تاریخ پر حرفِ جلی بنتا ہے کون
وارثِ جنسِ حسینؑ ابنِ علیؑ بنتا ہے کون

جوشؔ ملیح آبادی

مرثیہ: زندگی و موت ''محمدؐ و آلِ محمدؐ کی نظر میں'' سے چند بند

کربلا دین کی تہذیب کا گہوارا ہے
روشنی جس سے ابلتی ہے وہ فوّارا ہے
فکرِ شبیرؑ کا وہ بہتا ہوا دھارا ہے
جس نے ہر دور کے فرعون کو للکارا ہے

حق سے باطل جو کسی موڑ پہ ٹکراتا ہے
لبِ تاریخ پہ شبیرؑ کا نام آتا ہے

کربلا کا ہے یہ پیغام پئے فکرِ بشر
وقت کے ساتھ ہے جاری حق و باطل کا سفر
کربلا کے جو اُجالوں سے منور ہو نظر
پیشِ باطل نہ جھکے پھر کسی انسان کا سر

کربلا رنگ، اگر رنگِ تفکر ہو جائے
نفس آزاد ہو اس طرح کہ حُر ہو جائے

پئے بیعت جو یہ اصرار تھا اور اتنا شدید
تھی تمنّا کہ کرے عدل، ستم کی تائید
تیغِ ظالم نے کیا سبطِ پیمبرؐ کو شہید
پھر بھی پوری نہ ہوئی اصل تمنائے یزید

خود سے شرمندہ ہے بیعت کا سوالی اب تک
ظلم کا پھیلا ہوا ہاتھ ہے خالی اب تک

اے حسینؑ ابنِ علیؑ فاتحِ جنگِ اقدار
حق کا اثبات ہے بیعت سے وہ تیرا انکار
تیرے انکار میں پوشیدہ تھے کیا کیا اَسرار
ان کی تفہیم کو ہوں گی ابھی صدیاں درکار

کچھ بیاں ہو چکی، کچھ شرح ابھی باقی ہے
کربلا ایسی حقیقت ہے جو آفاقی ہے

پروفیسر سردار نقویؒ

مرثیہ ''کربلا دین کی تہذیب کا گہوارا ہے'' سے چند بند از کتاب گریۂ فرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

آل محمد زرمی

انسانیت (Humanism) کے لغوی معنی مروّت، تہذیب، اخلاق اور انسان بنانا یا بننا ہوتا ہے۔ رحم دلی، ہمدردی، نیکی، خیر، ایثار و قربانی، دوسروں کا احساس، اچھائی، شرافت، کردار، بے غرضی، نیک نیتی، سچ، تعاون علم، محبت، عدل و انصاف، حق شناسی، حق پرستی اور حق گوئی جیسے تمام الفاظ انسانیت کی تعریف کے زمرے میں آتے ہیں۔

انسانیت کا قبح نفرت، خودغرضی، کینہ، مفاد پرستی، لالچ، ہوس، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، سازش، بدکرداری، بے رحمی، ظلم و تشدّد، دہشت گردی، جبر، طمع، ملمع سازی، لوٹ کھسوٹ، بدطینتی، بدنیتی، عصبیت، تنگ نظری، شقاوت، قساوت، جہالت اور حق تلفی، بے انصافی و شخصیت پرستی ہے۔

انسانیت ایک ایسا لفظ ہے جو اطراف و اکناف ارضی میں بولا، سنا اور سمجھا جاتا ہے۔ تخلیق کائنات سے تاحال اس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے اور کی جاتی رہے گی ہر جگہ اور ہر دور میں بلا استثناء اس کی عظمت، اہمیت، ضرورت اور افادیت کا احساس کیا جارہا ہے۔ انبیاء و مرسلینؑ، ائمہ طاہرینؑ اور بزرگانِ دین سے لے کر عصر حاضر کے سماجی مصلحین اور علم انسانیت کے ماہرین نے (Humanism) کو دنیا کے تمام مذاہب و معاشرے کے لئے مفید قرار دیا ہے۔ ان تمام کی یہی کوشش رہی ہے کہ انسان کے اندر کے حیوان کو شائستہ بنایا جائے اور انسان کو انسانیت کی آفاقی قدروں سے روشناس کرایا جائے۔

انسانیت، خالق کائنات کی عطا ہے، نوع انسانی کے لئے تحفہ ومتاع بے بہا ہے، یہ نصیب بلکہ بڑے نصیب کی بات ہے، اس عالم رنگ وبو میں اگر کوئی چیز آفاقی وآسمانی ہے تو وہ انسانیت ہے جو احساس وایثار اور اخلاص ومحبت کے بطن سے جنم لیتی ہے۔

انسانیت(Humanism) کی تعریف ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اسی لئے ہر دور میں اس کی مختلف تعریف، تعبیر اور تشریح وتوجیہ کی گئی ہے۔ ماہرین بشریات (Anthropologists) تاریخ نگاروں (Histriographists) ماہرین علم مظاہر(Phenmenologists)اور Sociology of Knwoledge یعنی سماجیات کے علوم نے الگ الگ تعریف Defination اور استنباط Inference پیش کیا ہے۔

غرض یہ کہ مختلف علمی شعبوں کے ماہرین نے تا حد بصیرت اسے اپنے اپنے افکار گراں مایہ سے روشناس کرایا، فلسفیوں و دانش مندوں اور اس علم کے ماہرین نے اس پر کتابیں لکھیں اور مقالے رقم کیے۔ ادیبوں نے اس کے اوصاف بیان کیے، شعراء نے انسانیت کے گیت گائے اور قصیدے لکھے۔ علماء نے اس کی اہمیت بیان کی، خطباء نے اس ضمن میں زور خطابت دکھایا لیکن انسانیت کی کما حقہ تعریف نہ ہوسکی۔ نہ جانے کیوں مولانا حسن ظفر صاحب نے اس مشکل موضوع کو اپنی مجالس کا سرنامہ کلام یا عنوان قرار دیا جب کہ بدر واحد اور خیبر وخندق جیسے بے شمار موضوعات تھے جن پر انہیں داد وتحسین بھی ملتی اور خوش عقیدگی کی سند بھی۔ سامعین کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا اور مزید دعوتیں بھی مگر مضطرب دنیا کے اس باسی اور اس کھوجتے وسوچتے ہوئے انسان کا موضوع ہمیشہ ہی انوکھا اور منفرد ہوتا ہے۔ برادرم پروفیسر سبط جعفر زیدی، ریحان اعظمی اور میں نے بارہا مولانا حسن ظفر صاحب سے گذارش کی کہ وہ اپنی موجودہ روش سے باز آجائیں اور زندگی کا قرض چکانے کے چکر میں نہ رہیں بلکہ ہم رنگ تماشہ بن کر اپنا معیار زندگی بلند کریں اور ملیر کی مضافاتی بستی سے نکل کر شہر کا رخ کریں۔

ریحان اعظمی نے تو انہیں ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' جیسے اشعار بھی سنائے مگر

مولانا حسن ظفر قائل ہونے کے بجائے الٹا ہمیں قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں مولانا حسن ظفر کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ مولانا نہ تھے بلکہ National Student Federation کے عہدے داران میں سے تھے اور اچھے خاصے ''سرخے'' تھے۔اس وقت بھی ان کے پیش نظر صرف اور صرف انسانی مسائل وانسانیت تھی پھر وہ ہماری طرح قوم کی خاطر ''پس دیوار زنداں'' بھی رہے پھر ہم نے یہ بھی دیکھا کہ وہ دنیاوی تعلیم چھوڑ کر اچھی خاصی معقول آمدنی والی ملازمت کو لات مار کر دینی تعلیم کے حصول کے لئے ایران روانہ ہو گئے اور پندرہ روزہ ''ارشاد'' میں ''روشنی سفر'' کے نام سے ان کے تواتر سے مضامین چھپنے لگے۔وہ رہبر انقلاب حضرت امام خمینی رضوان اللہ علیہ کی تاریخ ساز شخصیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کی زندگی میں انقلاب برپا ہو گیا، انہوں نے ایران کے اسلامی انقلاب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا یہاں تک کہ ''اہواز'' کے محاذ پر تین مہینے جنگ میں بھی حصہ لیا۔ہم نے خود دیکھا کہ یہ دھان پان سا انسان محاذ جنگ پر بڑی استقامت سے ڈٹا ہوا ہے۔

مولانا حسن ظفر نے کامل شعور وادراک اور مکمل فہم واخلاص کے ساتھ دینی تعلیم کے میدان میں قدم رکھا وہ اپنے میلان طبع کے خلاف اس میں نہیں آئے تھے جیسے عموماً والدین اپنے نااہل وکند ذہن بچے کو دینی مدارس میں داخل کرادیتے ہیں کہ چلو اس کی نالائقی وخرچے سے جان چھوٹی، جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ وہ ایک معقول آمدنی والی ملازمت کو ٹھوکر مار کر دینی تعلیم حاصل کرنے گئے تھے، بلا مبالغہ اگر وہ آج اپنی سابقہ ملازمت میں ہوتے تو ان کی تنخواہ کسی بھی طرح پچیس تیس ہزار سے کم نہ ہوتی اور رہائش، گاڑی اور موبائل وغیرہ کمپنی کی طرف سے ہوتا اس طرح انہیں قرضہ لے کر مکان کی چھت نہ ڈلوانا پڑتی اور نہ قرض لے کر کار خریدنا پڑتی۔

مولانا حسن ظفر لاکھ اپنے مقاصد ونصب العین اور اہداف پر راسخ (Fiducial) رہیں انہیں قوم کے قدامت پسند علمائے سوٗ کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا، ہمارے مذہبی تاجر انہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ ان کی روزی پر لات ماریں اور قوم کے فراموش کردہ حقیقی مسائل

پر گفتگو کر کے قوم کے نوجوانوں اور بزرگوں کو بیدار کریں۔ ان تقدس مآبوں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ قوم کی سرفرازی اور عظمت کی بحالی کے لئے نقد جاں نذر کرنے والے ان پاک باز سرفروش شہداء کے والدین، بہن بھائیوں، بیوہ اور بچوں پر کیا گزر رہی ہے؟ انہیں اس بات کا قطعی احساس نہیں ہے کہ شہیدوں کے بچوں کی کفالت، تعلیم و تربیت اور معاشرے میں باعزت مقام و مرتبہ کے لئے کسی منظّم اور ہمہ گیر عملی امداد کی ضرورت وقت کا اہم تقاضہ ہے۔ مال امامؑ سے معیار زندگی بلند کرنے والوں کو کیا خبر کہ قوم کے بچے کس پستی و زبوں حالی کا شکار ہیں؟ قوم کے بچے ان اہل جبہ و دستار کے دروں پر کتاب و قلم کا تقاضہ لے کر جاتے ہیں اور مایوس و بوجھل قدموں سے واپس آجاتے ہیں۔ بیواؤں اور غریبوں کو خمس کے چند سکوں کے لئے اپنا نسب تبدیل کرنا پڑتا ہے، یہ اظہار حرف حق ہم اس لئے نہیں کر رہے ہے کہ خدانخواستہ ہم علماء کے مخالف ہیں، نہیں بلکہ ہم علمائے سوٗ کے مخالف ہیں، علمائے حق پر تو ہماری جانیں قربان ہو جائیں، انہیں ہماری زندگی مل جائے، ہم ہمیشہ علماء کے وقار کے لئے لڑتے اور لکھتے رہے ہیں لہٰذا ہم پر بے دینی کا الزام عائد کر کے کوئی زہد کے پردے میں ریا کاری کرنے والا دھوکہ نہیں دے سکتا۔ کتنی ہی شہ رگوں کا خون، کتنی ہی آنکھوں کے آنسو، کتنے ہی ہونٹوں کی آہیں اور کتنے ہی دلوں کی بدعائیں علمائے سوٗ کے پیمانہء مقدر میں بھرتی چلی جارہی ہیں۔ آخر ایک دن یہ پیمانہ چھلک جائے گا اور جب وہ وقت آجائے گا تو پھر قاعدہ یہی ہے **لا یستماخرون منه ساعةً ولا لیتقدمون** یہ جملے تو بر سبیل تذکرہ زیر قلم آگئے ہیں وگرنہ ان عصری مسائل پر مولانا حسن ظفر صاحب گاہ گاہ گفتگو کرتے رہتے ہیں اور ہمارے ذہن و ضمیر کو جھنجھوڑتے رہتے ہیں۔ سلام اس پر جو حق کو قبول کرے۔

اب ہم دوبارہ اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں کہ ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کیا کردار رہا؟ لیکن اس سے قبل ہمیں مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کرنا ہوگا اور تمدّن نوع انسانی کے بارے میں جاننا ہوگا کہ کس قوم نے اس سلسلے میں کس حد تک پیش رفت کی ہے؟

جب ہم آریائی، دراوڑی، یونانی، شمیری، بابلی، فنیقی اور مصری تمدن کا مطالعہ کرتے ہیں تو

سوائے فلاسفہ یونان کے کسی نے بھی اس موضوع پر گفتگو نہیں کی ارسطو، افلاطون، بقراط وسقراط وغیرہ کی تعلیم کا ماحصل یہ تھا کہ انسانوں میں بہ حیثیت انسان کوئی فرق نہیں اور خودغرض، تنگ نظر صاحب اقتدار انسانی اقدار کو تباہ کررہے ہیں اور وحدت انسانی کو پارہ پارہ کررہے ہیں۔اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ اور مارکس آریلیس نے وحدت انسانی کا خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کے لئے کوشش کی۔ Munilisko کے بقول ہر سال اس دن جب یسوع مسیح کو صلیب دی گئی انسانیت اپنی گہری نیند سے بیدار ہوکر قوموں کو پرچھائیوں کے سامنے کھڑی ہوجاتی ہے اور مسیح ناصری کو سولی پر لٹکا ہوا دیکھنے کے لئے اپنی آنکھوں.....اشک آلود آنکھوں کا مرکز کوہ جلجلہ کو بنالیتی ہے اور جب سورج غروب ہونے لگتا ہے تو واپس ہوتی ہے اور ان بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتی ہے جو پہاڑوں کے دامن پر نصب ہیں۔

Spunglar کہتا ہے انسانیت وہ عورت ہے جو عظیم ترین شخصیتوں پر ماتم کرنے اور رونے پیٹنے سے خوش ہوتی ہے لیکن اگر وہ مرد ہوتی تو ان کی عظمت وجلالت سے مسرور ہوتی لیکن ہمارے یہاں انسانیت کا مفہوم اس سے قطعی برعکس ہے،انسانیت نام ہے ان اعلیٰ آفاقی قدروں کا جن سے ایک مثالی انسان بنایا جائے، ایک فلاحی معاشرہ قائم کیا جائے کسی معاشرے کے ارتقاء کا مطالعہ دو چیزوں سے کیجئے اور یہی دو چیزیں معاشرے کے تہذیبی راستوں کا تعین کرتی ہیں،ایک ہے زبان اور دوسری چیز اوزار اور اس لیے معاشرے کی تخلیقی صلاحیتوں کا اندازہ مادی طور پر تو ان میکانکی اوزاروں سے ہوتا ہے جو کسی قوم میں مستعمل ہوں اور روحانی طور پر ان لفظوں سے ہوتا ہے جنھیں وہ معاشرہ استعمال کررہا ہو۔

دنیا کے تمام دانش مندوں نے انسانیت کی علیحدہ علیحدہ تعریف کی ہے۔معروف دانشور خلیل جبران خلیلؔ کہتا ہے ''انسانیت ایک صاف شفاف ندی ہے جو اچھلتی کودتی اور گاتی ہوئی آتی ہے اور پہاڑوں کے راز سمندر کی گہرائیوں تک لے جاتی ہے..... وہ ایک پاکیزہ شعار ہے لیکن اے

انسانیت کے علم بردارو! تمہاری تلواریں صدیوں سے کند ہیں، تمہارے تیر ٹوٹے ہوئے ہیں، تمہارے دعوے بیکار اور تمہارے نعرے کھوکھلے ہیں۔ انسانیت سیرت و کردار کا دوسرا نام ہے، انسانیت ایک عزم ہے جو ہماری زندگی کا ہم رکاب ہے"۔ اوراق کی محدودیت کی وجہ سے ہم خلیل جبران خلیل کی انسانیت کے بارے میں تعریف پر ہی اکتفا کرتے ہیں خلیل جبران نے بالکل صحیح کہا ہے کہ انسانیت سیرت و کردار کا دوسرا نام ہے لہٰذا ہم بڑے فخر سے یہ بات کہتے ہیں کہ انسانیت نام ہے محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی سیرت کا، جن کی حیاتِ طیبہ کا ہر لمحہ انسانیت سے عبارت ہے۔

پہلے معصوم، خاتم النبین سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہے، جو دوسروں سے محبت کرتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں ..... سب سے بدتر شخص وہ ہے جو اپنی آخرت اپنی دنیا کے لئے بیچ دے اور اس سے بھی بدتر وہ شخص ہے جو اپنی آخرت دوسرے کی دنیا کے بدلے میں بیچ دے (بحار الانوار، ج ۷۷ ص ۴۶) سر اللہ العالمین امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں: سخاوت، عزت و آبرو کی پاسبان ہے، بُردباری احمق کے منہ کا تسمہ ہے اور گزر کرنا کامیابی کی زکوٰۃ ہے، جو غداری کرے اسے بھول جانا اس کا بدل ہے۔ مشورہ لینا خود صحیح راستہ پا جانا ہے، جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کر کے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے۔ صبر، مصائب و حوادث کا مقابلہ کرتا ہے، بے تابی و بے قراری زمانے کے مددگاروں میں سے ہے۔ بہترین دولت مندی آرزوؤں سے ہاتھ اٹھا لینا ہے۔ بہت سی غلام عقلیں امیروں کی ہوا و ہوس کے بار میں دبی ہوئی ہیں۔ تجربہ و آزمائش کی نگہداشت حسن توثیق کا نتیجہ ہے۔ دوستی و محبت اکتسابی قرابت ہے جو تم سے رنجیدہ و دل تنگ ہو اس پر اطمینان و اعتماد نہ کرو (نہج البلاغہ خطبہ ۲۱۱) ترجمہ علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ)

جب آپ اقوال و کردار معصومینؑ کا شعوری مطالعہ فرمائیں گے تو آپ پر یہ واضح ہوتا چلا جائے گا کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے انسانیت کو زرّین اصول عطا فرمائے ہیں اوپر دیئے گئے دو

اقوال سے ہی آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ نوع انسانی کے کتنے مسائل کا حل ان میں موجود ہے؟

حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں ''والدین کے ساتھ نیکی کرنے کو اس لئے واجب قرار دیا تا کہ غضب خدا سے محفوظ رہیں۔ صلہ رحمی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، عدل کی تاکید اس لئے ہے کہ تمہارے دلوں کو جوڑ دے (انوار وحی، ص ۴۷۔۴۶)

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ''بزدلی'' دوستوں سے بہادری اور دشمنوں سے بھاگنا ہے اور ''جواں مردی'' دین کی حفاظت، نفس کی بزرگی، نرمی کی عادت، احسان اور حقوق کی ادائیگی ہے (تحف العقول، ص، بحار الانوار، ج ۷۸ ص ۱۰۲)

نوع انسانی اقوام متحدہ کے منشور انسانی Humancharter of United Nations کا بغور مطالعہ کرے جو فقط کاغذ کا چیتھڑا اور قول و فعل کے تضاد کا عملی و اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس میں نوع انسان کی فلاح و نجات کی کوئی عملی تدبیر و تطبیق نہیں جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی سیرت و کردار میں ارتقائے انسانیت کی معراج نظر آتی ہے اور بنی نوع انسان کے لئے بالعموم اور امت مسلمہ کے لئے بالخصوص منزل کمال اور انسانیت تک رسائی کے ضمن میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

کربلا نام ہے تحفظ انسانیت کا کیونکہ یزید تمام مذاہب و تمام انبیاءؑ کی تعلیمات پر یکسر خط کھینچ رہا تھا، وہ اقدار جو خداوند عالم نے انبیاء و مرسلینؑ کی وساطت سے نوع انسانی تک پہنچائی، وہ اقدار جو نوع انسانی میں اساسی حیثیت کی حامل ہیں یعنی انسانی رشتوں کی پاسبانی و پاسداری لیکن یزید نے ان رشتوں کے تقدس کو اس طرح پامال کیا کہ اپنی ماں، بہنوں اور پھوپھیوں سے دست درازی کی، دنیا کے کسی مذہب میں، شراب، جوا اور لواطت قانوناً و شرعاً جائز نہیں ہے مگر یزید بحیثیت خلیفۃ المسلمین کے ان تمام چیزوں کو نہ صرف جائز قرار دے رہا تھا بلکہ ان کا مرتکب بھی ہو رہا تھا، دوسری طرف وہ وحدانیت، رسالت، قرآن و وحی کا علی الاعلان انکار کر رہا تھا اور صاف

کہہ رہا تھا کہ محمدؐ نبی تھے نہ ان پر کوئی وحی آئی، بنی ہاشم نے اقتدار کے لئے یہ ڈھونگ رچایا تھا اس طرح یزید انسانیت و اسلام دونوں کا مشترکہ مجرم تھا لہٰذا جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حسینؑ نہ ہوتے تو انسانیت تباہ ہو جاتی تو صرف یہ دعویٰ نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ لوگ یزید کی اس حرکت کی طرف متوجہ ہوئے، اس کے اس اقدام پر اس کی مذمت کی اور اس پر رائے عامہ کا اس قدر دباؤ بڑھا کہ وہ علی الاعلان اس قسم کی ہرزہ سرائی سے اجتناب برتنے لگا اور اگر حسینؑ بھی اس کے اس اقدام پر خاموش رہتے تو اسے اسلامی قانون کا ایک حصہ سمجھ لیا جاتا اور مذاہب عالم کی نگاہ میں اسلام کی جو رسوائی ہوتی وہ عبرت ناک ہوتی۔

حسینؑ نے با آواز بلند یزید کے ان اقدامات کی مذمت کی اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا کہ اسلام کا وارث یزید نہیں خود حسینؑ ہیں دنیا آئے اور حسینؑ کے کردار سے اسلام کی عظمت کا اندازہ لگائے یزید کے اقدامات پر روک نہ لگائی جاتی تو نوع انسانی کے سامنے اسلام کی گردن ہمیشہ شرم سے جُھکی رہتی۔ دنیا میں کچھ قدریں پوری انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہوتی ہیں اور مذہب و معاشرے میں انہیں قبول کیا جاتا ہے اسی لئے حضرت امام حسینؑ کا یہ کارنامہ تاریخ ساز بھی ہے اور حیات ابدی کی نوید بھی۔ آپؑ نے لوگوں کی زندگیوں پر نہایت گہرے اثرات اور ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ انقلاب حسینؑ ہمہ گیر پہلوؤں کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ نجات انسانیت کے لئے گہرے مضمرات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

مولانا حسن ظفر نقوی نے امت مسلمہ پر اپنی تقاریر میں بیسیوں اہم مآخذات و مصادر کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار'' سب سے اہم ہے آپ حضرت امام حسینؑ کے اقوال کا مطالعہ کرتے جایئے آپ پر ارتقائے انسانیت میں حسینؑ کا کردار سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔ ''کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے اور باطل سے دوری نہیں اختیار کی جا رہی ہے۔ ایسی صورت میں مومن کو حق ہے کہ وہ لقائے الٰہی کی

رغبت کرے.....'' ایک اور جگہ امام عالی مقامؑ فرماتے ہیں ''میرا خروج نہ تو کسی خود پسندی کے لئے ہے نہ ظلم وفساد کے لئے بلکہ میں نے تو صرف اپنے جد کی امت کی اصلاح کے لئے خروج کیا ہے۔ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چاہتا ہوں اور اپنے جد محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اپنے باپ علی ابن ابی طالبؑ کی سیرت پر چلنا چاہتا ہوں (مقتل خوارزمی، ج۱، ص۱۸۸)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے ارتقائے انسانیت میں اپنا کردار ایک ایسے دور میں ادا کیا جب حاکم وحکومت دونوں انسانوں کے استحصال کے جرم میں برابر کے شریک تھے اور انسانیت کے مروجہ ومسلم اصولوں کی دھجیاں اڑائی جارہی تھیں، ایسے میں حسینؑ نے حیوانیت کے اس سیلاب کو اپنے خون سے روک دیا اور تاریخ نے یزید کی ظاہری فتح کے باوجود حسینؑ کو فاتح اعظم اور انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا'' ایھا الناس! پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظلم وجور کرتا ہو، محرمات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہو، خدائی احکام کو توڑ رہا ہو، سنّت رسولؐ کی مخالفت کرتا ہو اور بندگان خدا میں معصیت کا طرز عمل اختیار کئے ہوئے ہو تو جو شخص ان باتوں کو گوارا کرے اور قولی یا عملی طور پر اصلاح کی کوشش نہ کرے، خدا کو حق ہوگا کہ وہ اس شخص کو بھی اسی بادشاہ کے درجے میں محسوب (شمار) کرے'' یعنی اس گناہ میں اسے بھی شامل قرار دے۔ اس کے بعد اس وقت کی حالت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''تمہیں معلوم ہوگا کہ بنوامیہ نے اطاعت شیطان کو اپنا راستہ بنالیا ہے اور خدا کی اطاعت سے روگردانی اختیار کی ہے، مسلمانوں کے اموال کو اپنا بنالیا ہے، حلال خدا کو حرام اور حرام خدا کو حلال کردیا ہے اس صورت میں مجھ سے زیادہ کس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے؟ اس تقریر کا ایک ایک جملہ ایک ایک لفظ اسلام سے حسینؑ کے ربط کی عکاسی و وضاحت اور تفسیر وتشریح کرتا ہے ۔حسینؑ انسانی حوالے سے یہ دیکھ رہے تھے کہ مسلمانوں کی معاشی حالت کمزور ہورہی ہے اور ان

کے حق پر حکومت ڈاکہ ڈال رہی ہے، نوع انسانی کا درد اور اسلام کی محبت حسینؑ کے خون کے ہر قطرے میں رواں دواں تھی..... ایک اور جگہ فرماتے ہیں ''خدایا تو جانتا ہے کہ میرا قیام (جہاد) نہ تو حکومت کے لئے ہے نہ حصول دولت کے لئے بلکہ ہم تیرے دین کے معالم کو پیش کرنا چاہتے ہیں اور شہروں میں اصلاح کرنا چاہتے ہیں اور تیرے مظلوم بندوں کے لئے امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ تیرے فرائض وسنن واحکام پر عمل کیا جائے (تحف العقول، ص ۲۳۹)

امام عالی مقامؑ نے فرمایا میں موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ذلت سمجھتا ہوں۔ غرض یہ کہ تمام معصومینؑ نے ارتقائے انسانیت کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

حضرت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں ''برادر مومن کا برادر مومن کے چہرے کی طرف نظر کرنا مودّت اور اُس سے محبت کرنا عبادت ہے۔'' حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں ''تین چیزیں دنیا وآخرت کے کمالات میں سے ہیں (۱) جس نے تم پر ظلم کیا ہے اس کو معاف کر دینا (۲) جس نے قطع رحم کیا ہے اس کے ساتھ صلہ رحم کرنا (۳) جو تم سے جہالت برتے اس کے ساتھ حلم برتنا''۔ صادق آل محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں ''برادر مومن کی حاجت کے لئے جانے والا صفا ومروہ کے درمیان سعی کرنے والے کی طرح ہے'' اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں ''خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے نہ روکو ورنہ اس سے دگنا معصیت میں خرچ کرنا پڑے گا'' (بحار، ج ۷۸، ص ۳۲۰)

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں ''بخل انسان کی آبرو خاک میں ملا دیتا ہے اور دنیا کی محبت رنج کا سبب بنتی ہے، سب سے اچھی اور شریف عادت نیکی کرنا، مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنا اور امیدوار کی امید پوری کرنا ہے''۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام فرماتے ہیں ''مخلص وقابل اطمینان دوست ایک دوسرے کے لئے ذخیرہ ہیں''۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں ''والدین کی نافرمانی، قلت روزی اور ذلت ورسوائی کا سبب ہوتا ہے''۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں ''خبردار! ریاست وشہرت طلبی سے بچو کیونکہ یہ دونوں ہلاکت کی طرف

دعوت دینے والے ہیں''۔ حضرت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ الشریف کا ارشاد ہے ''جو ہمارے مال سے ایک درہم بطور حرام کھائے اس پر خدا، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''۔ (کمال الدین، ج ۲، ص ۴۸۴)

معصومینؑ کا ایک ایک قول انسانیت کی رہبری کے لئے مشعل راہ ہے جس پر چل کر انسان فلاح ونجات اور اپنے خالق کی رضا وخوشنودی حاصل کرسکتا ہے۔

مولانا حسن ظفر نقوی نے انتشار واضطراب کے اس دور میں نوع انساں کو انسانیت کی اعلیٰ اقدار سے روشناس کرانے کے لئے معصومینؑ کے کردار کے مطالعے کی دعوت دی اس موضوع پر لب کشائی ایک سعادت بھی ہے اور ایک امتحان بھی۔ سعادت ان معنوں میں کہ تقریر کی نعمت پانے والے خرد کی زبان سے ذکر معصومؑ ہو اور اس طرح بارگاہِ ایزدی تک رسائی کا وسیلہ نصیب ہو اور امتحان ان معنوں میں کہ والہانہ جذبوں کا اظہار کرتے کرتے اگر شدت جذبات میں زبان اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو خرمن اعتدال و پارسائی وحق گوئی کو جلا کر بھسم کر دیتا ہے۔

مولانا حسن ظفر نقوی نے اپنی تقاریر کی تیاری میں شائستگی و شستگی کے ساتھ ہر واقعے کی چھان پھٹک کے لئے مستند سیر و کتب سے بھی استفادہ کیا ہے اور موضوع کی نزاکت کا بھی پورا لحاظ رکھا ہے۔

وہ معصومینؑ کی سیرت و کردار کو بیان کرتے ہوئے آشوب عصر کے رستے ہوئے ناسوروں پر بھی نشتر چلاتے جاتے ہیں اور اس طرح سیرت معصومینؑ کا یہ تذکرہ ہمارے حال کے شب و روز سے بھی مربوط ہو جاتا ہے۔

انہیں قوم کو درپیش مسائل کا شدید احساس ہے، انہیں دلوں کے ناسوروں کا بھی اندازہ ہے اور رہبروں کے بھیس میں رہزنوں پر بھی ان کی نظر ہے لیکن وہ ان نامساعد حالات اور تمام تر رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود پرامید ہیں۔ وہ نئی نسل کے مقبول خطیب ہیں اور یہ باور کرانے میں کامیاب ہیں کہ یہ خیال غلط ہے کہ اس سائنسی اور ایٹمی دور میں کامیاب زندگی گزارنے کے لئے روحانی واخلاقی تعلیمات اور تربیت کی ضرورت نہیں ہے حالانکہ ان کی جتنی ضرورت آج ہے

شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ مادی طرز فکر نے انسان کو انسانیت سے بے بہرہ کر دیا ہے اور مادی ترقی اس کی تباہی کا باعث بن گئی ہے۔ اس ترقی کو انسان کے حق میں مفید بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دین حق کی تعلیمات اور سیرت معصومینؑ کو موثر انداز میں پیش کیا جائے۔ **للّٰہ الحمد** کہ مولانا حسن ظفر نقوی اس فریضے کو کما حقہ انجام دے رہے ہیں لیکن عام طور پر علماء و خطباء کی یہ کیفیت ہے کہ وہ یا تو ابھی اپنے عصری مسائل سے نا آشنا ہیں یا بر بنائے مفاد و مصلحت خاموش ہیں، انہیں بہر حال زمانہ حال میں رونما ہونے والی زبردست تبدیلیوں کا ادراک حاصل کر کے اپنی صلاحیت و شعور کا مظاہرہ کرنا پڑے گا تا کہ دین کا پیغام موثر انداز میں پیش کیا جا سکے۔

زیر نظر کتاب ''**ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار**'' کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا نقوی موجودہ دور کے حالات کے تناظر میں دین حق کی تعلیمات اور سیرت ائمہ طاہرین علیہم السلام کے ہمہ گیر اثرات سے بخوبی آگاہ ہیں اور عالم انسانیت کی تشکیل و تعمیر میں دین کے کردار کو اجاگر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کا طرز استدلال، طریقہ استنباط اور اندازِ بیان نہایت موثر، دل نشیں و دل کش ہے۔ انہوں نے اپنے مباحث کی بنیاد، حالاتِ حاضرہ انسانیت کا ارتقاء اور معصومینؑ کے کردار پر رکھی ہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس کی ہے اہم مصادر بھی پیش کئے اور قرآن و احادیث سے بھی مدد لی ہے بلاشبہ کتاب '' **ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار** '' دینی، علمی اور قومی حلقوں میں تاریخی معلومات کے لئے ایمان افروز اضافہ ہے، جس کے مطالعے سے دل و دماغ میں تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوگا اور عملی زندگی میں رہنمائی بھی ملے گی۔

ذات واجب مولانا سید حسن ظفر نقوی صاحب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور انھیں خمس و خون حسینؑ کی تجارت کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

آل محمد رزمی

مدیر ماہنامہ اصلاح کراچی

پہلی مجلس

أعُوذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ مِنَ ألآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أَللّٰهِ أَلرَّحْمٰنِ أَلرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

ایامِ عزا کی آج پہلی مجلس ہے حسب عادت اور حسب دستور اپنے تمام مرحومین اور شہداء کے لئے بالخصوص وقار حسین نقوی ایڈوکیٹ اور ان کے جواں سال صاحبزادے کے لئے، جو آج ہی صبح درجۂ شہادت پر فائز ہوئے ہیں، ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر بخش دیجیے۔

سورۂ سجدہ کی ساتویں، آٹھویں اور نویں آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا گیا ہے اور انہی آیات کو ہم نے ان مجالس کے لئے سرنامۂ کلام بھی قرار دیا ہے۔ ساتھیو! آیت کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (السجدہ ۷) ارشاد ربّ العزت ہوا کہ وہی پروردگار کہ جس نے حُسن کے ساتھ ہر چیز کو بنایا۔ احسن طریقے کے ساتھ اور انسان کی خلقت کی ابتداء مٹی سے کی ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَّهِیْنٍ (السجدہ ۸) اور پھر اس انسان کی نسل کو ایک حقیر پانی میں قرار دیا یعنی اس کی نسل کے پروان چڑھنے کو ایک حقیر پانی میں قرار دیا۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدہ ۹) اور پھر اپنی روح اس میں پھونکی وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ (السجدہ ۹) اور پھر اسے سماعت بھی دی، بصارت بھی دی وَ الْاَفْـِٕدَةَ (السجدہ ۹) اور دل بھی دیا۔ مگر حال یہ ہے کہ تم بہت کم شکر کرنے والے بندے ہو قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۹) بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو۔

یہ تین آیات ہیں۔ موضوع کا اعلان ہو چکا، آج تمہیدی اور مقدماتی مجلس ہے۔ بعض باتیں شاید آپ کے حساب سے مجلس سے باہر کی ہوں مگر میرے حساب سے ہمیشہ یہ باتیں مجلس ہی کی باتیں ہیں۔ اگر آج علماء اور ذاکرین کا یہ فیصلہ نہ بھی ہوا ہوتا کہ ان شہداء کے حوالے سے بات کی جائے گی۔ آج پہلی محرم کو جو سانحہ ہوا ہے اس کے حوالے سے بات کی جائے گی تو پھر بھی میں بات کرتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ اتنے سال کے بعد آج پہلی بار یہ نوبت آئی ہے کہ سب نے یہ فیصلہ کیا کہ ہر منبر سے بات کی جائے گی یعنی یہاں تک لوگوں کو احساس ہو گیا۔ دعا کریں کہ دس بارہ برس میں اور ایک قدم آگے بڑھا دیں تو عزاداری کا پورا فلسفہ ہماری سمجھ میں آ جائے گا اور جب سارا فلسفہ سمجھ میں آ جائے گا تو خود بخود سارے مسائل بھی ختم ہو جائیں گے۔

وہ باتیں درمیان میں ہوتی رہیں گی مگر میں چاہتا ہوں کہ مجلس بھی ڈسٹرب نہ ہو اور جو موضوع دیا گیا ہے اس میں بھی خلل واقع نہ ہو کیونکہ یہ حرکات کی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ مجالس کو ڈسٹرب کیا جائے اس لئے کہ اگر مجالس ڈسٹرب ہو گئیں تو گویا وہ کامیاب ہو گئے اور اگر ہم نے ان

شہادتوں کے باوجود ذکرِ حُسینؑ کو جوں کا توں برقرار رکھا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شان وشوکت سے مراسمِ عزاء کو انجام دیا تو ہمارے دشمن ناکام اور ہم کامیاب ہو گئے۔

اس اصولی بات کو ہمیشہ کے لئے پلّے باندھ لیجئے۔

عزیزانِ محترم! اِسی لئے ایسے سانحات اور حوادث برپا کئے جاتے ہیں کہ عزاداری میں خلل ڈالا جائے تو اگر اسی شان وشوکت بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شان وشوکت سے آپ نے جناب رسول خداؐ کی خدمت میں، جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمت میں ان کے لال کا پرسہ دیا تو ہم کامیاب۔ بے شک شہید ہوتے رہیں، شہید ہونا کوئی ناکامی تھوڑی ہے لیکن اگر مجالس ڈسٹرب ہو گئیں، عزاداری میں خلل واقع ہو گیا تو وہ شاید کچھ دیر کے لئے کامیاب ہو گئے لہٰذا ہم اپنے موضوع کو جاری رکھیں گے، موضوع پہ رہیں گے۔ بیچ میں جہاں جہاں موقع ملے گا عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق آپ سے گفتگو ہوتی رہے گی۔

ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار اس موضوع کا اعلان آپ کے سامنے کیا گیا ہے۔ ارتقائے انسانیت یعنی انسان کی ترقی اور انسان کی انسانیت کو آگے بڑھانے کے لئے، معصومینؑ کا جو کردار رہا اس پر گفتگو ہو گی۔ یاد رکھئے کہ جتنے بھی انبیاءؑ مبعوث کئے گئے ہیں ان کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان کو کمال کی منزل تک پہنچایا جائے۔ انسان اپنی ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا کمال کو حاصل کرے۔ انسانی کمال کو حاصل کرے۔

تمام انبیاء کی بعثتوں کا مقصد انسانوں کی تعلیم وتربیت ہے اور جب یہ ہو گی تو خود بہ خود انسانیت پنپ کر سامنے آجائے گی۔ انسانی معاشرے وہاں ترقی کرتے ہیں جہاں انسانیت کی تربیت ہو۔ پروردگار نے کسی مناسب کام سے نہیں روکا مگر انبیاءؑ اور معصومینؑ کو اسی لئے بھیجا کہ انسانوں کے نفس کی تربیت ہوتی رہے۔ ان کی روح کی تربیت ہوتی رہے۔ ان کا تزکیہء نفس ہوتا رہے تاکہ انسانیت اپنے کمال تک پہنچتی رہے۔

آپ دیکھئے قرآن کریم میں بے شمار جگہ بلکہ میں تو یہاں تک آپ کی خدمت میں عرض کر سکتا

ہوں کہ احکام کی آیات کم اور انسانی تربیت یعنی اخلاقی تربیت کی آیات کی تعداد احکام کی آیات سے کہیں زیادہ ہے۔ احکام کی آیات کی تعداد پانچ سو ہے اور آٹھ سو کے قریب ایسی آیات ہیں کہ جن میں انسانی کمال کی بات کی گئی ہے، انسانی تربیت کی بات کی گئی ہے، تزکیۂ نفس کی بات کی گئی ہے، اخلاقی تربیت کی بات کی گئی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب تک اخلاقی تربیت نہیں ہوگی، جب تک تزکیۂ نفس نہیں ہوگا، اسلام کا نام تو ہوگا مگر اس میں اسلامی روح نہیں ہوگی۔

نام اسلام کا رہے گا، قرآن کے حروف رہیں گے لیکن مطالب و مفاہیم میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچے گا لہٰذا جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے ان سب کی بعثت کا مقصد لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤمِنِینَ (آل عمران ۱۶۴) پروردگار نے مومنین پر احسان کیا ان پر سنت گزاری کس طرح سے اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُولاً مِنْھُمْ یَتْلُوا عَلَیْھِمْ آیاتِہِ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ (آل عمران ۱۶۴) کہ جو رسولؐ ہماری آیات کی ان پر تلاوت کرتا ہے وہ ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے یعنی ان کی تربیت کرتا ہے، ان کی اخلاقی تربیت کرتا ہے۔ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَ الْحِکْمَۃَ (آل عمران ۱۶۴) اس کے بعد کہیں نوبت آتی ہے کہ انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دی جاسکے۔

مختلف انداز میں بعثت کے مقاصد کو بیان کیا گیا اور خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے کیوں خلق کیا گیا؟ وَ عَلَیْکُمْ بِمَکَارِمِ الْاَخْلاقِ فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَ جَلَّ بَعَثَنِیْ بِھَا (الحدیث) ارشادِ رسولؐ ہے کہ مجھے اس لئے خلق کیا گیا کہ میں تمہیں بہترین اخلاق کی وصیت کرتا ہوں، بہترین تربیت کی، حُسن خلق کی اس لئے کہ پروردگار نے مجھے مبعوث ہی اس مقصد کے لئے کیا ہے، مجھے بھیجا ہی اس مقصد کے لئے ہے کہ تمہیں مکمل انسان بنا دیا جائے یعنی انسانیت تم میں ابھر کر سامنے آجائے اور دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا رسول اکرمؐ نے کہ مجھے بھیجا ہی نہیں گیا مگر اس لئے کہ میں تمہاری اخلاقی تربیت کردوں اور تیسری جگہ ارشاد فرمایا رسول اکرمؐ نے کہ قیامت کے دن حُسن خلق سے اچھی کوئی چیز نہیں لکھی جائے گی۔ سب سے افضل جو چیز

لکھی جائے گی وہ ہے انسان کا حسن خلق۔ وہ ہے اس کا معاشرتی طرز زندگی۔ وہ ہے اس کی اخلاقی تربیت اور اسی بات کو تفصیل سے بیان کیا صادقِ آلِ محمد حضرت امام جعفر صادق علیہ الصلاۃ والسلام نے۔ فرمایا کہ جتنے بھی انبیاءؑ پروردگار نے بھیجے، جتنے بھی پیغمبر مبعوث کئے، سب اس لئے مبعوث کئے گئے کہ انسان اچھے اخلاق کا مالک بن جائے اور یاد رکھو! اگر تمہارے پاس اچھا اخلاق موجود ہے تو اس نعمتِ خداوندی پر مسلسل اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اگر تمہارے پاس اچھے اخلاق نہیں تو خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرتے رہو اور اس سے اچھے اخلاق کی دعا کرتے رہو، اس سے عمدہ اخلاق طلب کرتے رہو، اس لئے کہ آخرت میں جہاں اور عمل معیار قرار پائیں گے ان میں ایک بنیادی عمل آپ کا طرز زندگی ہوگا کہ آپ انسانیت کے کس معیار پر تھے؟

میں چاہتا ہوں کہ آج صرف روایات کا سہارا لوں۔ اسی بات کو امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم میں اکمل ترین مومنین وہ ہیں، اکمل ترین یعنی جو کمال کے درجے پر پہنچ چکے ہیں، انسانیت میں کمال حاصل کر چکے ہیں، اکمل ترین مومنین وہ ہیں کہ جو بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔

اِن شـــاء اللہ جب موضوع کی تفصیل میں جائیں گے تو ساری تفصیلات آپ کے سامنے بیان کرتے چلے جائیں گے۔ آج تمہیدی گفتگو ہے تا کہ آپ کے ذہن میں آجائے کہ تمام انبیاءؑ اور ائمہ طاہرینؑ کا زیادہ زور اور مکمل تاکید کس بات پر ہے؟

یاد رکھیئے! پورا زور اور مکمل تاکید اس بات پہ ہے کہ پہلے انسان بن جاؤ

کیوں کہ جب تک انسان نہیں بنو گے

اللہ اللہ بھی کرتے رہو گے اور خوں ریزی بھی کرتے رہو گے

قیام کی حالت میں بھی رہو گے اور بچوں کو یتیم بھی کرتے رہو گے

رکوع بھی کرتے رہو گے اور عبادت گاہوں کو ویران بھی کرتے رہو گے

سجدے بھی کرتے رہو گے اور بستیاں بھی اجاڑتے رہو گے

انسانیت کی گفتگو بھی کرتے رہو گے اور بے گناہوں کا خون بھی بہاتے رہو گے

کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے پاس اسلام تو تھا

مگر انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں تھی

اگر انسانیت ہوتی.....تو تم وحشی درندے نہ بن جاتے

تو رسولؐ نے اپنے عمل سے

معصومینؑ نے اپنے عمل سے

ہر میدان میں، ہر دور میں اور ہر زمانے میں

درندگی کے مقابلے میں انسانیت کو پیش کر کے بتا دیا کہ

ہر دور میں تلوار پر ہمارا خون غالب آئے گا

درندگی پر ہمارا حسن خلق غالب آئے گا

بدکرداروں پر، ظالموں پر اور ستم گاروں پر

ہمارا عمل اور ہمارا حسن خلق غالب آئے گا

تو تریسٹھ (۶۳) سال کی زندگی معصومؑ کی

تریسٹھ (۶۳) سال کی زندگی پیغمبر اکرمؐ کی

ذرا مطالعہ تو کیجئے! .....کہ چالیس سال کی زندگی.....خاموشی

تئیس (۲۳) سال کی زندگی.....تبلیغ

کیوں؟ کیا چالیس سال اللہ کا رسولؐ.....رسولؐ نہیں ہے؟

ہاں رسولؐ ہے..... مگر اطاعتِ پروردگار میں مشغول

رسولؐ کی مرضی..... خدا کی مرضی میں گم ہے

رسولؐ کی رضا.....خدا کی رضا میں گم ہے

قرآن نے بھی یہی کہا

حدیث نے بھی یہی کہا

قرآن نے یہ کہہ دیا وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَویٰ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحَیٰ سمجھنا بھی مت، گمان بھی مت کرنا کہ میرا رسولؐ اپنی مرضی سے بھی کوئی بات کرتا ہے۔ یہ جو بات کرتا ہے وحی کی زبان میں بات کرتا ہے یعنی اس کا حکم..... حکمِ الٰہی ہے۔ تو اب جو کچھ رسولؐ کہہ دے وہی دین ہے۔ تو یاد رکھیئے گا!

دین کے معاملات میں..... تربیت کے معاملات میں

رسولؐ کی مرضی کو بھی کوئی دخل نہیں ہے

امامؑ کی مرضی کو بھی کوئی دخل نہیں ہے

کیوں کہ..... قرآن نے فیصلہ کر دیا ہے کہ

یہ رسولؐ جو کہہ رہا ہے..... جو کر رہا ہے

یہ سب حکمِ خداوندی کے تابع ہے

یہ سب پروردگار کی رضا ہے

خدا کی مرضیاں اگر معصومینؑ نے خریدیں

تو یونہی نہیں خرید لیں

اپنی مرضیوں کو خدا کی مرضیوں میں ضم کر کے، گم کر کے خریدا ہے

چالیس سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عمل سے دعوت دیتے رہے۔ ایک اخلاقی نمونۂ عمل تھا، صرف زبانی جمع خرچ نہیں تھا۔ صرف مسجد کے لاؤڈ اسپیکروں سے درسِ اخلاق کا شور شرابا نہیں تھا، شور و غوغا نہیں تھا۔ رسولؐ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ رسولؐ کے چالیس سالہ عمل نے لوگوں کو یہ کہنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی تمام جاہلیتوں کے باوجود یہ تسلیم کریں کہ آپؐ صادق بھی ہیں اور آپؐ امین بھی ہیں۔ آپؐ مصلحِ قوم بھی ہیں۔ آپؐ امن قائم کرنے والے بھی ہیں لہٰذا جتنے مشکل فیصلے اس زمانۂ جاہلیت میں ہوئے جب کہ ابھی رسولؐ نے

اپنی بعثت کا اعلان بھی نہیں کیا۔ جتنے مشکل فیصلے، جتنی مشکل جنگیں، چاہے حرب الفجار ہو، چاہے حجرِ اسود کے نصب کرنے کا مسئلہ ہو، ہر فیصلے میں رسولؐ کو ترجیح دی کفارِ قریش نے، اپنی ازدواج پر، اپنے سرداروں پر، کیوں؟ اس لئے کہ سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ جس حسنِ خلق پر، کردار کی جس منزل پر محمد عربیؐ ہیں کوئی دوسرا نہیں۔ تو اپنے کردار سے بتایا، چالیس سال وہ زندگی، تیئیس سال یہ زندگی۔ ہم منزل بہ منزل چلیں گے۔ اسی لئے پہلی مجلس کا رسول اللہؐ سے آغاز کیا ہے۔

چالیس سال کی وہ زندگی، تیئیس سال کی یہ زندگی تو ذرا موازنہ کیجئے کہ چالیس سال صرف عمل، لوگوں کے ساتھ حسن خلق اور ان کی زمانۂ جاہلیت کی عبادات سے بچنے کے لئے غارِ حرا کا ٹھکانہ کہ وہاں چلے جاتے ہیں رسولؐ تا کہ ان کی جاہلانہ رسموں سے خود کو بچا کر رکھ سکیں، دور رکھ سکیں کیونکہ دور ایسا ہے کہ اگر رسولؐ مکے میں رہیں اور ان کی جاہلانہ رسموں میں شریک نہ ہوں تو پھر آپ سمجھ سکتے ہیں لوگ کیا کیا الزام لگائیں گے؟ لوگ کیا کیا کچھ نہ کہہ بیٹھیں گے لہٰذا خود کو ماحول سے الگ رکھا؛ ان زمانوں میں جب خاص ان کی عبادتوں کا زمانہ ہوتا تھا۔

رسولؐ چلے جاتے ہیں غارِ حرا میں اور عام دنوں میں رات بھر کی عبادت مکے میں۔ اسی لئے کتنے ہی فیصلوں میں جب کفارِ قریش یہ طے کرتے تھے کہ جو نصف شب کے بعد سب سے پہلے کعبے میں داخل ہوگا، وہی فیصلہ کرے گا تو ہر مرتبہ ایک ہی ہستی کا انتخاب ہوا کہ جب پایا رسول اکرمؐ کو پایا کہ آپؐ سے پہلے کوئی شخص خانہ کعبہ میں داخل نہیں ہوتا تھا۔

تیئیس (۲۳) سال کی اس زندگی کو بھی دیکھ لیجئے کہ کتنی جنگیں لڑیں؟ ایک وہ مستشرقین کی تاریخ ہے کہ تھوڑا جھوٹ تھوڑا سچ ملا کے ہر معاملے کو پیش کرتے ہیں۔ تین قسم کے گروہ ہیں جنہوں نے ہمارے ہاں تاریخ مرتب کی ہے۔

ایک ہمارے مورخین جیسے طبری، ابن خلدون اور سیوطی وغیرہ جنہیں خود بھی اپنی تاریخوں کو تاریخ اسلام لکھتے ہوئے شرم آئی۔ کسی نے لکھا **تاریخ امم والملوک**، کسی نے لکھا **تاریخِ الخلفاء**، کسی نے لکھا **تاریخ السلاطین** ..... کسی نے نہیں لکھا کہ میں تاریخ اسلام لکھ رہا ہوں۔

یہ تو ترجمہ کرنے والوں نے ان کے رکھے ہوئے ناموں کو اپنے ''مخصوص مفادات'' کی تکمیل کے لئے بدلا، علمی خیانت سے کام لیا اور تحریف کی، خود سوچئے کہ جو نام تک میں اپنے ''مخصوص مفادات'' کی تکمیل کے لئے سرقے، خیانت اور تحریفات سے نہ چوکے ہوں وہ واقعات وحوادث کے بیان میں کہاں امانت دار رہے ہوں گے؟ ورنہ اصل نام سب کے وہی ہیں جو بیان کئے گئے ہیں کسی نے اپنی تاریخ کو تاریخ امم و الملوک کہا، کسی نے تاریخ السلاطین، کسی نے تاریخ الخلفاء، کسی نے تاریخ بنو امیہ اور کسی نے تاریخ بنو عباس۔ کسی مورخ کی یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ اپنی تاریخ کا نام تاریخ اسلام رکھتا کیونکہ جانتا ہے کہ کیسے لکھوں تاریخ اسلام؟

اس لئے کہ پوری ''تاریخ'' میں اسلام ہی نہیں باقی سب کچھ ہے

اس پوری تاریخ میں سلامتی ہی نہیں باقی سب کچھ ہے

اس پوری تاریخ میں کردار نہیں فتوحات موجود ہیں

اس پوری تاریخ میں حسن خلق نہیں ہے مگر قتل وغارت گری موجود ہے

تو ایک تو یہ طبقہ ہوا مورّخین کا، دوسرا طبقہ مستشرقین کا ہے۔ کارل لائل اور اسی قبیل کے دوسرے مورخین، انگریز اور یورپی جنہوں نے اپنی تحقیق کے جوہر دکھائے اور ان سے متاثر مغرب زدہ ہمارے دانش ور کہ جو ان مستشرقین کا حوالہ دیتے ہیں کیونکہ بے چارے کریں تو کیا کریں؟ ادھر کچھ ملتا نہیں پرانے آقاؤں کے فکری غلام ہیں آج تک یہی سمجھتے ہیں کہ جو مغرب نے کہہ دیا وہی صحیح ہوگا۔ جب یہ لکھ رہا ہے تو ٹھیک ہی لکھ رہا ہوگا۔

اور ان کا اپنا وہی مخصوص طریقۂ واردات ہے کہ تھوڑا سا سچ، تھوڑا سا جھوٹ ملا کے اسلام کو ایک جنگلی مذہب بتا دیا، تلوار سے پھیلنے والا مذہب بتا دیا اور انہی کے آفت زدہ، انہی کے مصیبت زدہ، انہی کے ذہنی غلاموں نے یہاں بھی وہی پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ ہاں اسلام میں ہے کیا قتل وغارت گری کے سوا؟ آپ نے سمجھا ہی نہیں آپ نے دیکھا ہی نہیں۔

ارے رسولؐ اگر اپنی چالیس سالہ مکی زندگی میں اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلاتے تو اسلام بہت آسانی سے پھیل جاتا۔ اگر اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلاتے تو نہ سوشل بائیکاٹ ہوتا، نہ شعب ابی طالبؑ میں برسوں گزارنے پڑتے۔ نہ جناب بلالؓ کو گرم ریت پر کھینچا جاتا، نہ جناب یاسرؓ شہید ہوتے، نہ جناب سمعیہؓ شہید کی جاتیں، نہ دربدر ہونا پڑتا، نہ ہجرت کرنی پڑتی۔ ارے کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا وہ موقع کہ جب سارے کفارِ قریش جمع ہوئے تھے اور جمع ہونے کے بعد کہا تھا کہ اے ابوطالبؑ! اپنے بھتیجے سے کہو کہ ہم اسے اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ کہو اپنے بھتیجے سے اگر اسے سرداری چاہیے تو ہم اسے سرداری دے دیں گے، خوب صورت ترین عورت دے دیں گے جتنی دولت وہ چاہے، ہم دے دیں گے اور یہ کہ چلو اپنے دین کا بھی پرچار کر لے ہمیں کوئی پرواہ نہیں لیکن ہمارے خداؤں کو بُرا نہ کہے یعنی ہماری جہالت کا پردہ چاک نہ کرے، ہماری جاہلانہ حرکتوں کو رسوا نہ کرے، ان کو عام نہ کرے۔

عزیزو! بہت آسان تھا دولت بھی مل جاتی، سرادری بھی مل جاتی اور جب یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں یعنی قوت بھی اور دولت بھی تو پھر کون سا نظریہ آگے بڑھنے سے رُک سکتا ہے؟ تو اگر اسلام کو تلوار سے پھیلانا ہوتا تو جیسے آج حکومتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور چھین لی جاتی ہین۔ جیسے آج ہوتا ہے کہ جس کے پاس طاقت ہے، جس کے پاس بندوق ہے، جس کے پاس توپیں اور ٹینک ہیں، جس کے پاس افرادی قوت ہے، جس کے پاس مال و دولت ہے، وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے، جیسے چاہتا ہے کھیلتا ہے، جیسے چاہتا ہے خون کی ندیاں بہاتا ہے۔

تو عزیزو! بہت آسان تھا رسولؐ کے لئے اگر اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانا ہوتا تو رسولؐ کے پاس سارے مواقع موجود تھے۔

نہ بائیکاٹ ہوتا نہ کچھ اور ہوتا
بلکہ سارے قبائل بھی ساتھ ہوتے
لیکن یہی تو نہیں کیا رسولؐ نے

اگر تلوار سے اسلام پھیلانا ہوتا تو اتنی مصیبتیں کیوں اٹھاتے؟

رسولؐ کو زمین کی ضرورت نہیں تھی

رسولؐ کو دولت کی ضرورت نہیں تھی

رسولؐ تو ایسے کردار وجود میں لانے کے لئے کوشاں تھے کہ

پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں وہ کردار اپنی جگہ نہ چھوڑیں

رسولؐ ایسے افراد کو سامنے لانا چاہتے تھے

رسولؐ ایسے افراد کو دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے کہ دشمن کہہ اٹھے

مناظرے کے لئے آنے والے کہہ اٹھے

مباہلے کی دعوت دینے والے کہہ اٹھے کہ

ان کے چہروں کے سامنے مت جانا

ان سے مباہلہ نہ کرنا

یہ ایسے چہرے ہیں کہ اشارہ کر دیا تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے

تو رسولؐ کوئی فوج لے کر ان کے مقابلے میں نہیں گئے تھے

تیروں تلواروں سے لیس ہو کر نہیں گئے تھے

مدینے کی دس پندرہ ہزار کی آبادی تھی مگر اس کو لے کے نہیں گئے تھے بلکہ چند معصوم ہستیوں کو لے کر گئے تھے جنہیں آپؐ نے اپنے سانچے میں ڈھالا تھا۔ یہ ایک چادر میں آ جائیں تو جبرائیلؑ پریشان ہو جائیں کہ ان میں محمدؐ کون سے ہیں؟ ان میں علیؑ کون؟ ان میں فاطمہؑ کون؟ ان میں حسن کون؟ ان میں حسینؑ کون؟

وہ جبرائیلؑ جو صبح و شام گھر کے چکر لگاتا ہے، وہ جو جھولے بھی جھلاتا ہے، وہ جو لباس بھی جنت سے لے کر آتا ہے، وہ جو کبھی کبھی چکی بھی پیس لیتا ہے۔ اتنے کام انجام دینے والا خدا سے سوال کر رہا ہے۔ یَا رَبِّ وَ مَنْ تَحْتَ الکِسَاء اے پالنے والے! یہ چادر کے نیچے کون ہیں

کیوں؟ اس لئے کہ اب جب سارے نور ایک جگہ اکٹھے ہوئے تو الگ الگ پہچانے نہیں جاتے۔ ابھی یہ الگ تھے اب یہ جو ایک جگہ جمع ہوئے تو شناخت کرنا مشکل ہے۔ اب جتنے اقوال رسولؐ ہیں، سب کو جمع کرتے چلے جائیں یہاں جبرائیلؑ کا یہ قول وہاں رسولؐ کا یہ قول کہ کبھی گمان بھی مت کرنا کہ ہم سب الگ الگ ہیں۔ أَوَّلُنَا مُحَمَّدٌ وَ أَوْسَطُنَا مُحَمَّدٌ وَ آخِرُنَا مُحَمَّدٌ وَ كُلُّنَا مُحَمَّدٌ ہمارا پہلا بھی محمد، اوسط بھی محمد، آخر بھی محمد ہم سب کے سب محمد ہیں۔ گمان بھی مت کرنا، جب ایک چادر میں آ جائیں تو اب پہچاننا مشکل لوگوں کو کہ یہ ہیں کون؟ خدا کو تعارف کرانا پڑا کہ اہل بیت نبوتؑ ہیں۔ یہ کون ہیں اس موضوع پہ بات کر چکا آپ کا اور وقت نہیں لینا چاہتا۔ تو اب خود ہی بتائیے کہ

کیا رسولؐ نے تلوار سے پھیلایا تھا اسلام؟

رسولؐ نے جنگوں سے پھیلایا تھا اسلام؟

کوئی ایک موقع تو ایسا بتاؤ؟ ارے جنگ بدر میں بھی جو اسیر بنائے تھے پہلی جنگ ہے مسلمان حملہ آور بھی نہیں ہیں۔ ذرا یہ تو انصاف کرو، ان دنیا کے منصفوں سے پوچھا جائے کہ بھائی آج کے مسلمان کو مت دیکھو یہ مسلمان تو ہے مگر اسلامی اصولوں سے عاری۔ آج کے مسلمان کو دیکھ کر فیصلے نہ سناؤ کہ جو نام کا تو مسلمان ہے کام کا نہیں۔ اس کے پاس سلامتی نہیں ہے باقی سب کچھ ہے۔

ارے جب منصفانہ تجزیہ کرنا ہے تو رسولؐ کی زندگی کے ایک ایک واقعے کا تجزیہ کرو اور پھر بتاؤ کہ رسولؐ نے انسانیت پھیلائی تھی یا درندگی؟

رسولؐ نے انسانیت سے دین کو آگے بڑھایا تھا یا وحشت و بربریت سے؟

رسولؐ نے حُسن خلق سے انسانوں کے دلوں کو تسخیر کیا تھا..... یا تلوار کے زور پر

نوک نیزہ یا نیزے کی انی کے زور پر انسانوں کو تسخیر کیا تھا؟

یا اپنی بہترین خوش خلقی سے؟

پہلی جنگ تھی جنگ بدر، حملہ آور کفار و مشرکین تھے، جیت گئے مسلمان۔ کفار اسیر بھی ہو گئے ان کے ستّر بہتّر لوگ۔ تو رسولؐ نے کتنے بہانوں سے انہیں آزاد کیا؟ کتنے بہانے تھے رسولؐ کے پاس، اچھا چلو ضعیف ہے..... چھوڑ دو..... پڑھنا لکھنا جانتا ہے..... چار آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سیکھا دے..... چھوڑ دیں گے..... کوئی اپنا ضمانتی لے آئے..... چھوڑ دیں گے۔

تسخیر کیا دلوں کو، ذرا فرق تو دیکھئے!

آج کے مسلمان کو نہ دیکھئے کہ یہ دوسروں کی گردن پہ کیسے چھری چلا رہا ہے؟

یہ دوسروں کے گھروں کو کیسے ویران کر رہا ہے؟

یہ اپنے ہی شہروں کو کیسے اجاڑ رہا ہے؟

یہ بھی مجبور ہے، اس کو بھی اس کے آقاؤں نے حکم دے رکھا ہے

آپ نے کبھی ملاحظہ فرمایا؟

وہ موقع آ گیا کہ اب اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے، آج فیصلہ ہوا ہے کہ

علماء کا بھی اور ذاکرین کا بھی کہ تمام مجلسوں میں یہ ذکر کرنا ہے

فیصلہ نہ بھی ہوا ہوتا تب بھی میں ذکر کرتا

کبھی آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ خفیہ ہاتھ کیسے کام کرتے ہیں؟

جب ان کی مرضی نہ ہو تو پرندہ بھی شہر میں پر بھی نہیں مار سکتا

جب یہ نہیں چاہتے کہ شہر میں کوئی قتل ہو

تو مجال ہے کہ کوئی حادثہ ہو جائے؟

کوئی اسکوٹر پر ہی سلپ کر جائے شہر میں

اور جب یہ چاہتے ہیں کہ ایسا ہو تو سب کچھ ہو جاتا ہے

میں ملیر سے یہاں تک آؤں تو چھ جگہ میری چیکنگ ہوتی ہے

اور شہر کے بیچ میں دن دیہاڑے خون بہادیا جائے!

مارنے والے مار کر دندناتے ہوئے گاڑیوں پر چلے جائیں

بھئی قاتلوں کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا؟

آپ کے انتظامات کہاں چلے گئے؟

الّو بنانا کسی اور کو..... یہ الّو بننے والی قوم نہیں ہے

فلاں کی میٹنگ، گورنر کی میٹنگ، کمشنر کی میٹنگ، ڈی سی کی میٹنگ، ایس ڈی ایم کی میٹنگ، ڈرینج سسٹم ٹھیک کردیں گے، لائٹیں لگوادیں گے، بجلی نہیں فیل ہوگی، گٹروں میں سے پانی نہیں بہے گا۔ محرم کے لئے یہ میٹینگیں ہورہی ہیں، یہ محرم کے ایام کے لئے میٹنگ ہورہی ہے؟

یہ سب نہیں چلے گا۔ ابھی نو دن باقی ہیں۔ نہ الٹی میٹم دینے والے ہیں ہم، نہ کوئی دھمکی دینے والے۔ بس اتنا بتارہے ہیں کہ ابھی نو اور دس محرم ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ابھی نو محرم بھی باقی ہے، ابھی دس محرم بھی باقی ہے۔ اب تمہارے سامنے ہے کہ آغاز کس نے کیا ہے؟ اب تمہارے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے۔ شہر میں کوئی ہنگامہ نہیں تھا۔ شہر میں کوئی فتنہ نہیں تھا۔ شہر کو سپاہ یزید کے دہشت گردوں نے سادات کے خون سے رنگین کیا۔ شہر کو بے گناہوں کے خون سے رنگین کیا۔

کیا ہوا تھا کل شہر میں؟

کیا ہوا تھا پرسوں شہر میں؟

یہ اچانک یونہی نہیں ہوگیا

یہ ٹارگٹ کلنگ جو ہورہی ہے، یہ بہت ہوگئی

ہمارے جوان بھی بہت دیوانے ہیں

ہمارے لوگ بھی بہت دیوانے ہیں

اب تک قابو میں تھے مگر اب مسئلہ کچھ اور ہے

اگر آپ سے کنٹرول نہیں ہوا تو

ہم خود کنٹرول کر کے بتادیں گے کہ کنٹرول کیسے کرتے ہیں؟

ہمارے افراد اسی طرح قتل کیے جارہے ہیں جیسے پہلی حکومتوں میں کیے گئے تھے۔ ہمیں کسی پر کوئی بھروسہ نہیں رہا۔ آپ خود ہمیں دھکا دیتے ہوئے بند گلی تک لے جارہے ہیں۔ اگر آپ خود تجزیہ کریں کہ یہ جو آپ نے تیس پینتیس ایجنسیاں پالی ہوئی ہیں۔ یہ آپ کو کوئی رپورٹ دیتی بھی ہیں یا نہیں دیتیں ہمیں اس بارے میں کچھ خبر نہیں ہے۔ کیا ان ایجنسیوں کو مفت میں پالا جارہا ہے؟

پالو..... آخر کوئی طبقہ تو آخر تم پال رہے ہو؟

عوام تو بھوک سے مررہے ہیں تم انہی کو پالو

مفت خوروں کو ہی پالو

ہمیں نہیں پتہ لیکن حالات یہ بتارہے ہیں کہ ہمیں بند گلی تک لے جایا جارہا ہے۔ اگر لبنان کی تاریخ تمہیں یاد ہے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ وہاں بھی برسوں تک یہی ہوا اور جب بند گلی تک پہنچ گئے تھے مومنین، کوئی راستہ نہیں رہا نکلنے کا، تو وہ واپس پلٹے تھے اور یہ بھی تمہیں پتہ ہوگا کہ انہوں نے واپس پلٹ کر کیا کیا تھا اور آج تک کیا حالات ہیں وہاں کے؟

تو یہ نوبت نہ لاؤ کہ ہمارے لئے امن وامان کے سارے راستے بند ہو جائیں۔ ہمارے ہی لوگ جواب تک قابو میں ہیں جواب تک کنٹرول میں ہیں۔ ہمارا امن وسلامتی کا پیغام لوگ سننا ہی چھوڑ دیں۔

وہ نوبت نہ لاؤ کہ لوگ ہماری بات ہی سننا چھوڑ دیں کیونکہ جب لوگ بند گلی کے سرے پر پہنچ جائیں گے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں بچے گا سوائے اس کے کہ پلٹ کے ظالموں کے ہاتھوں کو توڑ دیا جائے، پلٹ کر ان گردنوں کو توڑ دیا جائے، ان آنکھوں کو پھوڑ دیا جائے جو عزاداری اور عزاداروں کے لئے مسائل پیدا کرنے کا باعث ہیں۔

یہ میں تجزیہ بتارہا ہوں سرکار! اتنی عقل آپ لوگ بھی رکھتے ہوں گے، اتنی سمجھ بوجھ آپ کے

پاس بھی ہوگی کہ کون امن پسند لوگ ہیں اور کون دہشت گرد؟ مسجدِ حرؑ کے شہداء کے قاتل پکڑ لئے ہوتے تو یہ نوبت نہ آتی۔ وہ قاتل تو نہ پکڑے گئے ہاں اس واقعے کے احتجاج میں جو لڑکے اسیر ہوئے، گرفتار ہوئے ان میں سے کچھ کو موت کی سزا بھی سنا دی آپ نے، ان کو تو چودہ چودہ سال کی سزائیں بھی سنا دیں؟

اب پرسوں ہم پھر احتجاج کر رہے ہیں، برسوں آپ پھر پکڑ لیجیے گا لیکن اب کے چار پانچ پہ نہیں رکے گا معاملہ، اب کے آپ اور جیلیں بھروا لیجیے۔ اب کے ہم نے بھی چالیس پچاس ہزار آدمی تیار کر لئے ہیں کہ جو گرفتار ہوں گے۔ اب آپ پوری قوم کو پابند سلاسل کر کے قید کی سزا سنا دیجیے گا اور پھر دیکھئے گا ان جیلوں میں عزا خانے بنیں گے۔ ان جیلوں میں عزاداری ہوگی۔ ان جیلوں میں جلوس اٹھیں گے۔ ذکر حسینؑ پہلے سے بھی زیادہ شان سے ہوگا۔

تو ہم جتنے اچھے انداز میں آپ کو پیغام پہنچا سکتے تھے ہم نے پہنچا دیا کہ ابھی وقت ہے کچھ نہیں بگڑا اور نہ ہمارے ہاتھ سے بھی معاملہ نکل جائے گا۔ ہم ان لوگوں کی آنکھوں کا سامنا نہیں کر سکتے جن میں ہر وقت سوال چھپے ہوئے پاتے ہیں کہ اب کیا ہوگا؟ جس دن ضبط کے یہ آخری بندھن بھی ٹوٹ گئے پھر مسئلہ سب کے لئے خراب ہو جائے گا۔ پھر آپ خود بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ کیا ہوگا؟

بیٹھا دیجیے ایک تھینک ٹینک اس موضوع پر بھی کہ وہ یہ سوچے کہ یہ حالات کیسے کنٹرول ہوں گے؟ ان حالات کو کیسے ختم کیا جائے گا۔ ہم نے ہمیشہ اپنی ملت کو صبر و ضبط کی تلقین کی ہے۔ ہمارا اب بھی یہی موقف ہے اگرچہ ان الفاظ میں کوئی تاثیر باقی نہیں رہی، کوئی روح ہی باقی نہیں بچی لیکن کیا کریں کہ ہمارا راستہ حسینؑ کا راستہ ہے۔ ہمارا راستہ حسنؑ کا راستہ ہے۔ ہمارا راستہ علیؑ کا راستہ ہے۔ ہمارا راستہ محمد رسول اللہؐ کا راستہ ہے۔ اگر ہمارے سامنے یہ راہِ عمل نہ ہوتی کہ حالات کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہو جائیں، حالات خواہ کتنے ہی سخت کیوں نہ ہو جائیں ہمیں صبر و ضبط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا تو ہم یہ باتیں نہ کرتے لیکن صبر و ضبط کا مطلب کہیں آپ بزدلی نہ سمجھ بیٹھیے گا۔

ایسا صبر وضبط نہ ہمارے رسولؐ نے کیا، نہ ہمارے آقا ومولا علی ابن ابی طالبؑ نے کیا، نہ ہمارے سیّد وسردار حسینؑ نے کیا۔ ایسا صبر وضبط کسی نے نہیں کیا جسے بزدلی پر محمول کیا جا سکے۔

صبر وضبط کا مفہوم بزدلی نہیں ہے۔ صبر وضبط کا مفہوم یہ ہے کہ مصیبتوں کے مقابلے میں ڈٹ جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھ جاؤ۔ ظلم وستم کے مقابلے میں کھڑے ہو جاؤ، نہ یہ کہ بیٹھ جاؤ۔

تو اشاروں میں آپ کو جو کچھ ہم سمجھا سکتے تھے..... ہم نے سمجھا دیا۔ ہماری تاریخ گواہ ہے، ہمارا ماضی بھی گواہ ہے کہ ہم ایک امن پسند قوم ہیں۔ ہم نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ شہروں اور ملک کے حالات خراب ہوں۔ ہماری یہ تعلیم ہی نہیں ہے۔ ہماری یہ تربیت ہی نہیں ہے۔ ہم جاہلوں اور دہشت گردوں کے برابر اپنی قوم اپنی مہذب ملت کو نہیں لانا چاہتے۔

ہماری قوم حسینی قوم ہے۔ ہماری قوم علیؑ کے مکتب کی تربیت یافتہ قوم ہے۔ ہماری قوم مکتبِ اہلِ بیتؑ کی تربیت یافتہ قوم ہے لہٰذا کبھی یہ نہیں ہو سکتا، اُس وقت بھی علیؑ نے یہی گلہ کیا تھا کہ زمانے نے مجھے امیرِ شام کے مقابلے میں لا کے کھڑا کر دیا اور آج بھی ہمیں یہی شکوہ ہے کہ ہمیں ان جاہلوں، بدمعاشوں اور غنڈوں کے برابر میں لا کے نہ کھڑا کرو کیوں کہ اگر شریف جنگ پہ اتر آتا ہے تو کربلا بن جاتی ہے اس لئے یہ یاد رکھنا کہ پھر مسئلہ بہت خراب ہو جائے گا۔

ہم جانتے ہیں کیسے مقابلہ کیا جاتا ہے لیکن پھر آپ کے پاس موقع ہے سرکار! ہم نہیں چاہتے کہ یہ تباہ شدہ ملک، جو ہم نے بنایا تھا جسے اس ملک کے بدخواہوں نے نصف صدی کی مسلسل ریشہ دوانیوں کے ذریعے تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا ہے، اسے مزید تباہی کے غار کی طرف دھکیلا جائے۔

کچھ عقل آنی چاہیے، کچھ ہوش وخرد سے کام لیجیے۔ آپ کو سب پتہ ہے کہ کہاں کہاں دہشت گردوں کے اڈّے ہیں۔ سب کچھ آپ کو معلوم ہے کہ کن کے اشاروں پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے؟ سب آپ کو پتہ ہے کہ کون اپنی تقریروں میں، کون اپنے انٹرویوز میں، کون عدالتوں میں ججوں کو دھمکیاں دے کر یہ اعلان کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں؟ آج بھی کتنی ہی جگہ خطبات میں بکواس کی گئی ہے لیکن ہم پھر بھی صبر کر رہے ہیں۔ ہم پھر بھی ضبط کر رہے ہیں۔ محرم کے یہ ایام

ایسے ہوتے ہیں کہ جب قوم کسی کے قابو میں نہیں ہوتی لہٰذا یہ جان لیجیے کہ اگر ہماری قوم ایک بار بے قابو ہوگئی تو پھر آپ کے لئے مشکل ہو جائے گی، پھر اس قوم کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

اب میری ایک تو بڑی مشکل یہ ہے کہ میرا موضوع ہی حسنِ خلق ہے۔ اب میں سخت زبان استعمال کروں تو کیسے کروں؟ موضوع ہی آپ نے مجھے ایسا دے دیا کہ اب مجھے بڑے میٹھے لہجے میں گفتگو کرنی پڑ رہی ہے جو مجھے کسی اور لہجے میں کرنی تھی، کرنا چاہتا تھا یا کرتا ہوں لیکن مجبوری ہے یہ آیات و روایات میرے سامنے ہیں۔

ایک شخص آیا پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں اور آنے کے بعد کہتا ہے کہ حبیبِ خداؐ

دین کیا ہے؟ رسولؐ فرماتے ہیں..... حُسن خلق

دائیں طرف آ کے پوچھتا ہے کہ حبیب خداؐ..... دین کیا ہے؟

آپؐ نے فرمایا..... حُسن خلق یعنی اچھے اخلاق، بہترین سیرت

پھر بائیں طرف آ کے پوچھتا ہے کہ حبیبِ خداؐ..... دین کیا ہے؟

تو رسولؐ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ تجھے اب تک سمجھ میں نہیں آیا؟

غضب ناک ہو جانا..... آپے سے باہر ہو جانا ..... بے دینی ہے اور حُسن خلق کے ساتھ کلام کرنا..... یہ دین ہے۔ یہی دین ہے کہ جب بات کرو تو حُسن خلق کے ساتھ۔

بعض مواقع پہ استثناء ہے جہاں پہ خدا کا رسولؐ بھی غضب ناک ہو جاتا تھا۔ ان خاص مواقع کے علاوہ عام تربیت کی بات کر رہے ہیں رسولؐ کہ دین یہ ہے کہ اچھے اخلاق اور حُسنِ خلق کے ساتھ زندگی بسر کرو۔

مولائے متقیان علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ دیکھئے شاید آپ کو مولاؑ کا یہ قول عجیب لگے لیکن اس قول کی گہرائی میں جائیے گا۔ مولاؑ جو بات کہہ رہے ہیں اس کی مصداق خود آپؑ کی ذات نہیں ہے بلکہ ایک بات کو ہمیں سمجھانے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ یاد رکھئے گا۔ ہمیں سمجھانے کے لئے کہہ رہے ہیں بات کو کہ اگر مجھے بہشت میں جانے کی آرزو نہ ہوتی اور اگر

مجھے جہنم کی آگ کا خوف بھی نہ ہوتا اور اگر مجھے ثواب وعقاب کی پروا بھی نہ ہوتی، بالفرض یعنی اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے تو پھر بھی یہ امر لائق سزاوار ہے، اس بات کا موجب ہے کہ میں اچھے اخلاق حاصل کرنے کی سعی کرتا رہتا کیوں کہا اچھے اخلاق کامیابی اور سعادت تک انسان کو پہنچا دیتے ہیں یعنی مولاؑ یہ فرمارہے ہیں کہ فرض کرلو کہ اگر دین بیچ میں نہ بھی ہوتا تب بھی اچھے اخلاق، کامیابی کی سیڑھی ہیں، کامیابی کا زینہ ہیں جو سعادت تک تمہیں پہنچادیں گے تو اتنی تاکید معصومینؑ فرمارہے ہیں کہ حُسن خلق تمہاری تربیت کا لازمی حصہ ہے اگر تم نے اس کی طرف توجہ دی، اگر تم انسانیت سے ہی عاری نہ ہوگئے تو کامیاب ہونا یقینی ہے۔

تو عزیزو! یادرکھو ایک انسانیت والا اسلام ہے اور ایک درندگی والا۔ وہ بھی آپ کے سامنے ہے اور یہ بھی آپ کے سامنے ہے۔ بس ایک اشارہ کررہا ہوں کہ ایسے بھی مجاہدین اسلام ہیں جن کا سارا کا سارا جہاد مسلمانوں کی گردنوں پر چھری چلادینے سے عبارت ہے۔ پوری تاریخ میں ان کی تلوار یا بندوق سے کوئی کافر مرا ہی نہیں ہے۔

یہ ان کی تاریخ ہے جو اسلامی چیمپئن بھی ہیں کتنی بڑی ستم ظریفی ہے ذرا ملاحظہ تو کیجئے کہ اسلام کے سب سے بڑے چیمپئن بھی وہی اور جتنی قتل وغارت گری داخلی طور پر اسلامی دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں وہ سب کی سب انہی کے ہاتھوں انجام پارہی ہے اور اس کے باوجود وہ مجاہدین اسلام بھی ہیں اور ایک عجیب تماشا میڈیا کا آپ نے دیکھا جو ابھی پچھلے دنوں ہوا؟ اعتدال پسندی کا شور کہ صاحب بڑا اچھا ہوا ایرانی انتخابات میں انتہا پسند ہار گئے اور اعتدال پسند آگئے۔ مقالے شائع ہورہے ہیں، میگزین نکل رہے ہیں۔ رنگین صفحات شائع ہورہے ہیں۔ اچھا تو بڑی خوشی ہوئی آپ کو کہ انتہا پسند چلے گئے اور اعتدال پسند آگئے۔ اب حالات اچھے ہوجائیں گے۔ اب تعلقات یوں ہوجائیں گے۔

ذرا اپنے پڑوس کے برادر ملک افغانستان کے لئے بھی اسی حوالے سے کالم لکھ دیجئے۔ اس پر بھی رنگین اخبار نکال لیجئے تاکہ وہاں بھی تو اعتدال پسندی آجائے۔ وہاں وحشی ترین درندوں کو

آپ نے اسلام کا سپاہی قرار دے دیا۔

ذرا اپنے اس تضاد کو تو دیکھئے آپ! یہ کیسا تضاد ہے کہ ایران میں تو آپ کو اعتدال..... پسند ہے اور افغانستان میں آپ کو انتہا..... پسند ہے؟

اور وہاں سعودی عرب میں جو آپ کے بڑے بیٹھے ہیں اسلام کے چیمپئن وہاں کے لئے بھی اگر آپ میں ہمت ہے تو لکھ دیجیے ایک کالم کہ شہنشاہیت کو ختم ہونا چاہیے۔ اعتدال پسندی آنی چاہئے۔ تلواروں سے گردنیں تو وہاں اڑتی ہیں۔ ہاتھ پیر کان ناک گلے تو وہاں کاٹے جاتے ہیں۔ ذرا ان کے خلاف بھی ایک کالم لکھ کے تو دکھایئے! اپنے اخبارات میں پرچار کیجئے کہ وہاں بھی جمہوریت ہونی چاہئے۔ وہاں بھی اعتدال پسندی آنی چاہیے۔

یہ تضاد کیا ہے؟ جب انسان دشمنی پر آتا ہے تو خدا عقلوں پہ پتھر ڈال دیتا ہے۔ عقلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اپنے ہی نظریات کی مخالفت کر رہے ہو؟ وہ الگ بحث ہے کہ کیا اعتدال پسندی ہے اور کیا انتہا پسندی ہے مگر تم کسی خوش فہمی میں مبتلا مت ہونا، وہاں سب ایک ہی مشرب کے شراب پیے ہوئے لوگ ہیں۔ وہاں جتنے بھی ہیں، وہاں چاہے کچھ بھی ہو جائے، کوئی بھی آ جائے، کوئی بھی چلا جائے مگر تمہاری دال پھر بھی گلنے والی نہیں ہے۔

وہ مکتبِ اہل بیتؑ کے ماننے والوں کی سرزمین ہے، وہی رہے گی
تم اپنی خیر مناؤ جہاں صبح و شام جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے
تمہارے آقا باہر سے آتے ہیں سر پہ ایک چپت لگاتے ہیں
اپنا حکم پہلے سے دے جاتے ہیں کہ یہ فیصلہ ہونا چاہیے
لہٰذا تم اپنی تو فکر کرو کہ تم خود بھی آزاد ہو کہ نہیں؟
دوسروں کی فکر چھوڑ دو، اپنے گھر کو دیکھو! یا اپنے پڑوس کو دیکھو!
جس آگ کو تم نے ہمارے لیے جلایا تھا وہ آگ اب تمہارے دامن تک آ رہی ہے
جو آگ تم نے ہمارے لئے جلائی تھی، اس آگ سے تم بھی محفوظ نہیں رہو گے

سب کچھ جل کے راکھ ہو جائے گا

اگر تم نے بروقت اس کا سد باب نہ کیا

یہ تاریخ ہے اور تاریخ اسی طرح سے آگے بڑھتی ہے۔

تو عزیزان محترم! بس ہم اور کیا عرض کریں؟

ہم اس مشرب کے، اس مکتب کے اس مے خانے کے لوگ ہیں

جس نے ہمیں ایسا نشہ پلا دیا کہ اب شہادتیں ہوں یا گھر اجڑیں ہم تو یہی کہتے ہیں کہ

وَ مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِر

کچھ لوگ اپنا وعدہ پورا کر کے چلے گئے کچھ اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں

بس اور کیا ہوگا مار دیئے جائیں گے لیکن سرخرو ہو جائیں گے

ہمارے مولاؑ کا قول ہے..... ہمارے مولاؑ نے کہا ہے کہ خدا کی قسم! دین کی راہ میں اپنے سر پر ایک ہزار ضربیں کھانا مجھے اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ بستر پر مجھے موت آ جائے۔ تو ہم بھی اُنہی کے ماننے والے ہیں اور یہی ہماری بھی تمنا ہے کہ ہمارے لئے تو اس سے اچھی کوئی موت ہی نہیں ہے کہ اپنے دین کی خاطر ہم مار دیئے جائیں۔ اپنے دین کی راہ میں ہم قربان ہو جائیں۔

عزیزو! محمدؐ و آل محمدؐ انسانیت کا درس دیتے رہے

تلوار، تیر، جنگیں اور نیزے یہ سب بعد کی کہانیاں ہیں

مسلمانوں نے اگر رسولؐ سے دین لیا ہوتا تو یہ سب نہ ہوتا

بلکہ تاریخ کچھ اور لکھی جاتی

اگر علیؑ سے بغض و دشمنی کا اظہار نہ کیا ہوتا تو اسلام کی تاریخ کچھ اور لکھی جاتی

ساری دنیا کی نظریں اور سر اسلام کے در پر جھک گئے ہوتے

لیکن تم نے تو تاریخ ہی ایسی لکھی جو تمہارے گلے پڑ گئی

اگر تاریخ لکھی جاتی حسینؑ کے در سے، اہلِ بیتؑ کے در سے

تو دنیا کو اسلام سلامتی کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا

اسلام سوائے انسانیت کے اور کچھ بھی نظر نہ آتا۔

حسینؑ کے گھر کے بچے بھی اسلام اور انسانیت کا درس دیتے ہیں۔ غیر معصوم بچے بھی ایسے تھے۔ آج پہلی محرم ہے اور میں ہمیشہ پہلی محرم کو انہی دو شہزادوں کا ذکر کرتا ہوں یعنی یتیمانِ مسلمؑ کا.....فرزندان مسلمؑ غیر معصوم ہیں لیکن کم سن بچے ہیں۔ اسلام کا درس بھی دے کر جا رہے ہیں اور انسانیت کا درس بھی۔

دونوں درس دے رہے ہیں یہ کم سن بچے۔ جن کے سن روایات میں پانچ سال یا چھ سال لکھے ہوئے ہیں اس سے زیادہ نہیں۔ مسلم بن عقیل کے چار بیٹے تھے دو جوان بیٹے کربلا میں شہید ہوئے۔ یہ دونوں چھوٹے بیٹے مسلمؑ کے ساتھ کوفے میں تھے۔

جناب مسلمؑ کی شہادت کے بعد دونوں زندان میں ہیں کئی دن گذر گئے۔ ایک دن دونوں نے مشورہ کیا بھائی کب تک زندان میں اس طرح پڑے رہیں گے؟ آج داروغہ زندان کھانا لے کر آئے گا تو اس سے کچھ گفتگو کرتے ہیں۔ اپنا کچھ حال بیان کرتے ہیں۔ کچھ اپنا تعارف کراتے ہیں۔

داروغہ زندان آیا، کھانا رکھ کے جانے لگا تو بڑے بھائی نے آواز دی ٹھہر جا تجھ سے کچھ بات کرنی ہے۔ رک گیا، واپس پلٹا۔ کہا کیا بات ہے؟ پوچھا کیا تو محمد عربیؐ کو جانتا ہے؟ داروغہ بولا کیسی باتیں کرتے ہو؟ مسلمان ہوں، صبح شام نمازیں پڑھتا ہوں، درود بھیجتا ہوں، ہمت بڑھی بچوں کی، پوچھا علیؑ ابن ابی طالبؑ کو بھی جانتا ہے؟ ہاں بچو! علیؑ میرا سیّد و سردار ہے۔ میرے رسولؐ کا بھائی ہے۔ میرے رسولؐ کا داماد ہے۔ نام لیتے گئے بچے، جعفر طیار کو جانتا ہے؟ عقیل کو جانتا ہے؟

آخر پوچھتا ہے داروغہ زندان، اپنا بھی تو تعارف کراؤ بچو! آخر تم ہو کون اور یہ سارے نام کیوں لے رہے ہو؟ یہ سب تو میرے سیّد و سردار ہیں۔ خاندان رسالت کے چشم و چراغ ہیں۔ بچوں نے کہا تو سُن ہم مسلمؑ کے یتیم ہیں ہم پر احسان کر اور ہمیں ہمارے چچا حسینؑ تک پہنچا

دے۔ جتنا انعام تو کہے گا تجھے دلوائیں گے۔ بس اتنا سننا تھا کہ اس نے قدموں پر سر رکھ دیا۔ رونا شروع کیا کہ اے شہزادو! آج تک تم نے بتایا کیوں نہ تھا کہ تم کون ہو؟

بس اس چھپے ہوئے مومن کا جذبہ ایمانی ابھرا اور کہتا ہے اب میرے ساتھ کچھ بھی سلوک ہو؟ میں تم دونوں کو رہا کرتا ہوں۔ جاؤ اور رات کی تاریکی میں کوفے سے باہر نکل جاؤ۔ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر بچوں کو آزاد کر دیا۔ جب بچے جانے لگے تو دامن تھام لیا بچوں کا، کہا شہزادو! میری ایک آرزو پوری کرتے جاؤ۔ دونوں بچوں نے ٹھہر کر پوچھا بتا کہ تو کیا آرزو رکھتا ہے؟ کہا مجھ سے وعدہ کر کے جاؤ کہ روزِ محشر میری شفاعت کرو گے۔ مجھے جنت میں اپنے ساتھ لے کر جاؤ گے۔ بس اتنا سننا تھا مسلمؑ کے شہزادوں نے ہاتھ تھاما، اور غہ زنداں کا اور کہا اطمینان رکھ، ہم جنت میں تجھے لئے بغیر قدم نہ رکھیں گے۔

کتنا اطمینان ہے ان بچوں کو کہ ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ ہم شفاعت کریں گے۔ دونوں شہزادے باہر نکلے زنداں سے اور کوفے کی گلیوں میں بھٹک گئے۔ راستہ نہ ملا کیونکہ تقدیر میں تو کچھ اور ہی تھا۔

فجر کا وقت ہوا دونوں بچوں نے نماز فجر ادا کی اور ایک بلند اور گھنے درخت پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ چھپا لیا خود کو کہ دن گذر جائے جب رات ہوگی تو پھر مدینے کی طرف نکلیں گے۔ ابھی صبح کی سپیدی نمودار ہو رہی ہے۔ حارث ملعون کے گھر کی کنیز، مومنہ کنیز پانی بھرنے آئی ہے۔ اس تالاب پر جو درخت کے نیچے ہے۔ تالات میں جوں ہی برتن ڈالا پانی بھرنے کے لئے پانی میں دو چاند چمکتے ہوئے نظر آئے۔ حیرت سے اوپر نگاہ کرتی ہے اور کہتی ہے میں نے ایسے نورانی چہرے اس سے پہلے کوفے میں نہیں دیکھے۔ بچو! تم کوفے کے نہیں لگتے آخر تم کون ہو اور کیوں اس طرح درخت پر چڑھ کر بیٹھے ہو؟

دونوں شہزادے کہتے ہیں ہم مسلمؑ کے یتیم ہیں ہمیں رات ہی قید سے آزادی ملی ہے۔ ہم پر احسان کر ہمیں مدینے کا راستہ بتا دے تا کہ ہم کوفے سے باہر نکل جائیں۔ وہ مومنہ کہتی ہے بچو!

دن کی روشنی میں تم کوفے سے باہر نہیں نکل سکتے لیکن تم میرے ساتھ چلو میری مالکن محبِ اہلِ بیتؑ ہے۔وہ کنیز زہراؑ ہے تمہارے لئے ضرور کوئی راستہ نکالے گی۔

جلدی جلدی بچوں کو لے کر گھر پہنچی۔ مالکن سے احوال بیان کیا وہ خوش ہوگئی اس نے بچوں کی خدمت کی، بچوں سے کہتی ہے شہزادو! مطمئن ہو جاؤ اب تم محفوظ گھر میں پہنچ گئے ہو۔آج تم میرے گھر میں آرام کرو کل ایک قافلہ مدینے جانے والا ہے اس قافلے کے ساتھ تمہیں مدینے بھیج دوں گی۔رات ہوئی تو بچوں کو ایک کوٹھری میں سلا دیا کہ میرا شوہر حارث.....ابن زیاد کے ہاں ملازم ہے لہٰذا رات اس کوٹھری میں گذارو۔باہر سے تالا لگا دیا۔

رات گئے حارث ملعون گھر پہنچا، پوچھا مومنہ نے کہ اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ کہتا ہے کہ مسلمؑ کے یتیم زندان سے فرار ہوگئے اور حاکم نے ان کی گرفتاری کے لئے بڑا انعام رکھا ہے۔دن بھر انہیں ڈھونڈتا رہا لیکن کہیں نہ مل سکے۔مومنہ کہتی ہے کیوں رسولؐ اور زہراؑ کا دل دکھاتا ہے؟ کیوں رسولؐ کی دشمنی مول لیتا ہے؟ چھوڑ ان بچوں کا پیچھا۔

یہ گفتگو ہوئی۔حارث سو گیا۔ادھر رات کے پچھلے پہر چھوٹے بھائی کی آنکھ کھلی، بڑے بھائی کا شانہ ہلاتا ہے بھائی اٹھو! کیا بات ہے؟ کہا میں نے ابھی ابھی ایک خواب دیکھا ہے۔میں نے رسولِ خداؐ کی زیارت کی ہے۔خدا کا رسولؐ ہمارے بابا مسلمؑ سے کہہ رہا ہے مسلمؑ میرے بچوں کو کہاں چھوڑ آئے؟ ہمارے بابا جواب دے رہے ہیں کہ خدا کے رسولؐ میرے دونوں بچے ابن زیاد کی قید میں ہیں۔خدا کے رسولؐ نے جواب دیا مسلم اطمینان رکھو ابھی کچھ ہی دیر میں ہمارے بچے ہمارے پاس پہنچ جائیں گے۔

چھوٹے بھائی نے اپنا خواب بیان کیا۔بڑا بھائی کہتا ہے بھائی میں نے بھی یہی خواب دیکھا ہے۔دونوں کو اپنی شہادت کا یقین ہوا۔ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالیں اور دونوں گریا وزاری کرنے لگے۔جب صدا بلند ہوئی تو حارث کی آنکھ کھل گئی، تلوار لے کر اٹھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی ہے؟ مومنہ گھبرا کر کہتی ہے کہ پڑوس میں کسی کے بچے ہوں گے۔کہا کہ نہیں یہ

آواز میرے ہی گھر سے آرہی ہے۔ بڑھا اس کوٹھری کی طرف، ٹھوکر مار کر دروازے کو کھولا، اب جو کمرے میں حارث داخل ہوا تو دونوں بچے سہم گئے۔

کہتا ہے میں سارا دن کوفے میں تمہیں ڈھونڈتا رہا اور تم میرے ہی گھر میں موجود ہو۔ ٹھوکروں سے مارنا شروع کیا۔ دونوں بچوں کے چہرے لہولہان ہو گئے۔ رسی سے دونوں معصوموں کو باندھا اور کھینچتا ہوا گھر سے باہر لے کے چلا۔ بیٹے اور غلام کو ساتھ لیا۔ پیچھے پیچھے مومنہ فریاد کرتی ہوئی چلی۔ تجھے خدا کا واسطہ، تجھے رسولؐ کا واسطہ تو اِن معصوموں کو چھوڑ دے، اِن بچوں کو چھوڑ دے لیکن اس ملعون نے ایک نہ سنی۔ نہر کے کنارے پہنچا اور اپنے غلام کو حکم دیا قتل کر دے ان دونوں کو۔ غلام آگے بڑھا، ایک شہزادے نے کہا ہم نے سنا ہے کہ ہمارے جد رسول خداؐ کا موذن تیری قوم سے تھا۔ بس یہ سننا تھا کہ وہ حبشی غلام گھبرا گیا۔ کہا بچو! کس موذن کی بات کرتے ہو؟ بچوں نے کہا بلال حبشی کی بات کرتے ہیں۔ کہا تم کون ہو؟ بچوں نے کہا ہم علیؑ کے پوتے ہیں۔ ہم جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں، ہم عقیلؑ کے پوتے ہیں۔ ہم مسلم کے یتیم ہیں۔ بس اتنا سننا تھا تلوار پھینک دی غلام نے اور کہنے لگا کہ میں یہ ظلم نہیں کر سکتا، یہ گناہ نہیں کر سکتا۔

تلوار کا وار کیا حارث نے، اپنے غلام کو زخمی کر کے گرایا، بیٹے کو حکم دیا کہ تو قتل کر دے، بیٹا آگے بڑھا تو ماں نے آواز دی خبردار! اگر تو نے تلوار کا وار کیا تو دودھ نہیں بخشوں گی۔ بیٹا بھی تلوار پھینک کر الگ ہٹ گیا۔ جھنجھلا کر حارث ملعون خود آگے بڑھا ابھی وار کرنا چاہتا تھا کہ اس مومنہ نے خود کو بچوں پر گرا دیا۔ حارث ملعون نے وار کیا مومنہ زخمی ہو کے ایک طرف گری۔ آگے بڑھا اب بچوں نے دیکھا کہ بس اب آخری وقت ہے۔

کہا ٹھہر جا حارث! عربوں کا شیوہ ہے کہ اگر میدانِ جنگ میں تین باتیں رکھی جائیں تو ایک بات کو قبول کرتے ہیں۔ پوچھا کیا باتیں ہیں؟

کہا پہلی بات یہ ہے کہ ہمیں ہمارے چچا حسینؑ تک پہنچا دے جو انعام ابن زیاد نے رکھا ہے اُس سے کہیں زیادہ انعام تجھے دلوا دیں گے۔ حارث بولا نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ مجھے ابن زیاد کی

خوش نودی عزیز ہے۔

کہا دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں ابن زیاد کے پاس لے چل وہ جو فیصلہ کرے ہمارے بارے میں۔ کہا یہ بھی نہیں ہوسکتا میں تو تمہارے سر لے کر جانا چاہتا ہوں۔ تا کہ مجھے انعام ملے۔

کہا کہ پھر تیسری بات یہ ہے کہ ہمیں اتنی مہلت دے کہ ہم خدا کی بارگاہ میں دو سجدے کرلیں۔

عزادارانِ حسینؑ! کیا عمریں ہیں ان بچوں کی؟ پانچ سال یا چھے سال لیکن بتا رہے ہیں کہ ہم ہاشمی ہیں، ہم مطلبی ہیں، ہم رسولؐ کے گھرانے سے ہیں، ہم علیؑ کے گھرانے سے ہیں۔ ہم نے حسینؑ کی آغوش میں تربیت حاصل کی ہے۔ کہا اتنی مہلت دے کہ ہم دو سجدے کرلیں۔ بچوں نے نماز شروع کی۔ ادھر سجدے میں گئے اُدھر حارث ملعون نے بڑے بھائی کی گردن پہ وار کیا۔ سر تن سے جدا ہو گیا بڑے بھائی کا، سر اپنے پاس رکھا جسم کو نہر میں پھینکا۔ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کے خون میں کڑوٹیں بدلنا شروع کر دیں۔ آواز دیتا ہے بھائی مجھے چھوڑ کر نہ جانا۔ محمد بن مسلمؑ کا جسم جو کہ تہہ آب جا رہا تھا، سطح آب پر نمودار ہوا، ٹھہر گیا پانی کی سطح پر۔ ادھر چھوٹا بھائی کروٹیں لے رہا ہے خون میں۔ اُدھر حارث ملعون نے دوسرا وار کیا، چھوٹے بھائی کا سر بھی تن سے جدا کر دیا۔ سر اپنے پاس رکھا اور جسم کو نہر میں پھینکا۔

بس یہ دونوں بے سر کے لاشے نہر میں بغل گیر ہوئے اور تہہ میں چلے گئے۔

اَلا لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰالِمِینَ

دوسری مجلس

أعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أجْمَعِينَ مِنَ ألآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أللّٰهِ ألرَّحْمٰنِ ألرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ

نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ

السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

اور وہ پروردگار کہ جس نے ہر چیز کو حسن کے ساتھ خلق کیا، اسے طریقے سے پیدا کیا اور انسان کی خلقت کی ابتدا مٹی سے کی۔ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِنْ مَّاءٍ مَّهِيْنٍ اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی میں قرار دیا ثُمَّ سَوّٰيهُ اور پھر اسے مساوی

بنادیا یعنی برابر کیا وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ اور پھر اس کے بعد اپنی روح اس میں پھونک دی وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَ فْئِدَةَ اور پھر اسے سماعت، بصارت اور دل دیا لیکن اس کی حالت کیا ہے؟ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ یہ بہت کم شکر گزار ہے، یہ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا یا بعض جگہوں پہ یہ بھی ہے کہ ان میں سے بہت کم ہیں جو اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں جگہ جگہ ان نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہیں اور انسان ان میں سے ہر نعمت کا اندازہ اس وقت کرتا ہے جب اس نعمت کو کھو دیتا ہے۔ جب تک وہ نعمتیں اس کے پاس ہوتی ہیں اس کو ان کی کوئی فکر نہیں ہوتی کیوں کہ نعمت موجود ہے اس لئے اس کی کوئی حیثیت نہیں، اس کی کوئی قیمت نہیں لیکن اس نعمت کا احساس اسے کب ہوتا ہے؟ جب یہ نعمت اس کے پاس نہیں رہتی۔ جب یہ نعمت کھو بیٹھتا ہے یا وقتی طور پر یہ نعمت اس سے لے لی جاتی ہے تو پھر دیکھئے! خدا کی بارگاہ میں کیسا بلبلاتا ہے، کیسا گڑگڑاتا ہے اور کیسی گریہ وزاری کرتا ہے؟ پھر وہ نعمت ملتی ہے پھر بھلا بیٹھتا ہے۔ ان نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔

انسان کو سماعت بھی دی، اسے بصارت بھی دی اور دل بھی دیا۔

سوچنے سمجھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے دل..... اس پہ میں بات کر چکا ہوں صرف اشارہ کر رہا ہوں، موضوع میرا کچھ اور ہے۔ سب سے بڑا ذریعہ، یاد رکھنے کا! سوچنے، سمجھنے کا اور دیکھنے کا دل ہے، دماغ نہیں ہے۔ عقل سے بھی بڑا سرچشمہ، چیزوں کی معرفت حاصل کرنے کا، اشیاء کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ دل ہے۔

جب تک دل کی معرفت انسان کو نہ ہو اس وقت تک اس کے کردار پر اثر نہیں پڑا کرتا۔ خلاصہ بیان کر رہا ہوں، دو تین سال پہلے اس موضوع پر بات کی تھی اسی لیے مختصراً بات کر رہا ہوں تا کہ آپ کے ذہن میں بات تازہ ہو جائے کہ دل کی اہمیت اتنی کیوں ہے؟

جگہ جگہ دل کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اس لئے کہ یہ تذکرہ میرے موضوع سے مناسبت رکھتا ہے، اگر مناسبت نہیں رکھتا تو تکرار نہیں کرتا۔ دل کی اہمیت کیوں بتائی گئی یعنی عقل سے بھی زیادہ

اس کی اہمیت ہے جب تک دل میں معرفت نہ ہو، عقل سے انسان بہت کچھ کام لیتا ہے۔ یہ اچھا ہے، یہ برا ہے لیکن عقل اسے برائی کرنے سے نہیں روک سکتی۔ عقل کہتی ہے برائی ہے، پھر بھی برائی کرتا ہے۔ عقل کہتی ہے ڈاکہ نہ ڈالو، پھر بھی ڈاکہ ڈالتا ہے۔ عقل کہتی ہے جھوٹ بولنا برا ہے، پھر بھی جھوٹ بولتا ہے۔ عقل کہتی ہے رشوت لینا بری بات ہے، پھر بھی رشوت لیتا ہے۔ لیتا ہے یا نہیں؟

عقل کہتی ہے کہ یہ سب برائیاں ہیں۔ تو بس معلوم ہوا کہ عقل کا کام ہے بتانا، اچھا اور برا۔ عقل کا کام نفس کو مہار دینا (لگام ڈالنا) نہیں ہے۔ عقل انسان کو برائی کے کام سے روک نہیں سکتی۔ اچھائی کرنے پر اُکسا نہیں سکتی، بتا سکتی ہے کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے۔ عقل یہ تمیز سیکھا سکتی ہے اور بس۔

دل کو اس لئے بڑا درجہ دیا۔ جہاں اتنی نعمتوں کا ذکر کیا کہ ان پر شکر کیا کرو لیکن تم شکر ادا نہیں کرتے، وہاں عقل کا ذکر نہیں کیا۔ وہاں کہا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَةَ ہم نے تمہیں سماعت بھی دی، بصارت بھی دی اور دل بھی دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ وہ سرچشمہ ہے کہ اگر دل کو معرفت حاصل ہو جائے تو یہ نفس کو روک لیا کرتا ہے۔ اب کسی قانون کی ضرورت نہیں، کسی کوڑے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، جیل سے ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ دل نے جب سمجھا دیا کہ یہ اچھا ہے، یہ برا ہے تو اب لاکھ نفس آمادہ ہو سرکشی پہ، یہ دل ہے جو اس کی مہار تھام لیتا ہے کہ خبردار! اس فعل میں معصیتِ پروردگار ہے۔

اب آیت کی مناسبت سے اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے بات کو آگے بڑھاتے ہیں جہاں کل چھوڑا تھا۔ بات ہے انسانیت کے ارتقاء کی، بات ہے انسانیت کو آگے بڑھانے کی کہ معصومینؑ نے کس طرح سے انسانیت کو آگے بڑھایا۔ اگر صرف مذہب آگے بڑھتا، اگر صرف دین آگے بڑھتا، اگر صرف مسلک آگے بڑھتا تو وہ فائدے حاصل نہ ہوتے، اس کا بھی عیسائیت اور یہودیت کی طرح ایک نام پڑ جاتا اور دین ایک بے روح سلسلہ بن کر رہ جاتا کتنے ہی گروہ

ایسے بن گئے لیکن نہیں معصومینؑ کی ذمہ داری تھی ،صرف دینی احکام نہیں، صرف فقہی احکام نہیں بلکہ انسانوں کوانسانیت کی معراج عطا کی جائے انھیں کمال تک پہنچایا جائے ،انھیں تکامل عطا کیا جائے ،ان کی اخلاقی تربیت کی جائے یعنی معاشرے کوکردار پیش کئے جائیں ۔معاشرے کو وہ نمونہ پیش کیا جائے کہ دوسرے دیکھیں تو اسلام کی حقانیت پر ایمان لائیں ۔اسلام کی تعلیمات پر ایمان لائیں۔

جب تک کردار سامنے نہ ہو آپ لاکھ شور مچائیں اسلام اسلام ،اسلام کا کسی پر کوئی اثر ہونے والا نہیں ۔جب تک کیریکٹر سامنے نہیں آئے گا، جب تک کردار سامنے نہیں آئے گا، شور مچانے کا کوئی نتیجہ سامنے نہیں آئے گا۔

پروردگار نے انسان کوفرشتوں اور دوسری مخلوقات پر اتنی فضیلت کیوں دی؟ اور بتایاوَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِی آدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً (الاسراء ۷۰)

ہم نے انسان کومکرم بنایا

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ (الاسراء ۷۰)

آدم کی اولاد کوہم نے مکرّم بنایا۔اسے مقام دیا،اسے عزت دی

وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الاسراء ۷۰)

اور بحر و بر پر اسے سواری قرار دیا یعنی یہ ان پر حاوی رہا وہ اس پر حاوی نہ ہوئے

وَ رَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ (الاسراء ۷۰)

اور اسے پاک رزق عطا کیا

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلاً (الاسراء ۷۰)

اور نہ صرف یہ بلکہ کثیر مخلوقات پر اسے فضیلت عطا کی

دیکھئے! عجیب بات! ایک طرف ہم کہتے ہیں اشرف المخلوقات، اشرف المخلوقات، جب کہ

آیت کہہ رہی ہے شرف دیا ہے مگر نہیں، سب پر نہیں۔

وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلاً (الاسراء ۷۰)

ہم نے اپنی مخلوقات میں سے ایک کثیر مخلوق پر انسان کو فضیلت دی، سب پر نہیں دی۔ کیوں؟ ہر انسان اشرف الخلوقات نہیں ہے۔ آیت یہی بات سمجھانا چاہ رہی ہے۔ ہر انسان اشرف المخلوقات نہیں ہے۔ اشرف المخلوقات کا مقام حاصل کرنا پڑتا ہے، لے کر نہیں آیا انسان۔ اشرف المخلوقات بنتا ہے انسان۔ جب اپنی روح کو پہچانتا ہے، جب اپنے نفس کی تربیت کرتا ہے تب اشرف المخلوقات قرار پاتا ہے۔ سورۃ التین میں ارشاد ہوا تھا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (التین ۵.۴)

ہم نے انسان کو خلق کیا۔ کیسے خلق کیا؟ بہترین معیار پر اس کو خلق کیا اور پھر پستی میں پھینک دیا یعنی بہترین انسان بھی ہے اور پست ترین انسان بھی موجود ہے۔ جو پست ترین انسان ہو، وہ اشرف المخلوقات کہلانے کا حق نہیں رکھتا۔ اس لئے قدرت نے یہ ارشاد نہیں فرمایا کہ ساری مخلوق کو اشرف المخلوقات بنایا۔ نہیں انسان ساری مخلوقات پر فضیلت نہیں رکھتا بلکہ یہ فضیلت جدوجہد سے حاصل کرنا پڑتی ہے۔

پھر ارشاد ہوا۔

وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّیْ (الاسراء ۸۵)

اب میں موضوع کے رخ پر آتا جا رہا ہوں۔ یہ آپؐ سے پوچھتے ہیں اے رسولؐ! روح کے بارے میں، روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّیْ (الاسراء ۸۵) ان سے کہہ دیجئے کہ روح اللہ کے امور میں ایک امر ہے۔ وَ مَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلاً (الاسراء ۸۵) اور آپ کو سوائے کچھ علم کے اور کچھ نہیں دیا گیا۔

مولائے متقیان علی ابنِ ابی طالبؑ ارشاد فرماتے ہیں روح کے بارے میں کہ جس نے اپنی

روح کی قدر جانی، جس نے اپنی روح پر قابو پالیا تو یہ روح کیا کرے گی؟ اسے بلند مقام پر پہنچا دے گی اور جس نے اپنی روح کی قدر نہ جانی، جس نے اپنی روح کو نہ پہنچانا تو یہ روح کیا کرے گی؟ ایسے انسان کو پست ترین مقام پر پہنچادے گی۔ دو قسم کی آیات و روایات ہیں روح کے بارے میں بھی اور نفس کے بارے میں بھی۔ کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو روح کو اعلیٰ ترین مرتبہ دے رہی ہیں، بلند ترین مقام عطا کر رہی ہیں کہ تمہارا نفس اگر تم نے اس کی تربیت کر لی تو یاد رکھو! تم بلند ترین مقام حاصل کرلو گے۔

یہ بھی غرر الحکم میں مولائے کائناتؑ ہی کا قول ہے کہ اپنے نفس کی قدر کرو، اپنی روح کی قدر کرو۔ اگر تم نے اس کو پہچان لیا، اس کو مہار دے دی یعنی اس کو لگام دے دی، اس کو تھام لیا، جدوجہد کے ذریعے اس کو قابو میں کرلیا تو یہ اعلیٰ ترین مرتبے پر پہنچادے گی اور اگر تم اپنے نفس پہ قابو نہ پاسکے، تو یہ نفس تمہیں اُٹھا کر پھینک دے گا، پستی میں لے جائے گا۔ تمہیں ذلیل کر دے گا، تمہیں حقیر بنادے گا تو ضروری ہے کہ نفس سے جنگ کے ساتھ نفس پر قابو پاؤ۔

یاد رکھئے گا! نفس ایک ہے، روح ایک ہے۔ بس اس کے مرتبے الگ الگ ہیں۔ مرتبوں میں فرق ہے، روح میں نہیں، نفس میں فرق نہیں۔ مراتب میں فرق ہے۔ اعلیٰ مرتبہ بھی ہے اور ایسا پست درجہ بھی کہ انبیاؑ بھی خوف کھاتے ہیں۔ نفس کے اس فرق سے انبیاؑ بھی ڈرتے ہیں۔ یا تو اتنی بلندی کہ تمہیں معراج پر پہنچادے گا اور یا اتنی پستی کہ سورۂ یوسف میں جنابِ یوسفؑ بھی خوف کا اظہار کرتے ہیں۔ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِی (الیوسف ۵۳) مجھے اپنے نفس کا خوف ہے۔ میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُوءِ (الیوسف ۵۳) کیوں کہ بے شک یہ نفس برے کاموں کا حکم دیتا ہے (لہٰذا) اپنے نفس سے ڈرتا ہوں وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِی (الیوسف ۵۳) اے پروردگار! میں اپنے نفس سے ڈرتا ہوں اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ (الیوسف ۵۳) مجھے اپنے نفس سے خوف آتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ یہ نفس مجھے برائیوں کی طرف لے جاتا ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (الیوسف ۵۳) سوائے اس شخص کے جس پر

پروردگار اپنی رحمت نازل کرے۔ جسے پروردگار بچائے۔

تو بس دعا کرتا رہے انسان، جب انبیاءؑ خوف کھاتے ہیں اس نفس سے کہ اگر اسے مہار نہ دی گئی تو یہ شیطان کے قبضے میں چلا جائے گا اور اگر مہار دے دی تو رحمان کی طرف تمہیں کھینچ کر لے جائے گا۔

تو بس بیک وقت ایک ہی نفس، ایک ہی روح ہے اسی لئے انسان کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جدوجہد کر کے چاہے تو نفسِ مطمئنہ کی منزل حاصل کر لے۔

نفسِ مطمئنہ، یاد رکھئے گا، انبیاؑ اور ائمہؑ سے مخصوص نہیں ہے۔ ذہن میں رہے آپ کے، اس نفسِ مطمئنہ کی منزل کو خاص اولیاً اللہ نے بھی حاصل کیا اور رسولؐ کے باوفا اصحاب نے بھی حاصل کیا۔ مثال کے طور پر ابوذر، سلمان، مقداد، میثم تمار۔

اس نفسِ مطمئنہ کی منزل کو علیؑ کے خاص اصحاب نے بھی حاصل کیا۔ مثال کے طور پر عمار یاسر، مالک اشتر، جناب محمد ابنِ ابی بکر۔ اس طرح کے لوگ، یہ بھی نفسِ مطمئنہ کی منزل پر فائز ہوئے۔

اسی طرح کربلا میں جناب سید الشہداءؑ کے انصار، یہ سب کے سب اپنی جدوجہد سے نفسِ مطمئنہ کی منزل پر فائز ہوئے یعنی اپنے نفس کے ساتھ جنگ میں نفس کو شکست دے کر اسے اپنے قابو میں کر لیا۔

کیوں اتنی فضیلت دی انسان کو، کیوں اتنا مکرم بنایا انسان کو؟

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ آدَمَ (الاسراء ۷۰)

ہم نے ابنِ آدم کو عزت دی، کرامت عطا کی، مکرم بنایا

کیوں بنایا؟ چند خصوصیات جو انسان میں ہیں وہ دوسری مخلوقات میں نہیں ہیں۔

ان خصوصیات کو قرآن کے مفسرین بیان کرتے ہیں کہ کس لئے مکرم بنایا؟

پہلی خوبی جو انسان میں ہے اور دوسری مخلوقات میں نہیں

اُسے بہترین شکل وصورت عطا کی

پروردگار نے انسان کو جیسی شکل وصورت عطا کی

اپنی مخلوقات میں سے کسی اور کو ایسی شکل وصورت میں نہیں بنایا

دوسری خصوصیت، اسے عقل کے جوہر سے نوازا

دوسری مخلوقات کو انسان جیسی عقل کے جوہر سے نہیں نوازا

بس انھیں اتنی عقل دی کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی ضروریات کو پورا کرلیں

انسان کو عقل سے نوازا تا کہ وہ عقل کے ذریعے کمال کی منزلوں کو طے کرتا چلا جائے

اتنی خصوصیات کے ساتھ اسے جذبات کا مجموعہ بنایا

یعنی بیک وقت اس میں غضب ناک ہونے کی بھی صلاحیت ہے اور رحم کرنے کی بھی

اس میں محبت بھی ہے

اس میں جہالت بھی ہے

اس میں حیوانیت بھی ہے

اس میں درندگی بھی ہے

اس میں نرمی بھی ہے

اس میں شفقت بھی ہے

اس میں جنگ جویانہ صفات بھی ہیں

اس میں امن کی صفات بھی ہیں

گویا تمام متضاد صفات بیک وقت اس میں جمع کردیں

جو ایک دوسرے سے تضاد رکھتی ہیں

جب کہ دیگر حیوانات کا معاملہ یہ ہے کہ اگر شیر کی کوئی صفت ہے تو وہ اسی کے لئے ہے۔ بدل نہیں سکتی۔ جو حیوان جس صفت کے ساتھ خلق کردیا گیا اسی پر قائم رہے گا لیکن انسان وہ مخلوق ہے

جو بیک وقت تضادات کا مجموعہ ہے۔ایک ہی وقت میں ساری حیوانوں کی صفتیں بھی اس میں ہیں اور فرشتوں کی صفات بھی اس میں موجود ہیں۔

اب مولائے متقیان علی ابنِ ابی طالبؑ تشریح فرماتے ہیں اس بات کی۔کسی نے سوال کیا کہ کیا بیک وقت تمام انسان اشرف المخلوقات ہیں،فرمایا نہیں۔انسان ایک ہی وقت میں اشرف المخلوقات بھی ہے اور ارذل المخلوقات بھی یعنی مخلوقات میں ذلیل ترین بھی انسان ہے اور مخلوقات میں شریف ترین بھی انسان۔

پوچھا گیا وہ کیسے؟ فرمایا اس لئے کہ فرشتے معصوم ہیں،فرشتے گناہ کو جانتے ہی نہیں، گناہ کی لذت کو نہیں جانتے، گناہ کی کیفیت کو نہیں جانتے اس لئے اگر وہ گناہ کی طرف نہیں جاتے تو اس میں فرشتوں کا کوئی کمال نہیں ہے اس لئے کہ ان کی فطرت میں ہی گناہ نہیں ہے اسی لئے تو وہ فرشتے ہیں اور حیوان سوائے اپنی حیوانی خواہشات کے دوسری کسی چیز کو جانتا ہی نہیں۔عبادت کی لذت کو نہیں جانتا،کمال کی راہوں کو طے کرنا نہیں جانتا،عقل نہیں رکھتا لہٰذا اگر وہ کمال کی منزلیں طے نہیں کرتا تو کوئی حرج نہیں لیکن انسان وہ ہستی ہے کہ جس میں فرشتوں کی صفات بھی جمع کیں،حیوان کی صفات بھی جمع کیں، جب یہ صفات ٹکراتی ہیں تو اگر انسان حیوانی زندگی کی طرف چلا گیا کہ صرف اپنا پیٹ،اپنا لباس،اپنا گھر،اپنی زندگی سے غرض باقی لوگوں کی زندگی سے ہمیں کیا لینا؟ تو ایسی صورت میں فرمایا کہ یہ ارذل المخلوقات ہوا کیوں کہ اس میں یہ خصوصیات تھیں کہ یہ فرشتوں کے مقام سے بھی بلند ہوتا لیکن اس نے اپنی ان صفات کو ایک طرف رکھا۔حیوانی زندگی کو پسند کیا یعنی اپنے نفس کی خدمت کرتا رہا،اپنے نفس کے تابع ہو گیا تو اس بناء پر یہ پست مخلوقات میں سے قرار پایا اور وہ انسان جس نے حیوانی خواہشات کے باوجود ان خواہشات کو ایک طرف پھینکا، گناہوں کی لذت سے آشنا ہونے کے باوجود گناہوں سے کنارہ کیا،معصیت کی لذت سے آگاہ ہونے کے باوجود معصیت سے مقابلہ کرتا رہا اور فرشتوں کی صفات اپنے اندر پیدا کیں تو اب یہ فرشتوں سے افضل ہو گیا۔

اس لئے افضل ہوا کہ فرشتہ گناہ کو جانتا ہی نہیں، انسان جانتا تھا مگر اس نے گناہ سے گریز کیا، خوشنودی خدا کے لئے خود کو گناہ سے بچایا، فرشتے گناہوں کی لذت سے آگاہ نہیں ہیں مگر انسان ان لذتوں سے آگاہ ہے لیکن جب انسان نے لذتوں کو خود سے دور رکھا تو اب مولائے کائناتؑ فرماتے ہیں کہ ایسا انسان جس نے حیوانی اور نفسانی خواہشات پہ قابو پا کے انھیں شکست دے دی تو یہ اشرف المخلوقات کہلانے کے قابل بنا۔

اسی لئے آیت نے کہا کہ سب کو فضلیت نہیں دی بعض انسان ہوں گے جنہیں ہم اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کریں گے۔

انسان میں متضاد جذبات رکھے اور قرآن نے ایک صفت یہ بیان کی ہے کہ ہم نے انسان کے لئے ایک قانون زندگی وضع کیا۔ فرشتوں اور حیوانوں کے لئے کوئی قانون نہیں درندوں کے لئے کوئی قانون نہیں، بس جیسے پیدا ہوئے، جہاں سے غذا کی ضرورت پوری کریں، جیسی فطرت پہ خلق ہوئے ویسی زندگی گذاری اور مر گئے۔

انسان کے لئے ہم نے ایک دین بنایا کہ اس دین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق زندگی گزارے۔ کیا جانوروں کے لئے دین آیا؟ کیا جانوروں کا حلال وحرام آپ کو معلوم ہے؟ نہیں۔ انسان کے لئے ان قوانین وضوابط کو وضع کیا گیا۔ ایک اور صفت جو انسان میں موجود ہے دوسری مخلوقات میں موجود نہیں ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو ہم نے یہ صفت دی کہ اگر انسان ماضی سے سبق حاصل کرے، حال کا سامنا کرے اور ماضی کے آئینے کو سامنے رکھ کر مستقبل کی تیاری کرے تو یہ صفت کسی دوسری مخلوق کو نہیں دی بلکہ یہ صفت فقط انسان کو دی۔ اب یہ انسان کی خطاٴ ہے کہ انسان کے سامنے ماضی بھی ہو، حال بھی ہو پھر بھی مستقبل سے بے خبر رہے۔ یہ انسان کا اپنا قصور ہے کہ سارے حالات سامنے ہوں گزشتہ زمانوں کے بھی اور موجودہ زمانے کے بھی، پھر بھی اُسے اپنے مستقبل کی کوئی پروانہ ہو، تو یہ انسان کی صفت ہے۔ اگر انسان ہے تو اس کی یہ صفت سامنے آنی چاہیے اور یہ صفت جو انسان کو دی، دوسری مخلوقات کو نہیں دی کہ ہم نے اس کے لئے

جزا وسزا کا نظام وضع کیا اور کسی حیوان کے لئے آپ نے سُنا؟ نہیں فقط انسان کے لئے اچھے کام کی جزاء اور برے کام کی سزا مقرر کردی۔

صفات کی بنا پر ہم نے تمام مخلوقات پر اُسے مکرم بنایا، اسے فضیلت دی، اگر تمام صفات سے انسان استفادہ کرتا ہے تو انسانیت کے کمال کو حاصل کرے گا، اشرف المخلوقات بنے گا۔ نفس مطمئنہ کے درجے کو حاصل کرے گا، کوئی خوف کوئی ملامت، لوگوں کی ملامت، دنیا کی ملامت اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، اسے اس کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ کیوں؟ اس لئے اس کا نفس مطمئن، اس کی روح مطمئن۔

بس معصومینؑ کی ایک ذمہ داری یہ رہی کہ لوگ مسلمان تو ہو رہے ہیں، لاکھوں کا مجمع تو اکٹھا ہو رہا ہے، ہزاروں کی تعداد میں ہیں لوگ، روز ایمان تو لا رہے ہیں مگر کردار کیسے تیار کئے جائیں؟ انھیں انسان کیسے بنایا جائے؟ ملوک نہیں، بادشاہ نہیں کیونکہ ہر نظام کے ساتھ یہ ہوا، ہر نبیؑ کی شریعت کے ساتھ یہ ہوا کہ جوں ہی نبیؑ گیا دین کے کچھ ٹھیکے دار بن گئے کہ اب یہ دین ہمارا ہے۔ اب ہم اسے جیسے چاہیں گے چلائیں گے۔ وہ سارے قوانین جن سے ہمارا فائدہ ہوگا وہ سامنے لائے جائیں گے اور جہاں بھی کہیں ہمارے مفاد پر ضرب پڑے گی، ہمارا نقصان ہوگا، ان قوانین کو چھپا دیا جائے گا۔

ایک بہت ہی نازک مسئلہ دین سے متعلق ہماری صنف کے حوالے سے ہے، دو تین منٹ میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا لیکن ضروری ہے۔ اگر میں نے پیش نہ کیا تو میں بھی مجرم، میں بھی گناہ گار۔

ہر دین کے ساتھ کیا ہوا؟ نبیؑ گیا اور کچھ ٹھیکے دار دین کا لبادہ اُوڑھ کے آگئے اور ذمہ داری سنبھال لی، چارج سنبھال لیے، کلیسا سنبھال لیے اور پوری ذمہ داری لے کر بیٹھ گئے کہ جب تک ہمارے ساتھ وابستہ رہو گے جنت تمہاری، ہمارے مفادات پورے کرتے رہو گے جنت تمہاری، ہمارے ٹیکس ادا کرتے رہو گے، جنت تمہاری اور اگر ہمارا ٹیکس نہ دیا تو نہ نبیؑ معاف کرے گا، نہ

امامؑ معاف کرے گا اور نہ خدا معاف کرے گا۔ اب لوگ ڈر گئے کہ اتنے سارے گناہ ہیں، ان کا ٹیکس دے دو۔ اگر چرچ، کلیسا اور معابد وغیرہ کو ٹیکس نہ دیئے گئے عبادت خانے والوں کے تو یہ تھوڑا سا بخشش کا جو آسراء ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ تو بس اسلام کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔ رسولؐ گئے تو دین کے کچھ ٹھیکے دار آگے بڑھے۔ ہر دور میں، ہر زمانے میں بلکہ مختلف قسم کی صورتوں میں آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

دین میں تحریفات کا آغاز ہوا

دین کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی

کردار کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے

کردار بنانے کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہے

کوئی کسی طرح لوگوں کو بہکاتا ہے

جعلی حدیثیں گھڑی گئیں کہ یہ اولی الامر ہے

یہ حاکم ہے ..... یہ بادشاہ ہے

اس کی اطاعت کرو گے تو عمل قبول ہوگا

اگر اس کی اطاعت نہیں کی تو کوئی عمل قابل قبول نہیں گا

دوسری طرف بھی کچھ ایسے ہی سلسلے چلائے گئے

مختلف عنوانات کے تحت

ایک اشارہ کرتا جا رہا ہوں

ہمت ہے تو اشارہ کر رہا ہوں

ہمت نہ ہوتی تو اشارہ بھی نہ کرتا

لیتے وقت تو ساری زندگی کا حساب بنایا جاتا ہے

لیتے وقت تو پوچھا جاتا ہے کہ کب سے کمانا شروع کیا؟

کتنا کمایا؟

سال میں کتنی آمدنی ہوئی؟

کیوں؟اس لئے کہ پورا حساب ہوگا

اگر حساب میں تھوڑی سی بھی کمی رہ گئی تو کچھ بھی قبول نہیں ہوگا

یہ حق ہے، دینا ہے

کبھی سرکار!؛ آپ نے لینے کا بھی حساب دیا ہے کہ کتنا لیا اور کیوں لیا؟

امامِ زمانہؑ صرف دینے والے سے حساب لیں گے

لینے والے سے کوئی حساب نہیں لیں گے؟

بڑی جرأت کے ساتھ بیان کر رہا ہوں

ایک قومی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے یہ ساری مصیبتیں ہیں

اگر یہ مسئلہ صحیح طریقے سے حل کر لیتے ہمارے بزرگانِ دین

تو آج قوم کو اتنی مشکلات کا سامنا نہ ہوتا

کیوں؟اس لئے کہ لیتے وقت تو آپ بڑا حساب کرتے ہیں

کبھی آپ نے یہ حساب بھی دیا کہ آپ کو کتنا ملا اور کتنا خرچ ہوا؟

لینے کے بورڈ تو ہر جگہ ہیں

کہیں یہ بھی بورڈ ہے کہ یہاں سے شہیدوں کے یتیموں کی مدد کی جاتی ہے؟

یہاں سے اسیروں کے گھرانوں کی مدد کی جاتی ہے؟

یہاں سے غریب بیواؤں کی مدد کی جاتی ہے؟

یہاں سے محتاج مریضوں کی مدد کی جاتی ہے؟

کیا قوم میں کوئی بیمار نہیں؟

کوئی قیدی نہیں؟

کسی شہید کا خاندان نہیں؟

یہ دل زخمی ہے ..... یہ جگر چھلنی ہے

اِدھر کا پردہ ہٹاؤ تو ہم ہی بے نقاب

اُدھر کا پردہ ہٹاؤ، تو بھی ہم بے نقاب

آخر کرئے کیا آدمی کہاں تک حقیقت پر پردے ڈالتا رہے؟

کوئی تو ہو جو اس تالاب میں پتھر پھینکے

کوئی ہو جوان شیشوں پر پتھر مارے

یہ مقدس دکانیں کب تک اسی طرح چلیں گی؟

قوم مر رہی ہے، قوم مصیبت میں مبتلا ہے

قوم مشکلات میں ہے

قوم کو یہ جعلی ادارے نہیں چاہئیں

قوم کو یہ مصنوعی عمارتیں نہیں چاہئیں

قوم کو یہ کروڑوں کی قیمتی عمارتیں نہیں چاہئیں

کروڑوں کی جہاں کوئی غریب پہنچ جائے تو ہر ایک کے پاس اپنا پروجیکٹ کہ

بھئی میری تو پہلے ہی دکان بن رہی ہے

میری تو پہلے ہی بلڈنگ بن رہی ہے

میرا تو اپنا ادارہ بن رہا ہے، میں تمہاری کہاں سے مدد کروں؟

تو پھر وارثِ انبیاءؑ کہاں گئے؟

پھر وہ جو خود کہتے ہیں کہ ہم انبیاءؑ کے وارث ہیں

انبیاؑ کے وارث ہو تو ان یتیموں کی سرپرستی بھی تم پر واجب

ان محتاجوں کی سرپرستی بھی تم پر واجب

ان غریبوں کی سرپرستی بھی تم پر واجب

مجبور ہوں میرے کچھ دوستوں نے کہا ہے کہ آپ دوست کم بناتے ہیں مخالف زیادہ

تو میں کیا کروں جب فطرت یہی ہے

اِدھر دیکھو، اُدھر دیکھو، جدھر دیکھو یہی حال ہے

جہاں دیکھو یہ ہی مصیبت ہے

اس لئے یہ کہہ رہا ہوں کہ کوئی شعبہ، کوئی صنف اور کوئی ادارہ ایسا باقی نہیں بچا جو انسانیت کی خدمت کر رہا ہو، سب اپنے پیٹ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں آپ۔ میں کس کس چیز اور کس کس بات کی نقاب کشائی کروں، میں کیا کیا دکھاؤں، میں کیا کیا بتاؤں؟

آپ کیا توقع کر سکتے ہیں کہ اس ماحول میں کوئی آدمی کیا کر سکتا ہے، جب پوری مشینری بگڑ چکی ہو، جب پورا نظام خراب ہو چکا ہو؟ کوئی شعبہ تو ایسا ہوتا جو پاک اور صاف ہوتا، جو مطاہر ہوتا، جس پر لوگ اعتماد کرتے؟ اب کسی پر کسی کو اعتماد نہیں رہا تو جب تک ان مسائل کی نشاندہی نہ کروں بات کا حق ادا نہیں ہوتا کچھ نہیں معلوم کتنے دن کی زندگی ہے؟ دل پر کوئی بوجھ تو نہ رہ جائے۔ لوگ یہ تو نہ کہیں کہ اپنی صنف کے عیب چھپائے اور دوسروں کے عیب بتائے۔

میں کیا کروں ہر طرف یہی ہے جہاں جاؤ ایک مصیبت کھڑی ہے کہ آپ کا میدان ہے صاحب آپ کریں۔ ہمارا کام نہیں ہے ہم سیاسی لوگ نہیں ہیں۔ کیوں؟ ٹھیکے دار تو آپ بنے بیٹھے ہیں۔ ساری قومی دولت کے مختلف عنوانات کے تحت ٹھیکے دار تو آپ بن کے بیٹھے ہیں۔ ہر چیز پر آپ نے قبضہ کیا ہوا ہے یہ بے چارے غریب غرباء، یہ یتیم، ارے کوئی ادارہ نہیں چاہیے، سب سے بڑا کام یہ ہے کہ رسولؐ اور علیؑ کی سیرت پر چلتے اور کسی کا پیٹ بھر دیتے۔ سیدِ سجادؑ نے اداروں کی بنیادیں بعد میں رکھیں اپنے کاندھوں پر اناج لاد کر غریبوں کی مدد پہلے کی، محتاجوں کی مدد پہلے کی، یتیموں کی سرپرستی پہلے کی۔ یہ کون کرے گا، یہ کس کا کام ہے؟

اپنی عادت سے مجبور ہوں، کیا کیا جائے، کبھی اس طرف بھی غور کیا کیجئے۔ کبھی یہ سوال بھی

اُٹھایا کیجئے، کبھی یہ سوال بھی پوچھا کیجئے۔ایسے آدمی آپ کو کم ملیں گے جو خود بتائیں کہ ہم نے یہ پوچھو، ہم سے کیا پوچھو، ہمارے طبقے اور ہماری صنف سے کیا سوال کرو؟ غنیمت جانیے کہ دو چار افراد ایسے ہیں جو یہ سوالات آپ کو دے کر جاتے ہیں۔

مسائل کس طرح حل ہوں گے جب کچھ لوگ کروڑوں کے مال پر سانپ بن کے بیٹھے ہوئے ہیں؟ مختلف عنوانات کے تحت مالِ امامؑ جمع ہو رہا ہے اور کئی گھروں میں فاقے ہو رہے ہیں، ہم جانتے ہیں ایسے گھروں کو، تم نے نہیں دیکھے، ہم نے دیکھے ہیں ایسے گھر آؤ ہمارے ساتھ ہم تمہیں دکھائیں، ہم تمہیں بتائیں کہ کتنے محتاج، کتنے غریب، کتنے یتیم پڑھائی چھوڑ کر بیٹھ گئے کہ ان کا باپ شہید ہو گیا، ان کا بھائی شہید ہو گیا۔ان کے گھر میں اب کوئی نہیں جو ان کی تعلیم کو آگے بڑھا سکے۔

صرف کلمہ سیکھا کر نہیں گئے تھے امامؑ۔صرف 'علی ولی اللہ' سیکھا کر نہیں گئے تھے امامؑ۔یہ بھی بتا کر گئے تھے کہ اگر میرے ماننے والے ہو تو میری سیرت پر چلنا

اگر میرے چاہنے والے ہو تو میری سیرت پر بھی چلنا

عزیزانِ محترم! یہ دل کا درد ہے اگر آپ کے سامنے نہ بیان کروں تو کہاں جا کر بیان کروں؟ بڑی کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا ہے ان باتوں کے لئے، اپنے نفس سے لڑنا پڑتا ہے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ کتنا اپنی مخالفت میں اضافہ کرنا پڑتا ہے لیکن کیا کیا جائے اگر علیؑ نے ابوذر کی اس نہج پر تربیت نہ کی ہوتی تو میں تو بھی اِس لہجے میں گفتگو نہ کرتا۔اگر مولاؑ نے ابوذر کو یہ زبان نہ دی ہوتی تو میں بھی اُس انداز میں گفتگو کی کوشش نہ کرتا۔اگر امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اپنے جانثاروں کو ایسی زبان عطا نہ کی ہوتی۔میثم تمار، عمار یاسر، حبیب ابنِ مظاہر، زہیر بن قین اور مسلم ابنِ عوسجہ کو تو میرے لئے اور میرے جیسے ہزاروں لوگوں کے لئے بھی کوئی مسئلہ نہ ہوتا اور سچی بات تو یہ ہے کہ میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں، میں تو ایک انتہائی ادنیٰ درجے کا گناہ گار آدمی ہوں، خطا کار انسان ہوں لیکن اور بہت سے لوگوں کو جو کربلا اور امام حسینؑ کے انصار کو صرف مصائب کی نظر

سے نہیں دیکھتے بلکہ اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ یہ وہ کردار ہیں کہ جو معصومینؑ نے معاشرے کے لئے دیئے تھے کہ اگر انسان دیکھنے ہوں، انسانیت دیکھنی ہو تو ہمارے تربیت یافتہ افراد میں دیکھنا کہ ہم نے کیسے کردار دیئے جو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی کبھی پروا نہیں کرتے۔ کوئی کتنی بھی ملامت کرے مگر ان کی زبان پر کبھی تالا نہیں پڑتا، ان کی زبان پر کبھی قفل نہیں لگتا۔

ان کے لئے تو یہ فخر ہے، ان کے لئے تو یہ اعزاز ہے کہ

نہ منہ چھپا کے جیئے ہم، نہ سر جھکا کے جیئے
ستم گروں کی نظر سے نظر ملا کے جیئے
اب ایک رات اگر کم جیئے تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کے جیئے

ان کے لئے تو یہ بڑا اعزاز ہے۔ ایک رات کم یا ایک رات زیادہ ہی تو جینے کی بات ہے اور کیا ہے؟

اب ایک رات اگر کم جیئے تو کم ہی سہی
یہی بہت ہے کہ ہم مشعلیں جلا کر جیئے

زندگی وہ ہے جو علیؑ نے اپنے جانثاروں کو گزارنا سکھائی، جو امام حسنؑ نے سیکھائی، جو امام حسینؑ نے سیکھائی، جو سیدِ سجادؑ نے بسر کرنا سیکھائی، جو امام جعفرِ صادقؑ نے بسر کرنا سیکھائی، جو باقی ائمہ اطہارؑ نے سکھائی اور اپنے مکتب کے پیروکاروں کو بتایا کہ اگر انسانیت نہیں تو کتنا ہی محبتِ رسولؐ کا اور محبتِ امامؑ کا ڈھنڈورا پیٹو اس لئے کہ جو انسان نہیں وہ مومن تو مومن مسلمان کہلانے کا بھی حق دار نہیں ہے اگر اس میں انسانیت ہے کیونکہ پہلی تربیت رسول اللہؐ نے اور ائمہ طاہرینؑ نے یہی دی کہ پہلے انسان بن جاؤ۔

اپنا تزکیۂ نفس کرو، پہلے اپنی تربیت کرلو، پہلے اپنے سینے میں ایک دردمند دل بے دار کرلو، ایسا دل جس میں دوسروں کے لئے درد ہو، جس میں دوسروں کے لئے رات کی جگائی و بیداری ہو، جس

میں دوسروں کے لئے دن بھر جستجو اور ایثار ہو، جس میں دوسروں کے لئے اپنے آرام کی قربانی ہو ۔ پہلے ایسا دل پیدا کرلو پھر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو زندہ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو منور رکھے گا، تمہیں مرنے نہیں دے گا۔ تو انبیاءؑ اور ائمہؑ نے تو انسان سازی ، کردار سازی اور خود سازی کا درس دے کر، انسانیت سکھا کر حیات جاودانی کا ایک نسخہ دے دیا۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہے، سب جانتے ہیں کہ ایک دن مرنا ہے لیکن ہر ایک کی خواہش یہی ہے کہ میں ہمیشہ زندہ رہوں۔

ہر ایک کی خواہش یہی ہے کہ ہمیشہ زندہ رہوں لیکن ہر ایک کو مرنا ہے جب کہ کوئی مرنا نہیں چاہتا۔ تو نسخہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ یہ نسخہ میرا اپنا معین کیا ہوا نہیں ہے بلکہ معصومینؑ کا دیا ہوا نسخہ ہے کہ ہمیشہ زندہ رہو گے، نہیں مرنے دیں گے ہم تمہیں۔ ہمیشہ زندہ رہو گے، کب؟ اگر تمہارے دل میں دوسروں کا درد ہے، دوسروں کی خدمت کا جذبہ ہے، اگر تمہارے اندر انسانیت ہے۔ تم مر جاؤ گے مگر قیامت تک تمہارا نام زندہ رہے گا۔ تم باقی رہو گے، تم شہداؑ کے ساتھ محشور ہو گے۔ کربلا والوں کے ساتھ محشور ہو گے۔ بستر پہ مرو یا میدانِ جنگ میں مرو۔ چاہے دوستوں کی ملامت کا نشانہ بنو۔ چاہے دشمن کی گولیوں کا نشانہ بنو لیکن تم ہمیشہ زندہ رہو گے۔ تمہیں موت نہیں آسکتی۔

جذبہ زندہ رکھتا ہے انسان کو، اگر انسان میں جذبہ زندہ ہے، دوسروں کا درد ہے تو انسان کبھی نہیں مر سکتا ایسا انسان ہمیشہ زندہ رہے گا۔ پروردگار اُسے حیاتِ جاویدانی دے دے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ساری زندگی دوسروں کے لئے جیئے، اپنے لئے نہیں۔ ساری زندگی دوسروں کی خاطر مخالفتیں مول لیں، اپنے لئے نہیں بلکہ ساری زندگی دوسروں کے لئے ملامت کا نشانہ بنتے رہے، الزام سہتے رہے، تہمتیں برداشت کرتے رہے تو بس جس نے زندگی میں اتنی قربانیاں دیں پروردگار اُسے کیسے مرنے دے گا؟ اسے نہیں مرنے دے گا۔ تم زندہ رہو گے تمہیں حیاتِ جاویدانی دے دی جائے گی۔

یہ باتیں اس لئے نہیں کر رہا کہ کسی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم

اورآپ سبھی ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔نہ مجھ میں یہ ساری صفات موجود ہیں نہ آپ میں سے اکثر میں یہ ساری صفات موجود ہوں گی لیکن ان تمام باتوں کی تکرار ضروری ہے۔ کیوں ضروری ہے؟ ہمیں ضرورت ہے کہ یہ باتیں کی جائیں،ان مسائل کو چھیڑا جائے۔ پروردگار ہم پر رحم کرے گا۔آج نہیں تو کل ہماری قوم میں، ہماری ملّت میں، ہماری نسل میں شاید کوئی نجات دہندہ پیدا ہو جائے جس کے دل پر یہ سب باتیں نقش ہوں۔نہ ہمارے علم میں یہ گہرائی، نہ ہمارے پاس مسائل کو دقیق انداز میں سمجھنے کا سلیقہ، مومن کے لئے نفع ہے ان باتوں میں، مومنین کے لئے فائدہ ہے ان باتوں میں، مومنین بھی سُن رہے ہیں، بچے بھی سُن رہے ہیں، مائیں بھی سن رہی ہیں، ماؤں بہنوں کی گودوں میں بچے بھی سن رہے ہیں۔نہ معلوم پروردگار کس کی آغوش قرار دے کہ کل ہمارے لئے بھی ایک نجات دہندہ پیدا ہو جائے کیوں کہ آج کی صورت حال تو آپ کے سامنے ہے۔جوتیوں میں دال بٹ رہی ہے۔نہ صحیح کا پتہ، نہ لوگوں کو یہ معلوم کہ صحیح کون، نہ یہ معلوم کہ غلط کون؟ کچھ نہیں پتہ، اتنے لباسوں میں لوگ حملہ آور ہوتے ہیں کہ کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ایسے ایسے انداز بدل کر لوگوں نے ملّت کے حقوق پر ڈاکے ڈالے ہیں لہٰذا اب کسی کا کسی پر اعتماد باقی نہیں رہا۔سب کے اعتماد مجروح ہو گئے مگر ربّ کی بارگاہ میں دعا تو کی جاسکتی ہے۔مسائل تو چھیڑے جاسکتے ہیں، مسائل کا ذکر تو کیا جاسکتا ہے؟ نہ جانے کب، کہاں، کس گھر میں، کس رحم مبارک میں، کس آغوش میں ہمارا بھی کوئی نجات دہندہ آجائے اور یہ ملّت اس دگرگونی سے باہر نکل جائے۔ وہ ملّت جسے اپنی زبوں حالی کا خیال بھی نہیں، جسے یہ بھی احساس نہیں کہ ہم زبوں حالی کی طرف جارہے ہیں۔وہ ملّت زبوں حالی سے نکل جائے۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

رائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بس آج کے لئے اتنی بات کافی ہے لیکن جو سوال میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اُسے

اپنے ذہنوں میں رکھیں اور جہاں تک یہ سوال پہنچانا چاہتا تھا وہاں تک بھی یہ سوال پہنچ جائے گا اور مجھے معلوم ہے.کہ اب مجھے سامنا بھی کرنا پڑے گا لیکن میں ہر بات کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں اور ہر فرد کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ صبح شام کے مسائل، یہ صبح شام کی مشکلات، دو میں سے ایک ہی راستہ بچا ہے کہ یا تو یہ دنیا چھوڑ جاؤ کسی اور دنیا میں چلے جاؤ، نہ یہ لوگ ہوں، نہ یہ مسائل ہوں لیکن دنیا میں فی الحال کوئی ایسی جگہ نہیں یا پھر یہ دعا کہ پروردگار کچھ چلے گئے ہمیں بھی انہی کے ساتھ ملحق کردے کہ یہ صبح وشام کی زبوں حالی، صبح وشام کی مشکلات، ان مشکلات سے دوچار رہنا بھی تو ایک ستم ہے جب کہ کسی سینے میں کوئی حساس دل ہو، یہ بھی تو ایک زیادتی ہے۔ مجھے بار بار شعر کا سہارا لینا پڑ رہا ہے، ذرا یہ شعر بھی سنیئے ؎

وجہِ بربادیٔ دل صرف شعور و احساس
ایسی بخشش تو الٰہی کوئی احساں نہ ہوا

پروردگار یا تو یہ دل نہ دیا ہوتا، یا یہ احساس نہ دیا ہوتا یا اگر ایسا درد ہی دینا تھا تو کچھ اس کے سمجھنے والے بھی دے دیئے ہوتے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ مشکل پیش آئے تو سر پکڑ کر بیٹھ جاؤ۔ ایک زبان دی ہے اللہ نے اس کو استعمال کرتے رہو، وہ بھی جب تک چل رہی ہے، جب بند ہوگئی تو اللہ کچھ اور لوگ پیدا کردے گا، ایسی باتیں کرنے والے، جو اسی قسم کی باتیں آپ کو بتایا کریں گے لیکن جب تک یہ زبان چل رہی ہے جب تک تو سناؤ، ایک جہاد تو کرتے رہو، اگر باقی جہاد کی فرصت نہیں، باقی جہاد کا موقع نہیں تو یہ جہاد تو کرتے رہو اس اُمید پہ کہ یہ زبان چل رہی ہے اور کبھی تو حالات بدلیں گے۔ کبھی تو ہماری ملّت کی قسمت بدلے گی، کبھی تو لوگوں کو احساس ہوگا، کبھی تو صحیح اور غلط کی پہچان ہوجائے گی۔

آپ جانتے ہیں امیر المومنین علی ابنِ ابی طالبؑ نے کیسے انسانوں کی پرورش کی تھی؟ مالک اشتر جن کے لئے علیؑ فرماتے ہیں کہ مالک میرے لئے ایسے تھے جیسے رسول اللہؐ کے لئے میں تھا۔

علیؑ کا وہ جرنیل لیکن آپ جانتے ہیں مالک کے سلسلے میں تاریخوں نے کیا ستم کیا؟ مالک اشتر کو خارجی لکھا، مالک اشتر کو باغی لکھا، مالک اشتر کو قاتل لکھا۔ مالک اشتر کو معاشرے میں انتشار پھیلانے والا لکھا اور مالک اشتر کا یہ عالم کہ رات کو عمار یاسر نے دیکھا کہ مسجدِ کوفہ میں مالک اشتر تنہا بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں۔ عمار یاسر یہ سمجھے شاید اپنی مشکلات پہ رو رہے ہیں۔ شاید لوگوں کی لعن طعن پر رو رہے ہیں۔ پاس بیٹھ گئے جب مالک اشتر کی توجہ ہوئی تو مالک اشتر نے دیکھا، دونوں میں سلام دعا ہوئی۔ عمار یاسر کہتے ہیں اے مالک! فکر نہ کیجئے، پریشان نہ ہوں۔ مالک اشتر نے پھر رونا شروع کیا اور بولے اے میرے بھائی عمار! تم غلط سمجھے۔ اے عمار! میں اپنے لیے نہیں رو رہا بلکہ میں تو علیؑ کی تنہائی پہ رو رہا ہوں، میں اپنے آقا و مولاؑ کی تنہائی پہ رو رہا ہوں کہ یہ کیسے لوگ ہیں، یہ کیسے مسلمان ہیں کہ کائنات کا معصوم امامؑ، رسولؐ کا جانشین، رسولؐ کا بھائی، رسولؐ کا داماد اُن کے درمیان ہے اور اس کا ساتھ نہیں دیتے؟ میں تو علیؑ کی تنہائی پہ رو رہا ہوں۔ تو ایسے ایسے مخلص انسانوں کی علیؑ نے تربیت کی تھی جو رات کی تاریکی میں، اپنے لئے نہیں بلکہ علیؑ کے لئے رویا کرتے تھے۔ اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے پریشان رہا کرتے تھے۔ اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے رات کو جاگا کرتے تھے۔

محمد ابنِ ابی بکر کا یہی حال

میثم تمار کا یہی حال

علیؑ کے غلام قنبر کا یہی حال

تو عزیزو! کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ چلے جائیں اور ان کا کردار باقی نہ ہو؟

ان کا عمل یادگار بن کر باقی نہ رہے؟

نہیں بلکہ، ہر دور میں وہ بھی زندہ رہیں گے

ان کا کردار بھی نشانِ راہ اور نشانِ منزل بن کر زندہ رہے گا

ان کی راہ پر چلنے والے بھی زندہ رہیں گے

ان کی روحیں خوش رہیں گی

ان افراد سے جوان کے کردار کو پیش کرتے ہیں

جوان کے جہادِ اکبر کو پیش کرتے ہیں

ارے میدانِ جنگ میں تلوار سے دشمنوں کے ٹکڑے کرنا یہ ان کا جہادِ اصغر تھا

اور رات کی تاریکی میں دوسروں کے لئے آنسو بہانا

اپنے دل میں دوسروں کا درد پیدا کرنا یہ ان کا جہادِ اکبر تھا

تو وہ کیسے مر سکتے ہیں کہ جنہوں نے یہ جہادِ اکبر کیا ہو

پس یہی کردار آپ کو انصارِ حسینی کا نظر آئے گا۔ حسینؑ کا ہر ناصر اپنی طرف سے مطمئن اور دوسروں کی طرف سے پریشان ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امتحان کی سخت گھڑیوں میں یہ ساتھ چھوڑ جائیں لہٰذا ایک دوسرے کا جذبہ بڑھا رہے ہیں۔

خدا کی قسم! عجیب ہے کربلا، کبھی تو غور کریں، کربلا نے بس ایک سبق دیا۔ ایک عظیم سبق دیا اور وہ سبق کیا ہے؟ وہ سبق یہ ہے کہ جو حقیقی حسینی ہوتے ہیں، حالات جتنے بگڑتے چلے جائیں ان کی مردانگی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ان کی شجاعت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ عام حالات میں انھیں مت دیکھنا، جب حالات مشکل ہوتے چلے جائیں، جب ان کو دیکھنا کہ وہ مرد ہیں یا نہیں؟

کربلا نے ایک عظیم درس دیا، حسینؑ کے ناصروں نے اپنے کردار سے بتایا کہ ہم پریشان نہیں تھے۔ اگر پریشان تھے تو اہل بیتؑ کے لئے۔ اگر پریشان تھے تو حسینؑ کے لئے۔ اگر پریشان تھے تو حسینؑ کے بچوں کے لئے۔ اگر پریشان تھے تو آلِ رسولؐ کے لئے، اپنے لئے ہمارا یہ عالم تھا کہ ہم میں سے ہر ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش میں تھا۔

ہم میں سے ہر ایک کا یہی عالم تھا کہ جب میدانِ جنگ میں جاتا تھا تو اس کا چہرہ خوشی سے گل رنگ ہوتا چلا جاتا تھا۔ مشکل حالات میں انصارانِ حسینی نے جس کردار کو پیش کیا وہ یہ ہے کہ جو گھبرا جائے وہ حسینی نہیں بلکہ جو مشکلات میں ڈٹا رہے وہ حسینی ہے۔ اسے کہنے کا حق ہے کہ یَا

لَیْتَنَا کُنَّا مَعَکُمْ فَنَفُوزَ فَوْزاً عَظِیْماً اے کربلا والو! اے کاش میں کربلا میں ہوتا۔ کاش تمہارے ساتھ ہوتا۔ جس عظیم درجے پر تم فائز ہو گئے، ہم بھی فائز ہو جاتے، میں بھی فائز ہو جاتا۔

عزادارو! یہ ہیں انصارِ حسینی کہ جنہوں نے یہ کردار انجام دیا اپنے لئے بے چین نہیں تھے، بلکہ وہ حسینؑ کے لئے بے چین تھے۔

دو محرم کو کربلا میں پہنچ گیا قافلہ۔ حسینؑ نے قافلہ روکا، کچھ دیر ٹھہرے، ابھی جگہ کا نام نہیں معلوم۔ خیر حسینؑ کو معلوم ہے لیکن اہلِ قافلہ پر ظاہر نہیں کیا ہے کہ ہماری منزل آ گئی۔ سوار ہوئے اپنے ذوالجناح پر، ذوالجناح آگے نہیں بڑھا، کہا اچھا دوسری سواری لاؤ، سواری پر بیٹھے، سواری آگے نہیں بڑھی۔ حسینؑ جانتے ہیں لیکن یہی طریقہ ہے ائمہؑ کا، تاکہ حجّت پوری طرح تمام کی جائے۔ جب سات سواریاں بدلیں تو کہا آس پاس میں کوئی آبادی ہے تو بلا کے لاؤ؟ بتایا کہ بنی اسد کا قبیلہ آباد ہے۔ کچھ لوگ اس قبیلے کے آئے پوچھا یہ جگہ کون سی ہے؟ اب بنی اسد کے لوگ بھی جانتے ہیں مگر اصلی نام نہیں بتاتے بلکہ جو نام متروک ہو چکے ہیں وہ نام بتاتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ حسینؑ بھی یہاں ٹھہریں۔ کبھی نینوا کہتے ہیں کبھی ماریہ اور حسینؑ بھی پوچھتے جا رہے ہیں کہ اور کوئی نام بھی ہے اس زمین کا، اور کوئی نام بھی ہے اس زمین کا؟ آخر دبے لفظوں میں کسی نے کہہ دیا کہ فرزندِ رسولؐ اس سرزمین کو کربلا بھی کہتے ہیں۔ بس ابھی اس نے یہ کہا ہی تھا کہ ایک دوسرے فرد نے فوراً کہا لیکن اے فرزندِ رسولؐ آپ یہاں ٹھہریے گا نہیں، آپ یہاں رکیے گا نہیں۔

امام حسینؑ نے سوال کیا کیوں؟ کہنے والے نے کہا اس لئے کہ ہم اپنے بڑوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ اس سرزمین سے کوئی نبیؑ کوئی رسولؑ، کوئی پیغمبرؑ یا نبیؑ کا کوئی وصی یا کوئی نبی زادہ یہاں سے مصیبتیں دیکھے بغیر نہیں گذرا۔ جو بھی اس زمین پر آیا اس نے مصیبتوں کا سامنا کیا۔ ہماری آپؑ سے التجا ہے کہ آپؑ یہاں سے رختِ سفر باندھیے اور یہاں سے کوچ فرمایئے۔ بس حسینؑ نے یہ جملے سنے اور زبان پہ یہ کلمہ جاری ہوا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُون

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف ہمیں پلٹ کے چلے جانا ہے۔

امام حُسینؑ نے فرمایا بس عماریاں اتاردو۔ سامان اتاردو۔ یہیں خیمے نصب کردو۔ اس کے بعد قسم کھا کر کہتے ہیں۔ خدا کی قسم! یہ وہی سرزمین ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ ہماری سواریوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ یہاں ہمارے خیمے نصب ہوں گے۔ یہاں ہم قتل کیے جائیں گے۔ یہاں ہمارے مزار بنیں گے اور روزِ محشر ہم اسی سرزمین سے مبعوث کیے جائیں گے۔ اُتاردو عماریاں، اُتاردو سامان، خیمے لگانے کا حکم دیا۔ اتنے میں فضہ پہنچیں، فرزندِ رسول ثانیٔ زہراؑ یاد فرمارہی ہیں۔ پہنچے ثانیٔ زہراؑ کی عماری کے پاس۔ سلام کے بعد بہن کہتی ہیں۔ بھیا! جتنی جلدی ہو سکے اس سرزمین سے کوچ کریں۔ پوچھا کیوں؟ کہا اس لئے کہ جب سے اس سرزمین پر ہم آئے ہیں۔ میرے دل کو قرار نہیں۔ میرا دل مضطرب ہے۔ میں بے چین ہوں۔ کسی بی بی کے رونے کی صدا آتی ہے اور بھیا! مجھے تو اس سرزمین سے آپ کے خونِ کی بو آرہی ہے۔

اپنی بہن کے یہ جملے سنے حسینؑ نے۔ کہا نہیں بہن اب ہمیں کہیں نہیں جانا۔ ہماری منزل آ گئی زینبؑ۔ یہی وہ زمین ہے جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے۔ بہن کو سمجھا بجھا کر واپس پلٹے۔ بنی اسد کے لوگوں سے کہا زمین ہمیں بیچ دو۔ کہا مولاؑ ہم آپ کو یہ زمین یونہی ہدیہ کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں۔ مجھ سے سودا کرو زمین کا۔ ساٹھ ہزار درہم یا دینار میں زمین کربلا حسینؑ نے خرید لی اور خریدنے کے بعد کہا اچھا ایسا کرو اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بلا لاؤ۔ عورتیں بھی آئیں، بچے بھی آ گئے۔ کہا کہ یہ زمین ہماری ہے مگر تین شرطوں کے ساتھ یہ زمین تمہیں ہدیہ کرتے ہیں۔

پوچھا مولاؑ وہ تین شرطیں کیا ہیں؟ فرمایا! ایک تو اس زمین میں زراعت نہ کرنا کھیتی باڑی نہ کرنا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ کچھ دن کے بعد ہم اس سرزمین پر قتل کر دیئے جائیں گے۔ یہ کوفی اور شامی اپنے لاشے تو دفنا کے چلے جائیں گے مگر ہمارے لاشوں کو بے گور و کفن چھوڑ جائیں گے۔ تم ہماری لاشوں کو دفنا دینا اور ہماری قبروں پر نشان لگا دینا اور تیسری شرط۔ کافی عرصے بعد ہمارے چاہنے والے ہماری قبروں کی زیارت کے لئے آئیں گے جب ہمارے زائرین ہماری قبروں کی

زیارت کے لئے آئیں تو انھیں ہماری قبروں کے نشان بتا دینا اور انھیں تین دن تک مہمان رکھنا۔

عزادارانِ حسینؑ! یہ محبت یک طرفہ تو نہیں ہے ناں؟ آپ ہر سال بلکہ سارا سال حسینؑ کی بارگاہ میں اپنے خون کے نذرانے دیتے ہیں، اپنی جانوں کے نذرانے، اپنے اموال کے نذرانے دیتے ہیں تو حسینؑ نے بھی آپ کے آنے سے پہلے آپ کو یاد رکھا۔ حسینؑ کو بھی معلوم تھا کہ یہ میرے چاہنے والے کیسے ہوں گے؟

یہ میری خاطر قتل ہو جائیں گے۔ یہ میری خاطر بے گناہ مار دیئے جائیں گے۔ یہ میری خاطر اپنے گھر لٹوائیں گے۔ یہ میری خاطر اپنے گھر جلوائیں گے۔ یہ میری خاطر مشکلات و مصائب کا سامنا کریں گے۔

تو اسی لئے حسینؑ نے بھی پہلے مرحلے میں سب سے پہلے آپ کو یاد کیا۔ دیکھو! اے بنی اسد میرے زائرین آئیں گے۔ میرے چاہنے والے آئیں گے، انھیں ہماری قبروں کے نشان دکھانا اور تین روز تک انھیں مہمان رکھنا۔

قبیلہ بنی اسد کے لوگوں نے تینوں شرطیں قبول کر لیں۔ پھر اس کے بعد کہا سنو! اہل ظلم کے مظالم سے کہیں خوف زدہ مت ہو جانا۔ جب کوفیوں اور شامیوں کا لشکر چلا جائے تو ہماری لاشوں کو دفنا ضرور دینا لیکن حسینؑ کو اطمینان نہیں ہوا۔ ان کی عورتوں سے کہا کہ بی بیو! اگر ابنِ زیاد کے خوف سے تمہارے مرد یہ کام انجام نہ دے سکیں تو تم چادریں اوڑھ کر آ جانا اور ہماری لاشوں کو دفنا دینا۔ عورتوں نے بھی اقرار کیا۔ پھر بھی اطمینان نہیں ہوا اس لئے کہ مبادا مظالم کا سلسلہ مردوں اور عورتوں کو اس فریضے کی ادائیگی سے روک دے۔ حسینؑ نے بنی اسد کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بلایا اور کہا کہ اے پیارے بچو! دیکھو تمہارے ماں باپ، یہ تمہارے قبیلے کے مرد اور عورتیں اگر ڈر اور خوف کی وجہ سے ہمیں دفنا نہ سکیں تو تم تو بچے ہو ناں بس کھیلتے کھیلتے آ جانا، اپنے ننھے ننھے ہاتھوں میں مٹی اُٹھا کر ہمارے بے گور و کفن لاشوں پر ڈال دینا۔ بچوں سے بھی اقرار لیا۔

بس عزادارانِ حسینؑ! وہ موقع آ گیا بارہ محرم کو جب کربلا کا میدان خالی ہو گیا۔ بنی اسد کے

مردوں نے جن کی آنکھوں کے سامنے واقعہ کربلا ہوا تھا ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی تھی کہ وہ گھر سے نکلنے کو تیار نہیں تھے۔ عورتیں جمع ہوئیں اور حسینؑ سے کیے ہوئے وعدے کو یاد کیا اور اپنے مردوں سے کہا کہ دیکھو! تم نے فرزندِ زہراؑ سے وعدہ کیا ہے۔ ارے ان کے لاشوں کو تو دفناؤ۔ مردوں نے کہا تم بھی گھر میں بیٹھ جاؤ ابھی دیکھا نہیں کہ کیا ہوا ہے دو روز پہلے؟ نہیں ہم میں ہمت نہیں ہے۔ وہ عورتیں مایوس ہو گئیں مردوں سے۔ اپنے بچوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ اے بچو! تم نے بھی تو وعدہ کیا تھا حسینؑ سے، چلو ہمارے ساتھ ہم چلتے ہیں اور ان لاشوں کو دفناتے ہیں۔

پس ان عورتوں اور بچوں نے کدال اور بیلچے لئے اور چل پڑے گنجِ شہیداں کی طرف۔ عورتوں اور بچوں کو حسینؑ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے پر آمادہ دیکھ کر مردوں کی غیرت جاگی۔ سب نکلے اپنی عورتوں کے سروں پہ چادریں ڈالیں اور کہا بیٹھ جاؤ۔ ابنِ زیاد کے سپاہیوں کے ہاتھوں موت بھی بہتر ہے، اس ذلت سے کہ ہماری زندگی میں ہماری عورتیں باہر نکل آئیں۔ اے بنی اسد کے لوگو! ذرا سیدِ سجادؑ سے تو پوچھو کہ عصر عاشور سیّد سجادؑ پر کیا گزری؟

عزادارانِ حسینؑ! دفن کر دیا بنی اسد کے لوگوں نے شہداء کی لاشوں کو۔ آج تک جب کربلا میں عاشور کا سورج ڈھلنے لگتا ہے، سورج غروب ہونے لگتا ہے تو حرمِ ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے سامنے والی سڑک سے نعرے لگاتا ہوا ایک قافلہ نمودار ہوتا ہے۔ آگے آگے مرد پیچھے پیچھے عورتیں اور سب سے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے، سروں سے کفن باندھے ہاتھوں میں کدال اور بیلچے لئے آوازیں دیتے ہوئے۔ اے حسینؑ کہاں ہے، اے حسینؑ کہاں ہے؟ اے فرزندِ رسولؐ کہاں ہے؟ اے فرزندِ بوترابؑ کہاں ہے؟ اے فرزندِ زہراؑ کہاں ہے؟

دیکھ ہم آئے ہیں اپنا وعدہ پورا کرنے۔

أَلا لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

تیسری مجلس

أعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلىٰ

أشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلىٰ اَعْدَائِهِمْ أجْمَعِينَ مِنَ ألآنَ اِلىٰ قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أللّٰهِ ألرَّحْمٰنِ ألرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

اور وہ پروردگار جس نے ہر شے کو حُسن کے ساتھ خلق کیا اور انسان کی خلقت کی ابتدا مٹی سے کی، انبیاءؑ آتے رہے، پیغمبرؑ آتے رہے، رسولؑ آتے رہے اور پیغام الٰہی آگے بڑھتا رہا۔ دین ایک ہی تھا یعنی اسلام۔ جنابِ نوحؑ بھی یہی دین لے کے آئے۔ جنابِ ابراہیمؑ بھی یہی دین

لے کر آئے۔ جنابِ موسیٰؑ اور جنابِ عیسیٰؑ بھی یہی دین لائے۔ غرض جتنے بھی انبیاءؑ ہیں، وہ سب کے سب اسلام ہی لے کے آئے اور کوئی دین لے کے نہیں آئے۔ ایک ہی شریعت تھی فرق صرف اتنا تھا کہ مصلحتِ زمان و مکان کے مطابق کچھ احکام میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ اس کا سبب اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جوں جوں ذہنِ انسانی ترقی کر رہا تھا، انسانی معاشرہ آگے بڑھ رہا تھا، انسان ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا تو کچھ احکام اُس حساب سے تبدیل ہوئے۔

الٰہی دین یعنی اسلام میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، سب انبیاءؑ اُسی کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اسی کی تکمیل کے لئے کام کرتے رہے کیوں کہ انسان عالمِ کمال سے آیا ہے۔ وہ عالمِ ناقص سے نہیں آیا جس عالم سے انسان آیا ہے وہ عالم کیسا ہے؟ وہ عالم کمال ہے، مکمل ایک زمانہ ہے، وہ ایک مکمل عالم ہے جہاں سے انسان آیا ہے اور قرآن نے بھی یہی کہا ہے کہ جس عالم سے تم آئے ہو تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن بے شک ہم اللہ ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی عالمِ کمال کی طرف واپس جانا ہے۔ اپنے کمال کے یہ مرحلے ہمیں طے کرنا ہیں تو جس نے اپنی خلقت کے مقصد کو سمجھ لیا اور کمال کی منزلیں طے کرتا چلا گیا، کمال کی راہوں کی طرف بڑھتا رہا، تو وہ سعادت مند ہوا، کامیاب ہوا اور فلاح پا گیا یعنی اسی عالمِ کمال کی طرف اپنے آپ کو لے گیا اور جو اس میں ناکام رہا تو بقول قرآن ان میں سے اکثر گویا جہنم کے لئے خلق کیے گئے۔ کیوں؟ اکثر جہنم کے لئے خلق کیے گئے۔ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْراً مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ (الاعراف ۱۷۹)

اب دیکھیے وجہ بتائی کہ جن و انسان میں سے اکثر کو گویا جہنم کے لئے خلق کیا، یہ کیا بات ہوئی؟ آگے وجہ بھی بتائی ہے کہ ایسا کیوں ہے لَھُمْ قُلُوبٌ لَّایَفْقَھُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ اَعْیُنٌ لَّایُبْصِرُوْنَ بِھَا وَ لَھُمْ آذَانٌ لَّایَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (الاعراف ۱۷۹) وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس دل ہے مگر سمجھتے نہیں۔ دیکھئے! وہ پہلے والی بات جو

کل یا پرسوں میں نے عرض کی تھی یہاں بھی وہی تذکرہ ہے کہ ان لوگوں کے پاس دل ہے مگر یہ دل سے سوچنے کا کام ہی نہیں لیتے، سمجھنے کا کام ہی نہیں لیتے۔ تو یہاں بھی دل کا ہی تذکرہ کیا گیا ہے عقل کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ اکثریت وہاں جائے گی، کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے انھیں دل دیا ہے مگر یہ پھر بھی نہیں سمجھتے۔ ہم نے انھیں آنکھیں دیں ہیں مگر یہ پھر بھی نہیں دیکھتے۔ ہم نے انھیں کان دیئے ہیں پھر بھی نہیں سنتے۔ یہ بالکل چوپائیوں کی طرح ہیں۔ یہ بالکل حیوانوں کی طرح ہیں۔ یہ بالکل جانوروں کی طرح ہیں۔ اسی لئے تو جانوروں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے خبر ہیں، جانوروں سے بھی پست۔ اگر مولائے کائناتؑ کا وہ قول جو میں نے بیان کیا تھا آپ کے ذہنوں میں موجود ہو کہ یہ جانوروں سے بھی پست ہیں یعنی اس فطرت کو وہ جو اعلیٰ فطرت ہے، وہ احسنِ تقویم جس پر اس انسان کو خلق کیا تھا، نفس کی وہ اعلیٰ منزل جس پر اسے خلق کیا اس کو کام میں ہی نہیں لایا بلکہ پستی کا غلام بنتا چلا گیا۔ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الاعراف ۱۷۹)

انسان جانوروں سے بھی زیادہ بے خبر ہے۔ یہ ان سے بھی بڑھ کر گمراہی کے درجے پر ہے۔ جانوروں سے بدتر ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے اتنی اعلیٰ چیزیں سوچنے اور سمجھنے کے لئے اس کو دی ہیں۔ دو وجود ہیں انسان کے، ایک انسانی وجود، ایک حیوانی وجود۔ حیوانی وجود کیا ہے؟ اس کی کھانے کی خواہش، اس کی پہننے کی خواہش، مکان کی خواہش، مختلف خواہشات۔ خدا نے ہی دی ہیں۔ پروردگار ہی نے دی ہیں۔ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا (الشمس ۷، ۸)

اور اس کی قسم! جس نے نفس کو مساوی قرار دیا۔ جس نے نفس کو خلق کیا، نفس بنانے والے کی، اس کو مساوی کرنے والے کی قسم، فَاَلْهَمَهَا (الشمس ۷، ۸) اور پھر اس نفس کو الہام کیا، فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس ۷، ۸) پاکیزگی کا بھی الہام کیا اور فسق و فجور کا بھی یعنی اگر لفظی ترجمہ کریں تو اس کو برائیاں بھی سکھائیں اور اس کو اچھائیاں بھی سکھائیں۔ تو پروردگار! سب چیزیں تو، تو نے خود سکھا دیں، برائیاں بھی تو نے سکھا دیں۔ اگر تو نے الہام نہ کیا ہوتا تو ہم برائیاں

کرتے ہی نہیں۔ہم فسق وفجور کی طرف جاتے ہی نہیں۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰيهَا (الشمس ۷،۸) پھر تو نے نفس کو فجور بھی سکھا دیا، جب خود تو نے سکھا دیا تو حساب وکتاب کیسا؟ تو نے ہی تو سکھائی ہے برائی ؟ اگر لفظی پیرائے میں جائیں گے تو آیت کا ظاہری مفہوم یہی لگتا ہے۔

اگر لفظی مفہوم کو دیکھیں گے تو آیت کا یہی مفہوم ہے کہ انسان کے دو وجود ہیں۔آیت ذہن میں رکھئے، اب آیت کو پھیلاتے ہیں۔ایک انسانی وجود، ایک حیوانی وجود تو یہ حیوانی وجود بھی پروردگار نے ہی دیا۔میرے بھائی ! یہ اس لئے دیا کہ یہی اُخروی زندگی کا مقصد ہے، اُخروی زندگی تک پہنچنے کا مقدمہ ہے، تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم حیوانی وجود پر تکیہ کر کے بیٹھ جاؤ۔اس نے کہاں کہا تھا کہ صرف دنیا ہی میں مشغول ہو جاؤ؟

مولائے متقیان علی ابنِ ابی طالبؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ خسارے میں ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو دنیا میں مشغول کرلیا۔خسارے میں ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پست کرلیا یعنی پست کاموں کی طرف راغب کرلیا۔اے انسان! اپنے نفس کو پست کاموں سے روک لے اور اپنے نفس کو پست کاموں میں مشغول نہ کر اگر چہ تیری رغبت ان امور کی طرف ہے، ان کاموں کا ترے دل میں لالچ ہے مگر ایسا نہ کر اس لئے کہ تجھے ان کاموں کا کوئی اچھا عوض ملنے والا نہیں ہے۔خدا نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے، خدا نے تجھے آزاد خلق کیا ہے، تو نے اپنے آپ کو اپنے نفس کا ہی غلام بنا دیا جب کہ خدا نے تو تجھے آزاد خلق کیا تھا۔

پھر امیر المومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں وہ خیر، خیر نہیں جو شر کے وسیلے سے حاصل کی جائے اور انسان کسی اچھی منزل تک پہنچنے کے لئے برائی کا راستہ اختیار کرے۔تاریخ اسلام بھری ہوئی ہے ایسی ''اچھائیوں'' سے کہ جنہیں شر کے ذریعے حاصل کیا گیا۔نتیجہ کیا نکلا؟ کہا کہ نتیجہ خیر نہیں ہوگا اس خیر کا جو برائی کے ذریعے حاصل کی جائے اس کا نتیجہ بھی بھیانک ہی نکلے گا، اس کا نتیجہ بھی خطرناک نکلے گا۔ایک اچھے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے، اچھے نظام کو چلانے کے لئے، اچھی حکومت بنانے کے لئے اگر کسی دنیاوی مکر وفریب سے کام لیا گیا، امام علیہ السلام کا اشارہ کس

طرف ہے؟ تو یہ سب مت سمجھنا جو تم سوچ کر بیٹھے ہو کہ اس مکر و فریب کے ذریعے ایک بار اگر ہمیں یہ سب کچھ مل بھی گیا تو ہم اچھائی ہی اچھائی پھیلا دیں گے، یہ تو انھوں نے بھی سوچا تھا جنہوں نے مسندِ اقتدار پر اوائل میں قبضہ کیا تھا لیکن نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ انتشار ہی انتشار، انتشار ہی انتشار کیوں کہ جب ابتدا ہی شر کے ذریعے کر دی جائے۔ تو شر کے نتیجے میں خیر کیسے برآمد ہو سکتی ہے؟

دیکھئے! ایک درس جو معصومینؑ کی زندگی نے انسانوں کو دیا۔ وہ درس کیا دیا کہ وہ راستہ دیکھو جو خدا نے تمہارے لئے معین کیا ہے۔ اس نفس کو تمہارا غلام بنایا تمہیں نفس کا غلام نہیں بنایا۔ اگر تم اس نفس کی مہار کو تھامے رہو گے تو تم ارتقائی منزلیں طے کرتے چلے جاؤ گے اور اگر حیوانی وجود کو ترقی دو گے تو تمہیں دنیاوی ترقی تو مل جائے گی لیکن تمہارا کردار نہیں بن پائے گا۔ تمہارا حقیقی انسانی کردار سامنے نہیں آ پائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے دنیاوی ترقی کو ہی سب کچھ سمجھ لیا، جس نے حیوانی وجود کو ارتقاً بخشا، جو اپنے حیوانی وجود کو بڑھاتا چلا گیا۔ اس نے اسی وجود کی ترقی کو اپنی ترقی سمجھا کہ حیوانی وجود جتنی ترقی پاتا چلا جائے، جو کچھ بھی ہے مجھے ملتا چلا جائے، جتنے اچھے منصب ہیں مجھے ملتے چلے جائیں، جتنے بڑے مقام ہیں مجھے ملتے چلے جائیں یعنی حیوانی وجود کو ترقی دیتا چلا گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں تو کچھ دن آرام سے اس نے گزار لئے مگر مرنے کے بعد اُخروی فائدوں کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھا۔

یہ مولاؑ کا قول ہے کہ جس نے ایسا کیا یعنی جو حیوانی زندگی میں مشغول ہو گیا، جس نے فقط حیوانی خواہشات کا اتباع کیا تو اس نے کیا کیا؟ اُخروی فوائد کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا، اپنے ہاتھ سے گنوا بیٹھا، اُسے کچھ نہ ملا۔ پس دنیا میں کچھ دن اطمینان یا آرام سے رہا لیکن اگر اس دوران وہ اپنے انسانی وجود کو ترقی دیتا، اگر اپنی انسانیت کو آگے بڑھاتا، اگر انسانیت کو سامنے لاتا تو چاہے وہ دنیا سے نقصان اُٹھا کر ہی چلا جاتا، چاہے وہ دنیاوی طور پر دنیا والوں کی نظر میں ناکام ہو کر ہی چلا جاتا لیکن اس کے بعد قیامت تک اس کی انسانیت کے درس آنے والے انسانوں کے لئے مشعلِ

راہ بنے رہتے۔ وہ جو دنیاوی طور پر کامیاب ہوئے وہ کوئی ایسی چیز کوئی ایسی میراث چھوڑ کر نہیں گئے کہ جو انسانوں کے کام آتی سوائے اپنے جاہ وجلال، جنگ وجدال اور اپنی فتوحات کے کارناموں کے جن سے انسانیت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا۔ سوائے اپنی حکومت کے آثار، سوائے اپنے محلات کے کھنڈرات، اس کے سوا کچھ اور چھوڑ کر نہیں گئے۔ اس سے انسانیت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچنے والا سوائے کچھ ضروری معلومات کے لیکن جو انسانیت کی میراث چھوڑ کر گئے، جو کردار چھوڑ کر گئے، جنہوں نے انسانی وجود کو جلا بخشی، جنہوں نے کردار کی تربیت کی، تو وہ اگر چلے بھی جائیں تو حقیقت میں وہ گئے نہیں، جیسے وہ اپنی ظاہری زندگی میں لوگوں کے درمیان موجود تھے۔ آج ان کی تعلیمات انسانوں کے درمیان موجود ہیں۔

آپ مطالعہ کر لیجیے، جتنا خزینہ تربیت کا معصومینؑ نے چھوڑا، چودہ سو سال کی پوری تاریخ میں نہیں، چودہ ہزار مشہور افراد کو، علماً کو فقہا کو جمع کر لیا جائے اور بھی بڑی بڑی ہستیوں کو جمع کر لیا جائے تو انسانی تربیت کا وہ خزینہ نہیں ملے گا، سوائے فتوحات اور کارناموں کے لیکن انسانی تربیت کا خزانہ یہاں سے ملے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ معصومینؑ نے کردار کی طرف توجہ دی۔

اب آتا ہوں اس آیت کی طرف جس کی میں نے تلاوت کی تھی۔ بس وہ سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ پروردگار یہ جو تو نے ارشاد فرمایا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰيهَا (الشمس ۷، ۸) اور کتنی جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ (الجمعہ ۵) پروردگار ظلم کرنے والوں کو، ظالمین کو ہدایت ہی نہیں کرتا۔ خدا کی مرضی کے بغیر انھیں ہدایت ہی نہیں مل سکتی، خدا چاہتا ہی نہیں کہ ان کی ہدایت ہو۔

اس قسم کی آیات بھی موجود ہیں تو پروردگار! جب تو یہ نہیں چاہتا اور تو نے اکثریت کو خلق ہی جہنم کے لئے کر دیا ہے۔ جب تیری رضا ہی نہیں کہ یہ ہدایت پائیں تو پھر یہ جزاء وسزا کیسی؟ پھر یہ حساب وکتاب کیسا؟ تو نے خود تو دو وجود دے دیئے، ایک انسانی وجود، ایک حیوانی وجود۔ جب تو نے نفس کو دونوں چیزوں کی تعلیم دے دی، الہام کر دیا، اتار دیا ان کے دل میں، برائیوں کو بھی

اوراچھائیوں کو بھی، تو پھر یہ جزاءوسزا کیسی؟

یہ ہے آیت کا ظاہری مفہوم۔ اب آجایئے قرآن ہی میں اس کا جواب موجود ہے۔ اگر انسان توجہ کرے۔ اللہ جہنم میں اپنی مرضی کے تحت بھیجے گا؟ نہیں جہنم کا راستہ بھی خود انسان نے اختیار کیا۔ اپنی مرضی سے انسان جہنم میں جائے گا، اپنی مرضی سے انسان دوزخ میں جائے گا اور اپنی مرضی سے ہی جنت میں جائے گا۔ ہم نے الہام کیا۔ کیا مطلب ہے الہام کرنے کا؟ آیئے سورۂ دہر میں دیکھتے ہیں۔

سورۂ دہر کا آغاز اس طرح سے ہوا۔ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئاً مَّذْكُوراً اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعاً بَصِيْراً اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِراً وَّاِمَّا كَفُوْراً (الدھر ۱، ۳)

کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں گزرا کہ جب وہ ایک قابل ذکر وجود نہ تھا، ہم نے اُسے ایک حقیر پانی سے وجود بخشا، اُسے سماعت دی، اسے بصارت دی۔ یہاں بھی سماعت اور بصارت کا ذکر ہے۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الدھر ۳)

اب دیکھئے یہاں ہدایت کا لفظ، وہاں الہام کا۔ الہام کے معنی کیا ہیں؟ الہام اور وحی میں فرق ہے کہ وحی فرشتے کے ذریعے سے آتی ہے، وحی نازل ہوتی ہے اور الہام دل میں خود بخود کسی مطلب کا پیدا ہو جانا ہے۔ خود بخود دل میں کسی خیال کا آجانا ہے، کہتے نہیں ہیں کہ صاحب الہام ہوگیا۔ حالانکہ مجازی طور پر ہی کہا جاتا ہے لیکن مفہوم یہی ہے۔ الہام وہ چیز ہے کہ پروردگار خود بخود دل میں اُتار دیتا ہے۔ جیسے قرآن میں تذکرہ ہے کہ شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ کس طرح سے پھولوں سے رس حاصل کرے؟ کس طرح اپنا گھر بنائے؟ جانوروں کو الہام کیا گیا کہ وہ کیسے اپنی زندگی گزاریں؟ کہا اس نفس کو بھی ہم نے الہام کیا یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ یہ فجور ہے، یہ فسق ہے لیکن اس سے پہلے وہی سورۂ دہر هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ

یَکُنْ شَیْئاً مَذْکُورَا اِنَّا خَلَقْنَا الاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أمْشَاجٍ نَبْتَلِیهِ فَجْعَلنٰهُ سَمِیعاً بَصِیْرا اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَبِیْلَ اِمَّا شَاکِراً واِمَّا کَفُورَا (الدھر ۱، ۳)

ہم نے خلق کرنے کے بعد، سماعت دینے کے بعد، بصارت دینے کے بعد، یہ دل دینے کے بعد ایسے ہی نہیں چھوڑا، ہم نے راستے کی طرف ہدایت بھی کردی تھی۔ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ (الدھر ۳)

ہم نے ہدایت کی اس راستے کی طرف کہ حق کا راستہ کون سا ہے؟ ہم نے راستہ دکھادیا یعنی وہی الہام کے معنی۔ ہم نے اچھائی بھی بتادی، ہم نے برائی بھی بتادی۔

دو قسم کی ہیں اچھائیاں اور برائیاں۔ الہام اور ہدایت میں فرق کیا ہے؟ ایک طرف تو قرآن کہہ رہا ہے کہ ہم نے الہام کیا، دوسری طرف قرآن کہہ رہا ہے ہم نے ہدایت کی۔ ہدایت یعنی نبیؐ کے ذریعے، رسولؐ کے ذریعے، امامؑ کے ذریعے۔ ایک جگہ کہہ رہا ہے ہم نے خود الہام کیا۔ پس آج یہ مطلب آپ تک میں نے پہنچادیا۔ میں کامیاب ہوگیا۔ ایک طرف کہتا ہے الہام کیا، ایک طرف کہتا ہے ہدایت کی۔

تو دیکھئے! برائیاں بھی دو قسم کی ہیں اور اچھائیاں بھی دو قسم کی ہیں۔ کچھ برائیاں ایسی ہیں کہ جن کی اصلاح کے لئے نہ نبی کی ضرورت، نہ پیغمبر کی ضرورت، نہ رسول کی ضرورت، نہ امام کی ضرورت۔ وہ کیسے؟ وہ قومیں بھی تو ہیں جو رسولوں کو بھی نہیں مانتیں، جو خدا کو بھی نہیں مانتیں، جو امام کو بھی نہیں مانتیں۔ مجھے بتایئے کہ ان کے پاس کچھ قوانین ہیں کہ نہیں؟ یہ اچھا ہے اور یہ بُرا؟ یہ جرم ہے اور یہ جرم نہیں ہے، یہ نیکی کا کام ہے اور یہ بدی کا کام۔ تو وہ الہامی اچھائیاں اور برائیاں جن کی طرف پروردگار اشارہ کررہا ہے تم مجھے مانو یا نہ مانو یہ تمہارے نفس نے جو فیصلہ کیا کہ کسی کا مال لوٹنا جرم ہے۔ یہ تمہارے نفس نے جو فیصلہ کیا ہے کہ کسی انسان کی مدد کرنا اچھائی اور نیکی ہے۔ ابھی چھوڑو ثواب اور جزاء کو، ثواب اور عقاب کو چھوڑو۔ جزاء اور سزا کو چھوڑو، یہ تم نے خوب دیکھا ہے ہر جگہ، جہاں لوگ خدا کو نہیں مانتے، رسولؐ کو نہیں مانتے اور اسلام کو بھی نہیں مانتے لیکن

اچھائیاں اور برائیاں مشترک ہیں پوری دنیا میں، سارے انسان یہ جانتے ہیں کہ یہ برائیاں ہیں اور یہ اچھائیاں۔ وہ برائیاں اور اچھائیاں جو پروردگار نے نفس انسانی کو الہام کیں۔

یہ مطلب ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰيهَا (الشمس ۷، ۸) ہم نے نفس کو خلق کیا۔ نفس کی قسم، اور اس کے بنانے والے کی قسم !اور پھر اس نفس کو الہام کیا، برائیوں کا بھی اور اچھائیوں کا بھی۔ تو یہ الہامی کیفیت کہ جس کے لئے بیرونی ہدایت کی بھی کوئی ضرورت نہیں یعنی یہ وہ داخلی ہدایت ہے جسے تمہارا نفس بھی پہچانتا ہے۔ بعض اچھائیوں کو اور بعض برائیوں کو۔ تم خدا کو مانو یا نہ مانو تو بعض چیزوں کے لئے انسان نے خود فیصلہ کیا کہ یہ اچھا ہے، یہ بُرا ہے۔ یہ وہ الہامی کیفیت ہے، وہ الہامی قوانین ہیں جو پورے انسانی معاشرے میں یکساں ہیں۔ جس کے لئے نبی، پیغمبر، رسول اور امام، بظاہر ان میں سے کسی کی بھی ضرورت نہیں اور وہ جو بات کی گئی ہدایت کی، ان راستوں پر کیسے چلا جائے؟ ان برائیوں سے کیسے بچا جائے؟

عبادات اور انسان کی خدمت کرنے کے طریقے جو پیغمبروں کے ذریعے سے، انبیاءؑ کے ذریعے سے، رسولوں کے ذریعے سے تمہارے نفس کو الہام کیے تھے، اس نفس کی مہار تھامنے کے لئے، اس نفس کی لگام تھامنے کے لئے اور پیغمبرؑ، انبیاءؑ اور رسولؑ اسی لئے آتے رہے کہ تمہیں بتاتے رہیں کہ کس طرح تم اپنے اس نفسِ امارہ پہ قابو پا کے انسان بن سکتے ہو؟ یعنی وہ طریقہ اور راستہ بتانے کے لئے کہ تمہیں پتا تو چل سکے کہ اچھائی کیا ہے اور برائی کیا اور کیسے اپنے آپ کو برائی سے روکو؟ اور کیسے اچھائی کے راستے پر گامزن ہو جاؤ؟ یہ راستہ بتانے کے لئے، یہ طریقہ بتانے کے لئے اور یہ طریقہ سمجھانے کے لئے پیغمبروں کی تمہیں ضرورت ہے، انبیاءؑ کی تمہیں ضرورت ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ انسان کیسے ہی قوانین بنا لیتا؟

انسان کتنی ہی اچھائیوں اور برائیوں کی تقسیم کر دیتا؟

لیکن آخر انسان تھا وہ جو قوانین بھی بناتا۔ اپنی مرضی، اپنے دور، اپنے زمانے، اپنے حالات، اپنی قوم اور اپنے قبیلے کو پیشِ نظر رکھ کے بناتا۔ نہ پورا ماضی اس کے سامنے، نہ پورا

مستقبل اس کے روبرو۔

تو پروردگار نے اسی لئے عصمت کے درجے پر فائز کر کے انبیاءؑ کو بھیجا، پیغمبروں کو بھیجا، اماموں کو بھیجا کہ یہ ایسے درجے پر فائز ہیں کہ ان کا ہر فعل تمہارے لئے اُسوۂ حسنہ بن جائے گا۔

مجھے بتایئے کہ ہم عام انسان کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کریں یا اُن ہستیوں کی پیروی کریں جنہیں پروردگار نے عصمت کے درجے پر فائز کیا اور جن کا ہر ہر عمل سیرت کہلایا، اُسوۂ حسنہ کہلایا؟

فتحِ مکّہ سے آغاز کریں اور چلتے چلے جائیں۔ایک سرسری سی نظر معصومینؑ کی زندگی پر ڈالیں۔۸ہجری میں مسلمانوں نے فتحِ مکّہ کے لیے محاصرہ کرلیا۔رات گذری، صبح ہوئی لشکر داخل کرنے کا حکم ہوا کہ لشکر داخل ہو جائے مکّہ میں۔جس صحابی کو علم دیا ہوا تھا وہ نعرہ لگاتا ہوا چلا کہ

آج کا دن انتقام کا دن ہے

آج کا دن بدلے کا دن ہے

رسولؐ نے حکم دیا کہ اس کو واپس بلالو۔اسے واپس بلالو۔

دیکھئے! تاریخ ایک طرف ہے اور انسانیت ایک طرف ہے

رسولؐ نے انسانیت کو آگے بڑھایا تھا ملوکیت کو نہیں

رسولؐ نے دلوں کو فتح کرنے کا طریقہ سیکھایا تھا گردنوں کو نہیں

کہا واپس بلالو

اور پھر وہی بات کہ اپنے میں سے کوئی ہوگا تو سمجھے گا کہ آج کیا نعرہ لگانا ہے؟

جو اس منزل پر ہوگا وہ مزاجِ رسالت کو سمجھے گا

مزاجِ مشیت کو سمجھے گا؟

دیکھا چاروں طرف کہا علیؑ کو بلاؤ

علیؑ کے ہاتھ میں پرچم دیا کہ جاؤ

کچھ کہا نہیں آپ آگے جائیں گے باقی لشکر پیچھے

جیسے ہی علیؑ کے ہاتھ میں پرچم آیا علیؑ سمجھ گئے کہ رسولؐ نے مجھے علم کیوں دیا ہے؟

پس علیؑ جب مکّہ کی طرف پہاڑ سے اُترے تو زبان پہ یہ جملہ ہے

اَلْیَوْم یَوْمُ الْمَرْحَمَة

آج کا دن رحمت کا دن ہے

آج کا دن رحم وکرم کا دن ہے

آج بخشش کا دن ہے

آج معافی کا دن ہے

مگر مجھے بتایئے کہ ہاشمیوں سے زیادہ

خاندانِ ابوطالبؑ سے زیادہ

علیؑ سے زیادہ

مکّہ والوں نے کسی اور سے دشمنی کی تھی؟

ایسی دشمنی کہ آج تک نکالی جارہی ہے؟

لیکن نہیں، علیؑ یہ بتارہے ہیں کہ مجھے عام انسان مت سمجھنا

میں تو انسان ساز ہوں

میں عام انسان نہیں

میں انسان سازی کے لئے آیا ہوں

میں انسان بنانے کے لئے آیا ہوں کہ

جب انتقام کی پوری قوت میرے ہاتھ میں آجائے

تب دیکھنا کہ میں کیسا انسان ساز ہوں؟

میں کیسا انسان بنانے والا ہوں؟

تو مکّہ والے جو یہ سمجھ رہے تھے کہ اب جو علم علیؑ کے ہاتھ میں دے دیا گیا تو اب تو اور زیادہ سختی ہوگی۔ وہ یہ جملہ سن کر ''اَلْیَوْم یَوْمُ الْمَرْحَمَة'' آج رحم وکرم کا دن ہے، آج رحمت کا دن ہے، آج بخشش کا دن ہے، حیران تھے۔

اب رسولؐ پہنچے اور مکّہ والوں کو جمع کیا۔ یہ آٹھ سال اور وہ تیرہ سال جو پہلے گزار دیئے۔ مکّے والوں نے اکیس سال رسولؐ کی زندگی اجیرن کیے رکھی۔ رسولؐ کے لئے سوائے مشکلات کے اور کچھ چیز سامنے نہ لاتے۔ مسائل، مصیبتیں، جنگیں، ہجرت، فسادات غرض ہر قسم کے نقصانات، سوشل بائیکاٹ یہ سب کچھ ہوا کہ نہیں؟ اقتصادی ناکہ بندی، ہر قسم کا ظلم رسولؐ پر اور رسولؐ کا ساتھ دینے والوں پر، اب رسولؐ نے سب کو جمع کیا اور خود ایک اُونچی جگہ پر کھڑے ہوئے اور کھڑے ہونے کے بعد کہا کہ بتاؤ آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ اب مکّہ والوں کی نگاہوں میں سارے مظالم گھوم گئے ہوں گے کہ نہیں؟ سب مظالم ان کی نظروں میں گھوم گئے کہ کون سا ظلم تھا جو ہم نے نہیں کیا لیکن مکّہ والے بھی جانتے ہیں کہ یہ کون ہے؟ ارے پہچانتے سب تھے، مانتے نہیں تھے، جیسے آج بھی بغض وعناد کی انتہا تو دیکھئے! صبح وشام آپ کے سامنے یہ چیزیں آتی ہیں کہ جانتے سب ہیں مگر اقرار نہیں کرتے، اعلان نہیں کرتے۔ خود بھی جانتے ہیں کہ عمداً تحریف کر رہے ہیں لیکن کرتے ہیں۔ تو بس یہ بھی ایک روش ہے چل رہی ہے کیا کیا جائے؟

اب کیا کیا مکّہ والوں نے کہ پہچانتے تھے، جانتے تھے، مانتے نہیں تھے۔ آج مجبور ہو گئے کہ مانو، اعلان بھی کرو، اقرار بھی کرلو کیونکہ جان بھی بچانی ہے، مال بھی بچانا ہے۔ تو رسولؐ نے جونہی یہ جملے ادا کیے تو خود کہنے لگے۔ اے خدا کے رسولؐ! آپؐ کے ہاتھ میں اختیار ہے۔ آپؐ جو چاہیں ہمارے ساتھ سلوک کریں لیکن آپ کریمؐ ہیں، آپؐ مہربان ہیں، آپؐ صادق ہیں، آپؐ امین ہیں۔ ہم آپؐ سے سوائے کرامت، شفقت اور مہربانی کے کوئی توقع نہیں رکھتے۔ اگر اتنا اعتماد نہ ہوتا، اتنا یقین نہیں ہوتا تو یہ جملے ادا ہی نہیں کرتے۔ اگر اتنا اعتماد نہ ہوتا، اتنا یقین نہیں ہوتا تو یہ جملے ہی ادا نہیں ہوتے اور رسولؐ نے بھی جملے سنے اور مسکرا کر کہا

جاؤ تمہیں آزاد کر دیا

ہاں جاؤ! تمہیں آزاد کر دیا

آپ دیکھئے! اس میں بھی ایک لطیف نکتہ ہے ''طلقاء'' کسے کہا جاتا ہے؟ یہ جملہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کسی کو قبضے میں لے کر آزاد کیا جائے یعنی کوئی غلامی میں آ گیا پھر اُسے آزاد کر دیا جائے۔ اسی لئے علیؑ نے بھی اور حسنؑ و حسینؑ نے بھی کتنی ہی جگہوں پر یہ جملہ استعمال کیا۔

ارے ہمارے آزاد کردہ لوگوں کی اولاد دو!

آپ کی سمجھ میں آیا کیوں یہ جملہ کہا گیا؟ اے آزاد کردہ لوگوں کی اولاد دو! کئی جگہ کچھ ظالمین کو اس خطاب سے نوازا تھا اور ایک واقعہ تو بہت مشہور ہے میں نقل کرنا نہیں چاہتا۔ یہ میرا موضوع نہیں ہے۔

رسولؐ نے بتایا کہ میں تم پر ظلم و ستم ڈھانے کے لئے نہیں آیا، زمین وسیع کرنے کے لئے نہیں آیا۔ میں تو اپنے اس کردار سے تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ دیکھو! انسان کو کس لئے خلق کیا گیا ہے۔ میں تمہیں انسان بنانے آیا ہوں مگر جانتا ہوں کہ تم آیاتِ الٰہی کو حفظ تو کر لو گے مگر وہ آیات تمہارے حلق سے نیچے ہی نہ اُتریں گی۔

میں اس لئے نہیں آیا کہ تم رٹہ لگا لو مگر تمہاری سمجھ میں ہی کچھ نہ آئے۔ حلق سے نیچے اُترنے کی بات کی تھی مولاؑ نے یعنی دل میں اُترنے کی بات۔ حلق سے اُوپر جانے کی بات نہیں کی تھی حالانکہ دماغ اوپر دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں عقل برتر ہے۔ وہ ہے کہ نہیں۔ یہ الگ بحث ہے لیکن کہا یہی جاتا ہے کہ عقل یہاں پر ہے تو پھر یہ کیوں کہا مولاؑ نے کہ تم نے قرآن حفظ تو کر لیا لیکن تمہارے حلق سے نیچے نہیں اُترا۔

گلہ عقل پہ آ گیا۔ ہم نہیں کہتے عقل میں نہیں آیا۔ عقل میں نہ آتا تو اتنی توجیہات، اتنی تاویلات، اتنی تعبیرات کیوں آ جاتیں؟ ہزاروں تفسیریں، ہزاروں توجیہات، ہزاروں تاویلات،

آخر عقل استعمال کی گئی ہے تو یہ سب ہوا۔ عقل استعمال نہ کی گئی ہوتی تو محکم کو متشابہہ کیسے بنا دیتے؟ معصومؑ کا کام تھا متشابہہ کو محکم بنا دینا مگر جنہوں نے اپنی عقل استعمال کی انھوں نے محکم کو متشابہہ بنا کے رکھ دیا کہ اس کا تو یہ مطلب ہے، اس کا تو یہ مطلب ہے۔ بعید مطلب نکالے۔ کیوں؟ اس لئے کہ عقل استعمال کی۔ آخر کیسے بھی استعمال کی، آخر عقل استعمال کی تو سہی۔ مولاؑ نے یہ کہا ہی نہیں کہ تمہاری عقل میں نہیں آیا۔ یہ کہا تمہارے حلق سے نیچے نہیں اُترا۔ ارے نیچے کیا چیز ہے؟ نیچے یہ دل ہے، تم نے پڑھ بھی لیا، تمہاری عقل میں بھی آ گیا۔ لیکن وہی **لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا** (الاعراف ۱۷۹)

کہ ان کے پاس دل تو ہے مگر سمجھتے ہی نہیں

الٰہی مطلب کو سمجھنے کے لئے عقل کی نہیں دل کی ضرورت ہوا کرتی ہے

تمہارے پاس دل تو ہے مگر سمجھتے ہی نہیں

اگر دل میں اُتر جاتا قرآن تو پھر کردار کی صورت میں ظاہر ہو جاتا

کردار بنائے، انسان سازی کا کام شروع ہوا

تو علیؑ ایک پر محنت کریں گے

لیکن وہی ایک پوری دنیا کے لئے معیار قرار پائے گا

اب مولائے کائناتؑ کے ابتدائی شاگردوں کا تھوڑا سا ذکر اور اس کے بعد کی سلسلہ وار بات کو آگے بڑھاتے جائیں گے۔ انسان سازی پر توجہ ہے اقتدار پر نہیں، جنگوں پر نہیں، حکومت پر نہیں اگر چہ امامؑ کا حق ہے یہ بات بھی ذہن میں رکھیے گا۔ امامؑ کا حق ہے حکومت لیکن اگر مکر و فریب کا راستہ اختیار کرنا پڑے حکومت کو حاصل کرنے کے لئے تو امامؑ ٹھوکر مار دے گا۔

اس طرح کی حکومت لے جاؤ ہمیں نہیں چاہیے کیوں کہ اگر تمہیں نہ ملی حکومت تو تمہیں فرق پڑے گا اور اگر ہمیں نہ ملی حکومت تو ہماری امامت پہ کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔

اس منصب کا لالچ وہ کرے گا جو جانتا ہو کہ اس منصب کی وجہ سے میری شخصیت رہے گی اور

اس منصب کو ٹھوکر میں وہ رکھے گا جو جانتا ہے کہ اگر کبھی یہ منصب مجھے ملا تو اس منصب میں ہی چار چاند لگیں گے۔ میرا جو مقام ہے وہ نہ گھٹنے والا ہے نہ بڑھنے والا۔ مجھے پروردگار نے جو مقام دے دیا ہے، مجھے جو ذمہ داری سونپ دی ہے، مجھے جو فرض سونپ دیا ہے اس کے لئے ضروری نہیں کہ ہر جائز ناجائز کی حدود پھلانک کر حکومت حاصل کی جائے اس لئے کہ اس حکومت کے بغیر بھی میں قیامت تک لوگوں کا والی بھی ہوں اور امام بھی۔

ابوذرؓ زیر تربیت آئے تو رسولؐ کو کہنا پڑا کہ

آسماں نے سایہ نہیں کیا ابوذرؓ سے زیادہ کسی سچے انسان پر۔

ابوذرؓ پر جب علیؑ کا سایہ پڑا، ابوذرؓ کو جب علیؑ کی رفاقت میسر آئی تو ابوذر کا کردار دیکھتے چلے جایئے اور کس کس طرح چھپایا گیا یا چھپائے جانے کی کوشش آج بھی کی جاتی ہے۔ نہیں پڑنا چاہتا متنازعہ باتوں میں، اگر چہ متنازعہ باتیں نہیں ہیں۔ جناب ابوذرؓ پر ایک ظلم تو یہ ہے کہ اتنے جلیل القدر صحابی ہونے کے باوجود ان کے ذکر سے گریز کیا جاتا ہے یعنی آج تک یہ ظلم جاری ہے۔ میرے بھائی بتا دیا کرو ابوذرؓ کی داستان اگر کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو اس کو نکال دو، اس کو الگ کر دو لیکن رسولؐ کے اس جلیل القدر، معتبر اور مستند صحابی کا ذکر تو کرو کہ جو آج تک معیار ہے۔ جناب ابوذر غفاریؓ کی ذات کہ جب بھی کسی زمانے میں کسی نے اس لہجے میں گفتگو کی تو لوگوں نے اسے ابوذرِ زمانہ کا نام دے دیا۔ دیا، یا نہیں؟

معصوم تو نہیں بنا سکتے لیکن معصوم نے جو انسان بنایا اس انسان کا نام دے دیا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ''حسینؑ زمان''۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ''ابوترابؑ دوراں'' مگر معصومینؑ نے ہمارے لئے نمونہ عمل کی ایسی شخصیتیں بنا کے دے دیں کہ ابھی ماضی قریب میں باطل کو اسی لہجے میں للکارا تو لوگوں نے کہہ دیا ابوذرِ دوراں ہے۔ ابوذرِ زمانہ ہے۔ یہ میں آیت اللہ طالقانیؒ کی روح کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہوں جنہیں بیسویں صدی میں ابوذرِ دوراں کا خطاب دیا گیا تھا جنہوں نے باطل کو ابوذرؓ کے لہجے میں للکارا تھا۔

تو ابوذرؓ، علیؑ کے زیرتربیت آیا۔ کھال اُتر گئی جسم کی، کوڑے برس گئے جسم پر، تنہا ہو گیا ابوذرؓ پورے معاشرے میں۔ جہاں وہ آکر بیٹھتا ہے لوگ اُٹھ کر بھاگ جاتے ہیں کہ اب یہ ایسے لہجے میں گفتگو کرے گا کہ ہماری بھی مصیبت آجائے گی۔ اسے تو کسی چیز کا خوف ہے نہیں، ہمارے تو بیوی بچے ہیں، ہماری تو نوکری ہے، اس لئے ہمارے ساتھ تو مسئلہ ہو جائے گا۔

تو عزیزو! ابوذرؓ کی طرح جینا آسان تھوڑی ہے۔ بڑا مشکل ہے ابوذرؓ کی طرح جینا۔ وہ جو شاعر نے کہا ہے کہ ؎

ہر ابوذرؓ کو مدینے سے نکلنا ہوگا
صاحبِ ذر تو نہ مانے کا معیشت اُس کی

تو ابوذر وہ تھا جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بات کیا کرتا تھا۔ کبھی اِدھر جلاوطن کبھی اُدھر جلاوطن۔ اب دیکھئے علیؑ نے ایک انسان بنایا۔ اس ایک انسان نے کتنے انسان بنائے؟

اب آپ کو بتاتا ہوں۔ علیؑ نے ایک انسان بنایا ابوذرؓ، ابوذرؓ جہاں گیا جلاوطن، جہاں گیا جلاوطن۔ شہر بدر، آخر میں کہاں ٹھکانہ ملا؟ جبلِ عامل کی سرزمین پر، یہ بحرین اور لبنان کی سرزمین، جسے اس وقت جبلِ عامل کہا جاتا تھا، جبلِ عامل کی سرزمین میں جب ابوذرؓ آیا، علیؑ کا تربیت یافتہ تو آج تک وہاں سے اس سرزمین سے ابوذرؓ کی مثل پیدا ہو رہے ہیں یا نہیں؟ جہاں ابوذرؓ نے دین پہنچایا، جہاں ابوذرؓ نے اسلام پہنچایا تو وہاں آج تک ابوذرؓ جیسے پیدا ہو کر استعماری طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکار رہے ہیں کہ ہم نے اسلام کہیں اور سے نہیں ابوذرؓ سے لیا ہے۔

آج تک اس کے اثرات آپ دیکھ رہے ہیں۔ ایک شاگرد گیا تھا علیؑ کا اس سرزمین پر بس۔ جبلِ عامل کی سرزمین پر۔

کچھ عرصہ پہلے تک یقین نہیں آتا تھا، عقیدے کی بنیاد پر پڑھ دیا کرتے تھے کہ فاطمہ زہراؑ کے گھر کی کنیز آیات کی زبان میں بات کیا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو یقین نہیں آتا

تھا کہ بس عقیدے کی بنیاد پر خیال کیا کرتے تھے کہ ہاں بس حفظ کرلیا ہوگا قرآن۔ اتنی آیات یاد ہوں گی کہ چند موقعوں پر آیات کی زبان میں بات کرلی ہوگی لہٰذا روایات میں یہ آ گیا کہ ہر بات کا جواب آیاتِ الٰہی سے دیا کرتی تھیں۔ ارے وہ تو فضّہ تھیں کہ جس نے فاطمہ زہراؑ کے سائے میں تربیت حاصل کی تھی۔ ارے آج کے معصوم اور کم سن بچوں کو دیکھ لو۔ یہ محمد حسین طباطبائی، صادق وزیری اور ان جیسے دوسرے بچے جنہوں نے بتادیا کہ فضّہ پہ شک مت کرنا۔ ارے جب آج کے دور میں ہم آیاتِ الٰہی سے جواب دے سکتے ہیں تو فضّہ نے تو معدنِ رسالت، مستقر الملائکہ جیسے گھر میں تربیت حاصل کی تھی جو وحی الٰہی کا مرکز تھا۔

تو فضّہ نے وہاں تربیت حاصل کی تھی جہاں علیؑ بھی تھے، سیّدۂ کونینؑ بھی تھیں، معصومۂ کونینؑ بھی تھیں، جہاں حسنؑ بھی تھے، جہاں حسینؑ بھی تھے، تو اب تعجب کی کون سی بات ہے، اب تو یقین آ گیا ہوگا کہ جب آج یہ معجزہ ہوسکتا ہے تو فضّہ کی تو بات ہی دوسری ہے لہٰذا یہ دیکھ کر ہی اس در سے وابستہ ہو جاؤ کہ یہ انسان ساز ہیں، انہوں نے کل بھی انسان بنائے تھے، یہ آج بھی انسان بنا رہے ہیں۔ یہ کنیز فضّہ اور غلام قنبر کس طرح سے بنایا ان کرداروں کو، کس طرح سے سنوارا اس غلام کو کہ اس کی غلامی کی اگر ہمیں اور آپ کو سند مل جائے کہ اگر ہمیں یہ سند مل جائے کہ قنبر نے اپنی غلامی میں ہمیں قبول کرلیا تو بتایئے دنیا اور آخرت مل گئی کہ نہیں؟ دنیا اور آخرت سنور گئی کہ نہیں؟ اس طرح سے بنایا، سنوارا قنبر کو بھی کہ، کہیں دل آزاری نہ ہو جائے۔ لوگ یہ نہ کہیں کہ غلام کو سستا کپڑا پہنا دیا، آقا نے قیمتی کپڑا پہن لیا اس لئے تم پہن لو اچھا کپڑا۔ یہ نہیں کہا بلکہ یہ کہا کہ نہیں قنبر تم جوان ہو۔ میں جوانی کے سِن سے گزر چکا۔ یہ کپڑا تم پر ہی سجتا ہے اور سستا کپڑا مجھ پر ہی سجتا ہے۔

اُس طرح اُتر گئے تھے دلوں میں اہل بیتؑ لوگوں کے کہ
پوری دنیا نے مل کر چاہا کہ کسی ایک غلام کو اس کے راستے سے ہٹا دیں
لیکن نہ ہٹا سکے آپ دیکھ لیجئے

نہ ہماری وہ منزل

نہ ہماری وہ مرتبت

نہ حقیقت میں ہم اس جذبے کے مالک

نہ ہم میں عقیدے کی وہ پختگی

نہ ہمیں وہ معرفت حاصل

جذباتی جملے کہہ دینا اور چیز ہے، حقیقت کچھ اور

وہ عقیدے کی پختگی پر فائز تھے اور ہم کہاں ہیں

لیکن اس کے باوجود یہ حالت ہے کہ

ہمیں مار ودو..... کاٹ دو..... جلادو..... لوٹ لو

غرض جو چاہو کرلو

ارے ہم بُرا بھی کہہ لیتے ہیں

اپنے آپ کو اور دوسروں کو

اِس کو ذمہ دار قرار دے لیا

اُس کو ذمہ دار قرار دے لیا

لیکن یہ بتاؤ کہ کبھی کسی کے دل میں یہ بھی خیال آیا کہ

اہلِ بیتؑ کے در کو چھوڑ دوں؟

اتنی مصیبتوں کے باوجود، اتنی مشکلات کے باوجود

کبھی یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ

یہ سارے مصائب تو اسی لئے ہیں کہ ہم اہلِ بیتؑ کے چاہنے والے ہیں

تو یہ ادنیٰ سا معجزہ تو ہم جیسوں میں آج بھی باقی ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی تربیت

ہم میں آج تک کام کر رہی ہے، نسلاً بعد نسلاً

کجا قنبر، کجا میثم تمار

ایک مثال اور سید سجادؑ کے سامنے علی اکبرؑ کا قاتل آ جائے۔ کون علی اکبرؑ؟ سید سجادؑ کا کٹریل جوان بھائی، جسے یاد کر کر کے، جس کی شہادت کے واقعے کو یاد کر کر کے ۳۵ سال ہمارا امامؑ خون کے آنسو روتا رہا۔ اس علی اکبرؑ کا قاتل سامنے آ جائے اور کس حالت میں آئے کہ شکست کھا کے مکے سے بھاگا ہے۔ فرار کی حالت میں ہے۔ بھوکا پیاسا ہے اور امامؑ پورے مال و اسباب کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ایک بڑی جمعیت بھی ساتھ ہے اور قاتل سامنے آ گیا۔ فتح مکّہ میں رسولؐ کا کردار سامنے آ گیا۔ خندق میں علیؑ کا کردار اور اب سید سجادؑ کے سامنے علی اکبرؑ کا قاتل آ گیا۔ زبان پیاس سے باہر نکلی ہوئی ہے۔ کہتا ہے فرزندِ رسولؐ بہت پیاسا ہوں۔ آپؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس کی پیاس بجھاؤ، اس کو پانی پلاؤ، اس کے ساتھیوں اور ان کے حیوانوں کو بھی پانی پلاؤ کہنے والوں نے کہا کہ ہماری بھی تو ضرورت ہے۔ کہا نہیں پہلی ضرورت ان کی ہے۔ پہلے ان کو پلا دو ہمارا بھی اللہ مالک ہے۔ پہلے ان کی ضرورت پوری کرو۔ جب سیر ہو چکا، پانی پی کر علی اکبرؑ کا قاتل تو اب مسکرا کر کہتا ہے کہ فرزندِ رسولؐ آپ نے مجھے پہچانا نہیں اگر آپ مجھے پہچان لیتے تو کبھی سیراب نہ کرتے، کبھی میری پیاس نہ بجھاتے۔ فرزندِ رسولؐ کی آنکھوں میں فوراً آنسو آ گئے۔ ابھی اس نے اپنا تعارف نہیں کرایا، اپنا نام نہیں بتایا۔ امامؑ نے نام لے کر پکارتے ہوئے کہا، حصین ابن نمیر میں پہچانتا ہوں تجھے لیکن وہ تیرا کردار تھا یہ ہمارا منصب ہے۔ یہ ہماری ذمہ داری ہے، یہ ہمارا کردار ہے کہ اگر قاتل بھی مجبور ہو کر سامنے آ جائے تو پروردگار نے منصب ایسا دیا ہے کہ ہم انسانیت ہی کا درس دیں گے۔

عزادارانِ حسینؑ! کربلا میں بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہوا تھا جب جنابِ سید الشہداءؑ زخمی ہو کر گرے تھے اور آخر وقت تک مقابلہ کر رہے تھے کہ ایک جوان تلوار کی زد پر آ گیا۔ اس کا رنگ سفید پڑ گیا فوراً منہ سے نکلا فرزندِ رسولؐ مجھے معاف کر دیجئے۔ اس وقت بھی جب سینکڑوں زخم کھا چکا تھا حسینؑ لیکن تلوار ہٹالی اور اس سے کہا جا تجھے چھوڑ دیا، جا تیری جان بخش دی۔

تو یہ ہے کردار حسینؑ کا، یہ ہے کردار آلِ رسولؐ کا

اسی لئے کربلا میں ایسے تربیت یافتہ انسانوں کو جمع کیا تھا ان درندوں اور بھیڑیوں کے مقابلے پر جو مسلمان تو مسلمان انسان کہلانے کے بھی مستحق نہیں تھے۔ ان بھیڑیوں، حیوانوں اور درندوں کے مقابلے میں حسینؑ کے حکم پر زمین نے اپنی طنابیں کھینچیں اور جہاں کہیں کوئی انسان تھا وہ کربلا میں حسینؑ کے خیام میں آ گیا تھا۔ سوائے ان چند افراد کے جنہیں حسینؑ نے خود رخصت دی تھی، جنہیں ذمہ داریاں دی تھیں جیسے محمد ابنِ حنیفہ یا جیسے اور کچھ لوگ۔ اس کے علاوہ حسینؑ کے حکم پر، امامؑ کے حکم پر روئے زمین پر جتنے ''انسان'' تھے وہ سب کربلا میں جمع ہو چکے تھے۔

آج ایک اور انسان کا تذکرہ آپ کے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔ عجیب بات نہیں ہے کہ حسینؑ مکہ سے کربلا تک سب کو تو واپس بھیج رہے ہیں کہ واپس جاؤ اور کچھ لوگوں کو خط لکھ لکھ کر بلا رہے ہیں کہ آؤ۔ یہ بھی کتنی عجیب بات ہے؟ فرزندِ رسولؐ آپ خود ہی تو سب سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ دیکھو! میں قتل گاہ کی طرف جا رہا ہوں، میں اپنی وعدہ گاہ کی طرف جا رہا ہوں، جو میرے ساتھ آئے گا مار دیا جائے گا، قتل کر دیا جائے گا میرے ساتھ مت آؤ اور یہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ کچھ لوگوں کو راستے سے ساتھ لے رہے ہیں، کچھ لوگوں کو خط لکھ لکھ کر بلا رہے ہیں؟ زہیر ابن قین وہاں سے دور ہیں، قافلہ بھی وہاں نہیں ٹھہرا تھا کہ آج کل یزید سے مناقشہ چل رہا ہے، میں الگ ہی رہوں، میرا کیا تعلق ان کے جھگڑے سے؟ لیکن حسینؑ نے کیا جادو کیا، کیا سحر کیا؟ اور عشق کی زبان میں کہہ دوں کہ نہ معلوم کون سی شراب پلائی تھی کہ چند لمحوں میں ایسا مدہوش ہوا زہیر ابن قین کہ آ کے غلاموں کو آزاد کیا، بیوی سے کہا جا تجھے عقد کی قید سے آزاد کیا، میں تو چلا فرزندِ رسولؐ کے قدموں پر اپنی جان لٹانے کے لئے۔

کیا نشہ پلایا زہیر کو؟ تاریخوں نے کچھ بھی نہیں لکھا، بس اتنا لکھا کہ علی اکبرؑ کو بھیجا تھا کہ جاؤ علی اکبرؑ! زہیر کو میرا پیغام پہنچاؤ۔ جب علی اکبرؑ کو دیکھا تو زہیر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ علی اکبرؑ نے کہا میرے بابا نے آپ کو یاد کیا ہے۔ اب اس پیغام کے بعد انکار نہ کر سکا زہیر اور تیز تیز

قدم بڑھاتا ہوا آیا۔ حسینؑ نے شانوں پر ہاتھ رکھا زہیر کے اور تنہائی میں لے جا کے کچھ گفتگو کی جس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بس اس کے بعد جب زہیر پلٹا تو حسینی ہو چکا تھا یہاں تک کہ دوسروں کی طرف سے پریشان رہتا تھا۔ جب کہ اپنی طرف سے بالکل مطمئن کہ میں تو جا ہی نہیں سکتا۔ تو بس ایسے ہی ایک موقع پر جب دو محرم کو قافلہ کربلا پہنچا اور تین محرم سے لشکر پہ لشکر، رسالے پہ رسالے، دستے پہ دستے آنے شروع ہوئے تو ثانیٔ زہراؑ نے یاد دلایا بھائی کو کہ آپؑ کے بھی تو بہت سے دوست ہیں، آپؑ کے بھی تو بہت سے چاہنے والے ہیں۔ آپؑ بھی بلائیے۔ حسینؑ نے چند خط لکھے، ان میں سے ایک خط اپنے بھائی فقیہ کوفہ حبیب ابن مظاہر کے نام لکھا اور قاصد کو خط دے کر روانہ کیا کہ جا حبیب کو میرا خط پہنچا دے۔ حبیب نے بڑی حکمت عملی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھا ہوا ہے۔ جانتے ہیں کہ میرا مولاؑ پہنچنے والا ہے۔ مختار گرفتار ہو چکے۔ ابراہیم گرفتار ہو چکے، ہانی شہید ہو چکے، مسلم شہید ہو چکے۔

بڑی حکمت کے ساتھ حبیب ابنِ مظاہر نے خود کو بچا کر رکھا ہوا ہے کہ جب مولاؑ پہنچیں گے تو نصرت کے لئے میں بھی پہنچوں گا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے ہی گرفتار کر لیا جاؤں۔ کس طرح سے بچائے ہوئے ہیں حبیب ابن مظاہر، ان حالات میں خود کو؟ قاصد پہنچا گھر ڈھونڈ کے، گھر سے معلوم ہوا بازار میں ہیں۔ بازار میں ڈھونڈا دیکھا دکان سے خضاب خرید رہے ہیں۔ پہنچا خدمت میں، سلام کیا، تعارف کرایا، ''انا قاصد الحسینؑ'' بس اتنا سننا تھا حبیب نے قاصد کا بازو تھاما اور دور ہٹا کر ایک کونے میں لے گیا اور کہا میرے مولاؑ! کا کیا پیغام ہے؟ اس نے لباس سے خط نکال کر حبیب کے حوالے کر دیا۔ حبیب نے خط کے متن کو پڑھا، ایک بار پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں، تیوریوں پہ بل پڑنے لگے۔

خط کو بوسے دینے کے بعد تہہ کر کے خط کو جیب میں رکھا۔ قاصد کو ساتھ لیا گھر پہنچے۔ مہمان خانے میں بٹھایا۔ زوجہ دسترخوان پہ انتظار کر رہی ہے۔ دیکھا کہ پریشان ہیں حبیب، دسترخوان پہ بیٹھے۔ پوچھتی ہے کیا بات ہے حبیب! حسینؑ کا قاصد آیا تھا، فرزند رسولؐ کا قاصد آیا تھا، خیر تو

ہے؟اس سے پہلے کبھی تجھے ایسا پریشان نہیں دیکھا۔ جب بھی میرے مولاؑ کا خط آتا تھا کوئی پیغام آتا تھا تو تو بہت خوش ہوتا تھا، یہ آج کیا بات ہے کہ حسینؑ کا خط آیا ہے اور تو پریشان ہے، تیرے چہرے کی رنگت بدلی ہوئی ہے؟

حبیب نے کہا ہاں، میرے مولاؑ کا پیغام آیا ہے، خط لکھا ہے۔ زوجہ کے سامنے پڑھا۔ یہ پیغام ہے کہ کربلا میں عمر ابن سعد کے لشکر نے گھیر لیا ہے، حبیب ہماری مدد کے لئے فوراً پہنچو۔ بیوی نے غور سے حبیب کے چہرے کو دیکھنا شروع کیا۔ پوچھا حبیب! پھر کیا سوچا تو نے، کیا فیصلہ کیا تو نے؟ حبیب کہتا ہے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا، سوچتا ہوں جاؤں کہ نہ جاؤں، کوفے کے حالات تو تو دیکھ ہی رہی ہے؟ کوئی قتل کر دیا گیا، کوئی قید کر دیا گیا اور کوئی مدد کرنے پہ آمادہ بھی نہیں ہے، میں اکیلا کیا کرلوں گا، اگر حسینؑ کے پاس پہنچ بھی گیا تو میں کیا کرلوں گا؟ سوچتا ہوں جاؤں کہ نہ جاؤں۔

بس اتنا سننا تھا بعض روایات میں چادر کا ذکر اور بعض روایات میں چوڑیوں کا ذکر ہے، کھڑی ہوگئی زوجہ اور چادر حبیب کے سر پہ ڈال دی۔ کہا حبیب! تو یہ پہن کر بیٹھ گھر میں اور یہ سوچ کہ تجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا؟ دیوار پر لگے ہوئے ہتھیاروں میں تلوار کے قبضے پر اس مومنہ نے ہاتھ ڈالا اور کہا کہ میں جاؤں گی فرزندِ زہراؑ کی نصرت کے لئے کربلا۔

حبیب! بڑے افسوس کی بات ہے، ارے حسینؑ تجھے مدد کے لئے بلا رہا ہے اور تو سوچ رہا ہے کہ جائے کہ نہ جائے؟ بس حبیب اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ کہا مومنہ بیٹھ جا اطمینان سے، ارے میں تو تیرا امتحان لے رہا تھا، میں تو تجھے آزما رہا تھا کہ کہیں کوفے کی دوسری عورتوں کی طرح تیرا مزاج بھی تو نہیں ہوگیا کہ میرا شوہر بچ جائے، میرا بھائی بچ جائے، میں تو بس یہ دیکھ رہا تھا کہ تجھ پہ بھی کوفے کی عورتوں کا رنگ تو نہیں چڑھ گیا۔ خدا تجھے جزائے خیر دے۔

ارے ایسا بھی کبھی ہوسکتا ہے کہ جس نے مجھے زندگی عطا کی ہو وہ مجھے بلائے اور میں گھر میں بیٹھا رہ جاؤں؟ میرا حسینؑ مجھے آواز دے اور میں گھر میں بیٹھا رہ جاؤں؟ قاصد کو روانہ کر دیا کہ تو

جامیں آ رہا ہوں ۔اپنے غلام کو حکم دیا کہ سواری لے کر کوفے سے باہر نکل جا اور نصف شب کے قریب فلاں مقام پر مجھ سے مل ۔کوفے کے تمام راستے بند ہیں، چاروں طرف پہرہ ہے، راستہ بنانے میں دیر ہوگئی حبیب کو، کوفے سے باہر نکلنے کے لئے لیکن آخر کوفے سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور مقررہ وقت سے کچھ دیر کے بعد پہنچا تو عجیب منظر دیکھا کہ گھوڑا بے چینی سے پیر پٹخ رہا ہے اور غلام گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیر رہا ہے ۔ہاتھ پھیرتا جاتا ہے اور اس سے گفتگو بھی کرتا جاتا ہے ۔بے چین مت ہو، میں تھوڑی دیر اور انتظار کروں گا اپنے آقا کا، اور اگر میرا آقا نہ پہنچا تو اطمینان رکھ میں تجھ پر سوار ہو کر کربلا جاؤں گا اور اپنے مولاؑ کی نصرت کروں گا۔

حبیب نے آسمان کی طرف نظریں اُٹھائیں، اے پالنے والے! یہ کیا وقت آ گیا فرزندِ رسولؐ پر کہ غلام سبقت کر رہے ہیں آقا پر؟ سینے سے لگا کر دعائیں دیں اپنے غلام کو، خدا تجھے جزائے خیر دے ۔حبیب فجر کی نماز کے بعد روانہ ہوا کربلا کی طرف ۔حسینؑ خیمے سے باہر اپنے اصحاب کے جلو میں بیٹھے ہیں کہ کوفے کی طرف سے گردوغبار نمودار ہوا۔ حسینؑ نے تکبیر بلند کی، انصارِ حسینؑ نے بھی جواب میں تکبیر بلند کی، اللہ اکبر۔ سمجھ گئے کہ کوئی ہمارا بھی حمایت کرنے والا آ گیا۔کوئی ہمارا بھی دوست آ گیا۔گردوغبار چھٹی تو دو سوار نمودار ہوئے ۔

حسینؑ نے کہا عباس جاؤ! میرا دوست حبیب آ رہا ہے ۔میرا بھائی حبیب آ رہا ہے ۔علی اکبرؑ جاؤ، زہیر جاؤ ۔حبیب کا استقبال کرو۔ جتنے بھی انصارانِ حسینی تھے حبیب کا نام سنتے ہی ان کے چہرے گل رنگ ہوگئے ۔خوشی سے گل نار ہوگئے ۔روانہ ہوا یہ پورا جلوس حبیب کے استقبال کے لئے ۔حبیب نے جو یوں جلوس آتے دیکھا اور اس میں بھی قمر بنی ہاشمؑ سب سے نمایاں ۔اُتر آیا گھوڑے سے، آیا دست بوسی کی عباسؑ کی، اور کہتا ہے اے آقازادے! میں اس قابل تو نہیں کہ آپ میرے استقبال کے لئے آتے ۔عباسؑ گلے ملے، سینے سے لگایا۔ کہا حبیب میرے مولاؑ کا حکم ہے کہ ہم سب تیرا استقبال کریں ۔علی اکبرؑ کو سینے سے لگایا حبیب نے، زہیر سے گلے ملے اور پھر سب نے حبیب کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ حبیب نے حسینؑ کے قدموں پہ سر رکھ دیا اور کہتا

ہے مولاؑ مجھے آنے میں دیر تو نہیں ہوئی؟

مولاؑ راستے بند تھے۔ چاروں طرف پہرہ تھا اور پھر بھی میں نے کوشش کی کہ جتنی جلدی ہو سکے پہنچوں۔ حسینؑ نے حبیب ابنِ مظاہر کو اپنے سینے سے لگایا، نہیں حبیب بالکل صحیح وقت پہ آ گئے۔ تم بالکل صحیح وقت پہ پہنچ گئے۔ بس ہمیں تمہارا ہی انتظار تھا۔

حبیب نے شکر پروردگار ادا کیا۔ بس اتنے میں فضہ پہنچی اور فضہ نے آ کر کہا اے حبیب! تجھے مبارک ہو، حیران ہو گیا حبیب، ارے اماں فضہ! اس موقع پر کس بات کی مبارک باد دیتی ہے۔ کہا حبیب! کیوں نہ مبارک باد دوں۔ میری شہزادی نے تجھے سلام بھیجا ہے۔ اے حبیب! ثانیِ زہراؑ نے تجھے سلام بھیجا ہے۔ کہا ہے کہ میرے بھائی حبیب کو میرا سلام کہو کہ اے بھائی حبیب تیرا بڑا شکریہ کہ تو اس وقت میں ہماری مدد کے لئے آیا۔

بس یہ جملے سنے تو حبیب نے عمامہ اُتار کہ پھینک دیا۔ خاک اُٹھا کر سر پہ ڈالی، کبھی منہ پیٹتا ہے، کبھی سر پیٹتا ہے اور کہتا ہے کہ اے پالنے والے! ارے کیا میں آج کے لئے زندہ تھا۔

ارے میں مر کیوں نہ گیا کیا وقت آ گیا ہے آلِ رسولؐ پر

رسولؐ زادیوں پر کیسا وقت آ گیا ہے کہ شہزادیاں غلام کو سلام بھجوا رہی ہیں۔

أَلاَ لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَومِ الظَّالِمِينَ

چوتھی مجلس

أعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ مِنَ ألآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أللّٰهِ ألرَّحْمٰنِ ألرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ

نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ

السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

افضل لاکھانی ابن قاسم لاکھانی، ایک مومن جن کی بہت زیادہ پوشیدہ خدمات ہیں، ان کا آج انتقال ہوگیا ہے آپ سے گزارش کروں گا کہ مرحوم کے ایصال ثواب کے لئے ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر بخش دیجے۔

بس ایک دومنٹ میں سابقہ گفتگو کا خلاصہ اور پھر آج کی گفتگو کو مسلسل کر دیں گے، اس لئے کہ جولوگ دیر سے آتے ہیں یا سابقہ مجالس میں نہ آسکے ہوں ان کے ذہن میں بھی موضوع معین ہوجائے۔

دیکھئے! پیغمبروں کو انسان سازی کے لئے مبعوث کیا گیا۔ عبادت انسان کی فطرت میں ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے نہ بھی سہی مگر ہر انسان عبادت کرنا چاہتا ہے خواہ اپنے بنائے ہوئے طریقے ہی سے عبادت کرے۔ یہ دیوتا، یہ اوتار، یہ سورج کی پوجا، یہ چاند کی پوجا، یہ آگ کی پوجا وغیرہ عبادات کے یہ تمام خودساختہ طریقے انسانی فطرت میں عبادت کی فطرت کے رجحان کے گواہ ہیں، چاہے انسان اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ عبادت کو قبول کرے یا نہ کرے مگر اس کی فطرت گواہی دیتی ہے کہ کوئی نہ کوئی تو خالق ہے۔ کوئی ہے جو یہ سارا نظام ہستی چلا رہا ہے لہٰذا کچھ سلسلہ ہے۔ بس اس فطرت میں، فطرت عبادت میں ایک جو خامی ہے وہ یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے کہ کم سے کم محنت و مشقت کرے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھالے۔ تو جہاں اسے آسان راستہ نظر آتا ہے اسی کی طرف چل پڑتا ہے کہ چلو بھئی یہاں آسانی سے جنت مل رہی ہے لہٰذا زیادہ بہتر ہے اسے لے لو۔ بجائے اس کے کہ خود کو محنت و مشقت وزحمت میں ڈالو، یہ بہتر ہے۔

یہ اسباب بنے تحریفات کے، ہر نبی آیا، ہر پیغمبر آیا، ہر رسول آیا۔ اس کے بعد جو وارث بنے یا دین کے ٹھیکے دار بنے اُنھوں نے کیا کیا انھوں نے اپنی مرضیاں دین میں داخل کرنا شروع کر دیں۔ اپنی مرضی کی رسومات کی پیروی اور اپنی خواہشات نفسانی کا اتباع، نتیجہ یہ ہوتا کہ کچھ ہی عرصے کے بعد دین سر کے بل کھڑا ہو جاتا تھا یعنی دین کچھ کا کچھ بن جاتا۔

ہر امت میں یہی ہوا اور فسادات ایجاد ہوئے کیونکہ انسان اگر اللہ کی خالص عبادت کرے، اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے، انبیاؑ نے جو راستہ بتایا تھا اس پر چلے کیونکہ دین انسان بنانے آیا اور لوگوں کے پاس نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے، سارے احکامات بھی ہیں لیکن انسانیت نہ

رہی۔ دین تو ہے، مسجدیں بھی آباد، عبادت گاہیں بھی آباد، سب کچھ آباد ہے۔

سب سمجھتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں، ہم صحیح ہیں لیکن اس کھیچا تانی میں انسانیت مفقود ہوگئی۔ اسی دین کے نام پہ، اسی مسلک کے نام پہ، اسی مذہب کے نام پہ، انسان رسولؐ کی بتائی ہوئی تعلیمات کے خلاف چل پڑا یعنی وہ جو محبتیں بانٹنے آئے تھے، وہ جو محبتیں پھیلانے آئے تھے، جو جاہلوں کو انسان بنانے آئے تھے، انہی نبیوں کے امتی اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے، کیا وہ اللہ کو نہیں مانتے تھے، کیا ان کے پاس دین نہیں تھا، کیا ان کے پاس مذہب نہیں تھا۔ ارے تھا، بے شک اپنی مرضی کا مانتے تھے، مانتے تو تھے، مذہب تو تھا، دین تو تھا تو خالی مذہب اور مسلک انسان کو انسان نہیں بناتا۔ صرف مذہب پر چلنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ انسان بن گیا۔

لوگ نماز پڑھتے ہیں اور دوسری مساجد میں جا کر گولیاں بھی چلا دیتے ہیں۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور دوسروں کے گھروں کو جلا دیتے ہیں۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور دوسروں کے بچوں کو یتیم کر دیتے ہیں۔ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور اپنے ہی شہروں کو اُجاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ہے کہ نہیں ایسا؟

تو خالی عبادات انسان کو انسان نہ بنا سکیں، نہ بنا سکیں گی

پیغمبروں کا طریقہ اور وظیفہ کیا ہے؟

انسان کو عبادت کے ساتھ ساتھ انسانیت سیکھا دی جائے

جو عبادت تیرے نفس پر اثر نہیں ڈالتی تجھے انسان نہیں بنا سکتی

وہ عبادت خدا کی عبادت نہیں ہوگی

بے شک تو زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا رہے

نہ تو اللہ کی وحدانیت کی گواہی اور نہ ہی رسالت کی گواہی تجھے انسان بنا سکتی ہے

اس لئے کہ اگر تو انسان بن جاتا تو دوسرے انسانوں بھی کو انسان سمجھتا۔

مولائے متقیان علی ابن ابی طالبؑ نے مالک اشترؒ کو جب مصر کا گورنر بنایا تو ایک حکم نامہ بھی تحریر فرمایا جس میں حکومت کرنے کے طور طریقے بتائے ہیں وہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں اور رضویہ

سوسائٹی کی مجالس میں بھی ان شاء اللہ روشنی ڈالوں گا۔اس وقت اشارہ دے رہا ہوں۔اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ اے مالک! جس جگہ تم جارہے ہو، جس سرزمین کا تمہیں حاکم بنا کر بھیج رہا ہوں وہاں دو قسم کے لوگ ہوں گے یا تو تمہارے دینی بھائی، یعنی مسلمان ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنا جیسا دینی بھائیوں کے ساتھ کرنا چاہیئے یا خلق خدا ہوگی یعنی اگر مسلمان نہیں بھی ہیں تو خلق خدا میں تو شامل ہیں، انسانوں میں تو شامل ہیں۔

دیکھو! کسی گروہ کو بھی تم سے کوئی شکایت نہ ہو یعنی تم انسانوں کا خیال رکھنا۔اس جملے کا اضافہ کر دیا کہ انسان کی حیثیت سے ان سے انسانی سلوک کرنا تا کہ انھیں یہ احساس نہ ہو کہ ہمارا سرپرست، ہمارا حاکم کوئی ایسا شخص ہے کہ جو اپنے دینی بھائیوں کا تو احترام کرتا ہے مگر دوسروں کی قتل وغارت گری اور ان کا خون بہانا بھی اپنے لئے مباح قرار دیتا ہے۔

دیکھو! مذہب اپنی جگہ، مسلک اپنی جگہ لیکن اگر تم میں انسانیت ہی نہیں، اگر انسان کا احترام ہی نہیں تو پھر کچھ بھی نہیں۔ دیکھئے! ایک اور حدیث رسول اکرمؐ کی، اس شخص کو مسلمان نہ کہو بلکہ اسے کافر کہو کہ جو صبح اس عالم میں کرے کہ اپنے بھائیوں کے لئے نہ سوچے، اپنے مسلمان بھائی کے لئے نہ سوچے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ دین کیا ہے؟

مسلمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟

اسلام پر چلنے والا انسان کون ہے؟

وہ شخص.... اور یہ حدیث کس نے نقل کی ہے رسول اکرمؐ سے؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا سب سے بڑا جہاد مسلمان کا کیا ہے؟ فرمایا مسلمان کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جب وہ صبح کرے تو یہ طے کرے کہ میرے ہاتھ سے کسی پر ظلم نہ ہو، میں کسی پر ظلم نہیں کروں گا۔ یہاں یہ شرط نہیں کہ میں کسی مسلمان پر ظلم نہیں کروں گا۔ بلکہ وہ یہ طے کرے کہ میں کسی انسان پر بھی ظلم نہیں کروں گا۔ ظلم کسی پر جائز نہیں چاہے وہ مسلمان ہو، چاہے وہ عیسائی ہو،

چاہے وہ یہودی ہو، میں کسی انسان پر ظلم نہیں کروں گا، ہر مسلمان، ہر روز یہ عہد کرے اپنے آپ سے، جب صبح کرے تو اس عالم میں کرے۔

تو انبیاؑ کی بعثت کا مقصد انسان بنانا ہے، عبادت کی طرف انسان کو راغب کرنا بہت آسان ہے۔ یہ یاد رکھئے گا۔ عبادت کی طرف رغبت دلانا بہت آسان ہے۔ کبھی جنت کے لالچ سے کبھی جہنم سے خوف سے اور کبھی کبھی دیناوی لالچوں کے تحت بھی۔ بھئی یہ عبادت کرلو تمہیں یہ مل جائے گا۔ یہ منت مان لو، یہ مل جائے گا۔ اب جو نہیں بھی کرتا وہ بھی سوچتا ہے کہ چلو پڑھ لوں گا میں بھی پچیس دن تک فلاں طریقے سے نماز تو فلاں چیز تو مل جائے گی۔ میں بھی پڑھ لوں گا لیلۃ القدر میں نماز تو مجھے فلاں چیز تو مل جائے گی۔ میں بھی یہ کرلوں گا، میں بھی وہ کرلوں گا۔ ہے کہ نہیں؟ عبادت کی طرف راغب کرنا انسان کو آسان ہے کیونکہ انسان کی فطرت ہے۔ چاہے مانے یا نہ مانے۔ آسان طریقے سے کرے یا خود کو زحمتوں میں ڈالے، یا مشقتوں سے کرے، اپنی مرضی سے کرے، یا اللہ کے بتائے ہوئے طریقے سے کرے۔ غلط طریقے سے کرے یا صحیح طریقے سے کرے۔ یہ آسان ہے لیکن ایک انسان میں انسانیت پیدا کرنا یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔

اسی لئے آپ دیکھئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں سے فقط دو یا چار ہی معاشرہ تشکیل دینے میں کامیاب ہو سکے فقط وہ بھی کتنی دیر، جتنی دیر وہ لوگوں کے درمیان تھے۔ بس اتنے وقت کے لئے۔ جیسے ہی وہ لوگوں کے درمیان سے ہٹے معاشرہ توڑ پھوڑ کا شکار ہو گیا کیونکہ انسان کم ہی بن سکے۔

پیغمبرؑ محنت کرتے ہیں، رسولؑ محنت کرتے ہیں، معصومؑ محنت کرتے ہیں کس بات پر کہ انسان دین کی پیروی کرنے لگے، عبادت تو انجام دینے لگے مگر اسے انسان بنا دیا جائے تا کہ یہ دین کی حقیقی تعلیمات یعنی انسانیت کے راستے پر باقی رہے، اس راستے کو باقی رکھے۔

مذہب کے نام پر دنیا میں جتنی قتل و غارت گری ہوئی ہے غیر مذہبی جنگوں میں شاید اتنی قتل و غارت گری نہیں ہوئی۔ چاہے آپ قبل مسیح کے دور کا جائزہ لیں اور چاہے آپ اس کے بعد کے

دور کا مطالعہ کرلیں ۔ صلیبی جنگوں میں جتنی قتل و غارت گری ہوئی ہے اگر آپ آبادی کا اوسط نکالیں گے، تو وہ جنگ عظیم اوّل اور دوم سے کم نہیں ہے۔ یہ سب مذہب کے پیروکار ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے لئے کہ وہ انسانوں کے مسیحا تھے یقیناً وہ انسانوں کے مسیحا تھے۔ جن کا قول یہ ہے، جن کے مذہب کا اصول یہ کہ اگر کوئی تمہارے ایک رخسار پر طمانچہ مارے تو فوراً دوسرا رخسار بھی آگے کردو لیکن عملی میدان میں آپ نے دیکھا کہ مسیحیت نے اس تعلیم پر کتنا عمل کیا؟

یہودی جو صدیوں تک یہ روتے رہے کہ ہم مظلوم ہیں، ہم مظلوم ہیں، ہم مظلوم ہیں مگر جب ان کے ہاتھ میں اقتدار آیا مختلف حیلوں بہانوں سے تو انھوں نے کتنا کشت وخون کیا اور اب بھی کر رہے ہیں حالانکہ جناب موسیٰؑ کی بھی یہ تعلیمات نہیں ہیں۔ یہودیوں کے بھی مذہبی اصول بڑے سہانے ہیں لیکن انسانیت پر چلنا بڑا مشکل کام ہے۔ تمام ادیان میں تحریفات ہوتی چلی گئیں۔ دین مٹتے چلے گئے یعنی نام باقی رہ گیا۔ عبادات بھی تحریفات شدہ شکل میں باقی رہیں لیکن انسانیت ختم ہوگئی۔ وہ چاہے عرب کا معاشرہ ہو، چاہے روم کا معاشرہ، چاہے ایران کا ماقبل اسلام کا معاشرہ ہو، چاہے کوئی بھی معاشرہ۔

کام کیا ہے؟ وَ یُزَکِّیهِمْ (آل عمران ۱۶۴) یعنی انسان بنانا ہے ان کا تزکیہ نفس کرنا ہے۔ تو پیغمبر اسلامؐ کے بعد کوئی دین نہیں آنا، کوئی پیغمبر نہیں آنا، کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی تو کیسے انسان بنے گا؟ اور پھر پیغمبرؐ نے یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ جو کچھ گذشتہ امتوں میں ہوا ہے میری امت بھی ہو بہ ہو، قدم بہ قدم، نعل بہ نعل اسی راستے پر چلے گی۔ یہ بھی حدیث ہے۔ دو تین طریقوں سے وارد ہوئی ہے۔ یہ بھی پیغمبرؐ نے فرمایا کہ میری امت بھی سب کچھ وہی کرے گی یعنی جیسی تحریفات، جس جس طریقے کی تحریفات سابقہ امتوں نے کیں، میری امت بھی کرے گی۔

تو اے خدا کے رسولؐ! جب کوئی رسول بھی نہیں آئے گا، کوئی کتاب بھی نہیں آئے گی، جب کوئی نبیؑ بھی نہیں آئے گا، نیا دین بھی نہیں آئے گا تو پھر حق کے متلاشی کیا کریں گے؟ حق کا راستہ تلاش کرنے والے کیا کریں گے؟ تو اب اس کے لئے رسولؐ نے اہتمام کیا کہ

دیکھو! میں دو بھاری چیزیں تمہارے درمیان چھوڑ کر جارہا ہوں

دو وزنی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں

ایک خدا کی کتاب اور دوسرے اہل بیتؑ

جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے

اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوا أَبَداً

جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے

تم کبھی گمراہی کے غار میں نہیں گر سکتے

کتاب، خدا کی طرف سے نازل شدہ ہدایت، اصول دین

کتاب، قوانین اسلام کا مجموعہ

کتاب، دین کے اصولوں کا مجموعہ

کتاب کو آپ منشور الٰہی بھی کہہ سکتے ہیں

اپنے لئے کچھ منشور انسان تیار کرتے ہیں جب کہ یہ منشور خدا نے بنایا ہے

تو کون سا منشور بہتر ہوا؟

انسان کا بنایا ہوا یا اللہ کا بنایا ہوا؟ اس الٰہی منشور کی تشریح کرنے کے لئے

پیغمبرؐ نے اپنے بعد اپنے ورثا کی نشاندہی کر دی کہ

اگر ان کے ساتھ رہو گے

اور حقیقت بھی یہی ہے اسی طرف تو ہم اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ

جو وارثان پیغمبرؐ تھے ان کی توجہ فتوحات کی طرف نہیں تھی

وہ تو یہ چاہتے تھے کہ معاشرے میں ایسے کردار بناتے چلے جائیں

ایسے انسان پیش کرتے چلے جائیں معاشرے کے سامنے کہ

قیامت تک انسانیت کا راستہ دھندلائے نہیں

اپنے قاتل کو شربت پلا کر
اپنے قاتل کو سہولتیں فراہم کر کے
آخری سانس تک حضرت علیؑ نے اپنے اس فریضے کا دفاع کیا
اس فریضے کی حفاظت کی
اس ذمہ داری کو بتایا کہ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ
قاتل سہی مگر انسان تو ہے
لہٰذا اسے انسانی سہولت دی جائے
اسے انسانی احترام ملنا چاہیے
تا کہ آخر وقت میں قاتل کو بھی یہ احساس ہو جائے کہ
میں نے کس کے سر پر ضربت لگائی تھی؟

سب کی کوشش یہی تھی۔ پیغمبر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی چالیس سال یہی کوششیں کیں کہ اپنے اوپر کوڑا پھینکنے والی، اپنے اوپر ملامت کرنے والی کی عیادت کو چلے گئے اس طرح ایک انسان وجود میں آ گیا۔ پورا مکہ تبدیل نہ ہو سکا۔ رسولؐ تو یہ چاہتے تھے کہ فتح میری یہ ہے کہ جاہلوں کے اس پورے معاشرے میں انسان پیدا کروں۔ انسان بنا دوں۔

ابوذرؓ، بلالؓ، عمارؓ، جناب عمارؓ کے والد جناب یاسرؓ جیسے انسانوں کو بنایا، رسولؐ کی فتح کیا تھی؟ تلملاتے کیوں تھے کفار قریش؟ کیوں کہ ان کے مقابلے میں تعلیمات تھیں اور ان تعلیمات کا تدارک، ان تعلیمات کا بدل کفار قریش کے پاس نہیں تھا۔ اسی لئے کفارِ قریش میں سے جہاں کہیں کسی دل میں حق کا نور موجود تھا اسے رسولؐ اور آل رسولؐ نے فتح کیا۔

دیکھئے! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں حق کا نور ہے۔ انسان حق کو تلاش کرنا چاہتا ہے لیکن کوئی اسے ہدایت کرنے والا نہیں ملتا لیکن جونہی کوئی ہدایت کرنے والا ملتا ہے، وہ جو نور ہے ہدایت کا وہ ایک دم اُسے اس راستے پر ڈال دیتا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّورِ (البقرہ ۲۵۷)

یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ مومنین جن کی سرپرستی اللہ کرتا ہے اگر ان کے دلوں میں نور ہے تو اللہ ان کو کبھی گمراہی میں نہیں رہنے دیتا۔ انھیں نکال کے لے آتا ہے ضلالت کے اندھیروں سے ہدایت کے نور کی طرف، ہدایت کی روشنی کی طرف۔ تو رسولؐ کیا ذمہ داری انجام دے رہے ہیں؟

بلالؓ جیسے اس معاشرے میں حق کے متلاشی سوچتے ہیں۔ جیسے آج سوچتے ہیں کہ بھئی کیا ہوگا۔ ان حالات کہ کا حل کیا ہے؟ اگر چہ غلام ہے مگر سوچا کرتے تھے کہ یہ کیا معاشرہ ہے؟ جیسے کہ ابوذرؓ عالم جاہلیت میں ان دیوتاؤں کا، ان بتوں کا، ان خداؤں کا مذاق اُڑایا کرتے تھے۔ سب ہی تاریخوں میں ملتا ہے۔ آتے بھی تھے اپنے ماں باپ کے ساتھ طواف کرنے لیکن طواف کی صورت حال دیکھتے تو مذاق بھی اُڑاتے تھے کہ تم یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ بت تمہیں کیا دیں گے؟ لعن طعن بھی ہوتی تھی جناب ابوذرؓ پہ، اسلام سے پہلے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ابوذرؓ کے دل میں حق کی تلاش موجود ہے۔ حق کے متلاشی ہیں ابوذرؓ۔

تو جیسے ہی اس نرم زمین پر تھوڑا سا پانی گرا، زراعت کی کھیتی اُگ آئی۔ اگر سنگلاخ زمین ہوتی، چٹیل میدان ہوتا، بنجر زمین ہوتی ابوجہل و ابولہب کی طرح جن کی آنکھوں کے سامنے پیغمبرؐ نے تربیت حاصل کی ہے۔ جن کے سامنے پیغمبرؐ جوان ہوئے ہیں۔ پورا مکہ گواہی دیتا ہے مگر گھر کا فرد ایمان نہیں لاتا۔ اس لئے کہ یہ بنجر زمین ہے، سنگلاخ چٹان ہے مگر جہاں جہاں زمین نرم ہے وہاں دو چھینٹے پڑے اور سبزہ اُگ آیا۔ پیغمبرؐ نے معاشرے کو انسان دیئے کہ دیکھو! ان کی کتنی قوت ہے۔ یہ چند لوگ ہیں، یہ فتح تھی رسولؐ کی۔ آپؐ تیرہ سال کی تبلیغی زندگی میں ناکام نہیں ہوئے کہیں یہ نہ آپ سمجھیں کہ مکہ کی تیرہ سال کی زندگی میں رسولؐ ناکام ہوئے اس لئے مدینہ گئے۔

رسولؐ کی سب سے بڑی کامیابی یہ تھی کہ آپؐ نے امّی کے قریب افراد اس معاشرے میں سے جہاں کوئی اس سسٹم کے خلاف بات نہیں کر سکتا تھا، ایک لفظ زبان سے نہیں نکال سکتا تھا،

معمولی گفتگو بھی نہیں کرسکتا تھا اس معاشرے میں ان انسانوں کی تربیت کی اور جب یہ تربیت یافتہ انسان مدینہ پہنچے کیونکہ ان میں سے کچھ پہلے پہنچے تھے تو پہلے ہی زمین ہموار ہو چکی ہے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ ایک انسانی اسلامی معاشرہ تشکیل پایا۔

یہی ذمہ داری رسول اکرمؐ نے اپنے ورثا میں منتقل کی۔ اب مولائے کائناتؑ کے ایک مختصر سے واقعے کی تکرار کروں گا۔ ذمہ داری کیا ہے؟ مسلمانوں کی تعداد تو لاکھوں تک پہنچ گئی ہے۔ اتنا بڑا اسلامی معاشرہ تشکیل پا گیا ہے لیکن رسولؐ کا وارث اور وارثِ قرآن یہ دیکھ رہا ہے کہ اسلام تو ہے، نماز بھی ہے، روزہ بھی ہے لیکن انسانیت نہیں ہے۔ انسانیت ختم ہوگئی ہے کیونکہ سابقہ فطرتِ امت میں عود کر آئی ہے۔ ادھر نبیؐ سامنے سے ہٹے، ادھر پیغمبرؐ سامنے سے ہٹے اور وہی سابقہ فطرت عود کر آئی یعنی اقتدار پرستی، شہوت پرستی جتنی خواہشاتِ نفس تھیں وہی سب ابھر کر ایک بار پھر اوپر آ گئیں۔ اب یہ لوگ اسلام سے ہٹ کر تو اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنا نہیں سکتے لہٰذا اسلام کے لبادے میں ہی ہر کام ہوگا۔

اسلام تو تھا اس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام موجود ہے مگر اسلام نے جو صفات بتائی تھیں وہ صفات ختم ہوگئیں۔ وہ رحم و کرم وہ ترحم ختم ہو گیا۔ وہ شفقت ختم ہوگئی، وہ نرمی ختم ہوگئی۔ کوڑوں کا بازار گرم ہو گیا۔ جلاد چوراہوں پر تلواریں لے کر بیٹھ گئے۔ اس طرح اسلام کو متعارف کرایا جاتا رہا اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض جگہوں پر اسی اسلام کو آئیڈیل سمجھ لیا گیا ہے۔ جہاں تلوار ہوگی، جہاں کوڑا ہوگا، جہاں سختی ہوگی، وہیں پر اسلام ہوگا۔

رسول اکرمؐ نے کتنے افراد کو سزا ہیں دیں، کتنے افراد کو بخش دیا، کتنے ہی افراد کو معاف کر دیا؟ مولائے کائناتؑ کتنی کوشش کرتے ہیں جب ایک مجرم آتا ہے کہ کسی طرح یہ بچ جائے۔ دیکھیے! جہاں سزا ضروری ہو وہاں سزا ہی دی جائے گی لیکن جہاں جرم پر سزا کی بجائے رحم و رافت کا نتیجہ بہتر ہو، انسانیت کی نشو ونما کا ذریعہ بننے کا امکان ہو وہاں پیغمبرؐ اور آپؐ کے حقیقی جانشین سزا کی بجائے معاف کرنے کو ترجیح دیتے ہیں کہ کسی طرح اس پر مہربانی کر دیں تاکہ یہ

رحمت وشفقت سے مستفیض ہو جائے، اس کے دل میں انسانیت پیدا ہو جائے اور یہ انسان بن جائے۔

کتنی ہی مثالیں ملیں گی۔ میں صرف ایک چھوٹی سی مثال دینا چاہتا ہوں وہ بھی اختصار کے ساتھ کیوں کہ پورا واقعہ آپ سنتے ہی رہتے ہیں۔ میرے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے اس لئے اسے دُہرانا چاہتا ہوں اس لیے ایک دو منٹ کی تکرار آپ کے لئے باعثِ زحمت نہیں ہوگی۔ آپؑ کی ظاہری خلافت کا دور ہے، ایک چور پکڑ کے لایا گیا۔ چوری ثابت ہوگئی۔ چوری ثابت ہوئی تو مولاؑ نے فرمایا کہ اس کی انگلیاں کاٹ دو۔ لوگوں میں چہ مگوئیاں ہونے لگیں وہ جو انسانی فطرت ہے کہ اپنوں کے جرم چھپا جاؤ دوسروں کے جرم عیاں کر دو۔

ہر جگہ یہ فطرت کام کر رہی ہے۔ ہم ہوں یا آپ ہوں، اپنا شعبہ ہو، اپنی صنف ہو، اپنی قوم ہو اپنا قبیلہ ہو تو اپنوں کا ہر جرم قابلِ معافی اور دوسروں کا کوئی جرم ایسا نہیں جسے معاف کیا جا سکے، جسے چھوڑا جا سکے۔ تو کسی نے کہا کہ مولاؑ یہ اپنے گروپ کا آدمی ہے، اپنے گروپ سے مراد یعنی آپؑ کا چاہنے والا ہے۔ کر بیٹھا ہے چوری۔ تو حضرت علیؑ نے کیا جواب دیا؟ اللہ کی حد جاری کرنا ہے اور شاید لوگ یہ بھی سمجھانا چاہتے ہیں کہ پہلے ہی مخالفین کی کیا کمی ہے جو اضافہ کر رہے ہیں؟ تو اس سے بھی ڈراتے ہیں گروہ، گروپ اور جماعتیں کہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرو جس سے مخالفت بڑھ جائے۔ چھوڑ دو ان کو یہ تو اپنے ہیں۔ احتساب ہو، کچھ ہو، انسانی فطرت کام کرتی ہے۔ یہ بڑا معرکہ ہے کہ انسان اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے۔ اپنے لوگوں کا محاسبہ کرے، اپنے افراد کو پکڑے، اپنے گروپ کے لوگوں پر پہلے ہاتھ ڈالے۔ یہ نفس کے ساتھ بڑا معرکہ ہے۔ یہ ہم سے آنکھیں پھیر لے گا اس لئے اسے چھوڑ دو۔ جب مولائے کائناتؑ کے سامنے یہ بات آئی کہ یہ اپنا ہے تو فرمایا کہ اس کی سزا میں تاخیر نہ کرو اس کی انگلیاں کاٹنے میں دیر نہ کرو۔ مخالفت کی پروا نہیں، اللہ کی حد جاری کرنا ہے۔ خدا اور رسولؐ کا قانون ہے لہٰذا جاری کرنا ہے چاہے کوئی بھی ہو۔

تو بس عدالتِ الٰہی کے سرخیل نے، پیش رو نے، حد جاری کر دی اور اس کائنات میں مثال

دی جاتی ہے عدل علیؑ کی۔ عدلِ الٰہی کے بعد عدلِ علیؑ کی اس لئے مثال دی جاتی ہے کہ رسولؐ آپؑ کے استاد ہیں۔ آپؐ ہی نے علیؑ کو مثالی عدل کی تعلیم فرمائی ہے۔ اب ایک چھوٹا سا جملہ آپ کی نذر کردوں۔ ''قسیم النار و جنة'' ہیں، علیؑ کو یہ اختیار دیا۔ مالکِ کوثر بنایا۔ ہم خوش ہیں۔

اب آپ یہ بتایئے خدا نے یہ اختیار کیوں دے دیا۔ پروردگار نے بھی تو اسی لئے اختیار دیا کہ جانتا ہے کہ جسے دے رہا ہوں وہ اپنے اختیار کو کیسے استعمال کرے گا؟

عزیزو! کبھی اس طرح بھی بات کی طرف غور کیا کہ اختیار یونہی تو نہیں دیا۔ جب اختیار دیا ہے تو جس نے خلق کیا ہے وہ مزاجِ امامت سے واقف ہے۔ وہ عدالتِ امامت سے واقف ہے۔ وہ مزاجِ عصمت سے واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ جب اختیار دے رہا ہوں اور جسے اختیار دے رہا ہوں وہ جانتا ہے کہ اختیار کو کیسے استعمال کرنا ہے اور دنیا میں علیؑ نے اس کی مثال پیش کر کے دیکھا دیا کہ اگر کوئی اپنا بھی جرم میں ملوث ہوا تو فرمایا کہ اس پر حد جاری دو۔

انگلیاں کٹ گئیں، کپڑا باندھ کر بھاگا، تکرار ہے اس واقعے میں لیکن میں آپ کو کسی نتیجے تک پہنچانا چاہ رہا ہوں۔ ایسی تکرار میں کوئی مضائقہ نہیں مومنین کے لئے اگر اس میں نفع اور فائدے والی بات ہو۔ بھاگا اور چیختا جاتا ہے راستے بھر میرا ہاتھ کاٹ دیا علیؑ نے، میرا ہاتھ کاٹ دیا علیؑ نے۔ اب جو مخالفین تھے وہ بھی خوش، جو منافقین تھے وہ بھی خوش کہ چلو بڑا علیؑ علیؑ کرتا تھا۔ اب آج اس کی زبان سے سنیں گے۔ معاذ اللہ علیؑ کی مذمت کرے گا اور اس نے بھی خوب شور مچایا، جب تک پورے شہر کو جمع نہ کرلیا چوراہے پہ، شہر کے مرکز میں، جب پورا شہر جمع ہو گیا پھر اس کے بعد اس نے علیؑ کا قصیدہ پڑھنا شروع کر دیا۔ علیؑ کی مدح بیان کرنی شروع کردی، علیؑ کی شان میں اشعار پڑھنا شروع کر دیئے۔ لوگ حیران ہو گئے کہ علیؑ نے تو تمہارا ہاتھ کاٹا، تمہیں چوری کی سزا دی اور تم ہو کہ قصیدہ پڑھے جا رہے ہو؟ لوگ دوڑے کر پہنچے ابھی حضرت علیؑ مسجد سے اُٹھے بھی نہیں ہیں۔ پہنچے دوڑے کر، مولاؑ وہ جس کے ہاتھ کی انگلیاں کاٹی تھیں وہ تو آپ کی مدح بیان کر رہا ہے۔ وہ تو آپ کا قصیدہ پڑھ رہا ہے۔ کہا بلا کے لاؤ اس کو۔ پھر اس کو پکڑ کے لایا گیا۔ کیوں بھیٔ

کیا ہوا ہم نے تمہارا ہاتھ کاٹا ہے تمہیں سزا دی ہے اور تم قصیدہ پڑھ رہے ہو؟ کہتا ہے خدا کی قسم! یا علیؑ اسی لئے تو قصیدہ پڑھ رہا ہوں کہ جب حدِ الٰہی کے جاری کرنے کی بات آئی، جب عدالت قائم کرنے کی بات آئی تو آپؑ نے اپنے اور غیر میں تمیز نہ کی، اسی لئے، میں آپؑ کو اپنا مولا مانتا ہوں۔

میں نے اسی لئے تو مولا مانا ہے کہ جب ذمہ داری دی گئی تو سزا دے کر یا تربیت کر کے انسان بنایا۔ ہر طریقے اور سلیقے سے جو انسان کو الٰہی راستے پر گامزن کر سکے۔ معصوم کا طریقہ یہی ہونا چاہئیے۔ اس لئے کہ معصومینؑ نے کہیں معاف کر کے انسان بنایا اور کہیں سزا دے کر انسان بنایا مولا علیؑ جانتے ہیں کہ اسے سزا دوں گا تو یہ ایسا انسان بنے گا کہ قیامت تک اس کا واقعہ باقی رہے گا۔ تو یہ معصومینؑ ہی جانتے ہیں کہ ان کی ذمہ داری کیا ہے؟ بعض لوگ تھے جو یہ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؑ کے ساتھ لوگ نہیں ہیں تو یہ بات درست نہیں ہے بلکہ امیر المومنینؑ نے اپنے گرد جو حلقہ رکھا وہ انسانوں کا حلقہ تھا۔

علیؑ کے شاگرد، علیؑ کے جرنیل، علیؑ کے دست و بازو، مالک اشترؓ کس مقام کے حامل ہیں؟ جن کے لئے آپؑ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جیسے میں رسولؐ کے لئے تھا ویسے ہی مالکؓ میرے لئے۔ یہ خود مولائے کائناتؑ کا ارشاد ہے میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا کہ مالک میرے لئے ایسا تھا جیسے میں رسولؐ کے لئے۔ مالکؓ کو کیسا انسان بنایا۔ اسی لئے امیر المومنینؑ نے یہ کردار دیئے کہ تمہارے لئے میری سیرت پر چلنا مشکل ہے، فوراً تم بہانہ بناؤ گے۔ ارے وہ کہاں اور ہم کہاں، وہ مولا ہم غلام، ارے وہ معصوم، وہ امام۔ تو کردار تخلیق کیے معصومینؑ نے کہ چلو ہم جیسے نہیں بن سکتے اور ہم جیسا تو کوئی بھی نہیں بن سکتا تو ان جیسے بن جاؤ۔

عثمان بن حنیفؓ جسے علیؑ نے بصرے کا والی بنایا تھا ان سے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تم میری سیرت پہ نہیں چل سکتے، تم مجھ جیسے نہیں بن سکتے لیکن اپنے مولا کا ساتھ تو دو۔ اتنا تو کرو کہ لوگ تمہاری شکائتیں مجھ تک نہ لائیں، ایسے کام تو نہ کرو، ایسے افعال تو انجام نہ دو کہ لوگ تمہاری

شکایتیں میرے پاس لائیں کہ آپؑ کے دوست نے ایسے کام کئے لہٰذا ایسے انسان تیار کیے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ علیؑ جیسا کوئی نہیں بن سکتا، کوئی بن ہی نہیں سکتا۔ کوئی تخلیق ہی نہیں کیا پروردگار نے دوسرا علیؑ۔ اگر کوئی دوسرا علیؑ تخلیق کیا ہوتا، کوئی کوشش کر لیتا مگر علیؑ تو ایک ہے کائنات میں۔

عزیزانِ محترم! اب مالک اشترؓ کو اس پیرائے میں دیکھئے! اس آئینے میں دیکھئے! مالک اشترؓ میں عکس تلاش کیجئے سیرتِ علیؑ کا۔ علیؑ نے یہ کردار تیار کیے کہ اگر علیؑ تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو مالکؓ تو غیر معصوم ہیں، ابنِ حنیفؓ تو غیر معصوم ہیں مگر میری تربیت کا اثر ہے ان میں۔ جناب مالکؓ بازار سے گذر رہے ہیں، ایک دکان پہ کسی جوان سے تکرار ہوگئی، اس نے کچھ مذاق اُڑایا، حلیہ دیکھ کے، مالکؓ نے ٹوکا اس نے اہانت کی تھوک دیا مالک اشترؓ پر۔ مالک اشترؓ نے وہ لعاب چہرے سے صاف کیا اور سر جھکا کر چلے گئے مسجد کی طرف۔ جس دکان پہ یہ واقعہ ہوا اس دکان دار نے گھبرا کے اپنی دکان بند کرنا شروع کی کہ یہ تو نے کیا غضب کیا، کہتا ہے کیا ہوا؟ کسی دوسرے شہر کا تھا۔ دکان دار نے کہا جانتا ہے تو نے یہ حرکت کس کے ساتھ کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بتایا یہ علیؑ کا جرنیل مالک اشترؓ تھا، علیؑ کا بانکا سپاہی مالک اشترؓ تھا اور مالک اشترؓ کا اس وقت نام تھا۔ مالک اشترؓ کی اس وقت دہشت تھی۔ کیسی دہشت؟

ایک اشارہ کردوں تاکہ آپ پر واضح ہوجائے۔ جب مالک اشترؓ شہادت کے درجے پر فائز ہوئے، مصر پہنچنے سے پہلے سازش کے ذریعے سے آپ کو قتل کر دیا گیا، شہید کر دیا گیا تو تاریخوں نے رقم کیا ہے کہ جب مالک اشترؓ کی شہادت کی خبر شام پہنچی تو بھرے دربار میں امیرِ شام نے یہ خبر سنتے ہی کھڑے ہو کر رقص کرنا شروع کر دیا کہ آج میں نے علیؑ کے سب سے مضبوط بازو کو کاٹ ڈالا۔ یہ مالک اشترؓ کی دہشت تھی۔ اگر صفین کی جنگ کبھی آپ نے سنی ہو۔ میں بھی پڑھ چکا ہوں تو آپ دیکھئے مالک اشترؓ کے کیا کارنامے اس جنگ میں؟

تو جب مالک اشترؓ کا مذاق اُڑانے والے نے سُنا تو لرزنے لگا، کانپنے لگا، دوڑا پیچھے پیچھے، کسی نے بتایا کہ مسجد میں داخل ہوئے ہیں۔ دیکھا سجدے میں مالک اشترؓ زار و قطار رو رہے ہیں۔

مغفرت طلب کرر ہے ہیں کسی کے لئے۔ مالک اشترؓ نے سجدے سے سر اُٹھا کر دیکھا معافی مانگنے لگا۔اے مالک! مجھے معلوم نہیں تھا کہ آپ ہیں مجھے بخش دیجئے، معاف کر دیجئے۔ مالکؓ نے مسکرا کے دیکھا اور کہا دیکھ نماز کا وقت نہیں میں مسجد میں اسی لئے تو آیا ہوں کہ تیرے لئے مغفرت طلب کروں میں نے تو تجھے اسی وقت معاف کر دیا تھا۔ میں تو خدا سے تیری اس حرکت کی مغفرت طلب کرر ہا تھا۔ نتیجہ کیا ہوا اس بات کا کہ وہ مالکؓ کے قدموں سے ایسا چمٹا کہ الگ ہونے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے ایسی وفاداری اختیار کی کہ جناب مالکؓ کے لشکر کا سپاہی قرار پایا اور درجۂ شہادت پر فائز ہوا کسی جنگ میں جس کا نام اس وقت میرے ذہن میں نہیں ہے۔

یہ کردار علیؑ نے تیار کیے تھے۔ کیسے انسان بنائے کہ وہ ذمّی جو مولائے کائناتؑ کی حکومت میں رہتے ہیں ان کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ اتنی محبت کرتے تھے مولائے کائناتؑ سے، وہ کفار و مشرکین جو علیؑ کی حکومت میں رہتے تھے اس وجہ سے محبت کرتے تھے کہ آپؑ نے اپنے ہر والی کو حکم دیا ہوا تھا کہ خلقِ خدا میں سے کوئی ہو، چاہے تمہارا دینی بھائی ہو، چاہے غیر مسلم ہو تم ان سب کے لئے باپ کی مثل ہو تو جیسے ایک باپ کی نظر میں اولاد برابر ہوا کرتی ہے، ویسے ہی تم بھی عوام الناس کے ساتھ پیش آنا۔ تمہیں ایک باپ کی نظر سے رعایا کو دیکھنا ہے۔ تو ان ذمّیوں کے لئے قول مشہور ہے کہ مولائے کائناتؑ کی زندگی میں نبیؐ کو تو جھٹلاتے تھے، مسلمان تو تھے نہیں اس لئے کہ نبیؐ کی تصدیق کرتے تو اسلام قبول کرنا پڑتا لیکن علیؑ کی عدالت، علیؑ کا ترحم دیکھ کے علیؑ سے محبت کرتے تھے۔ ایسا ہی ایک شخص حضرت علیؑ کے راستے میں ساتھ ہوا اس کو معلوم نہیں ہے کہ امیر المومنینؑ ہیں۔ ساتھ ہو گیا۔ پوچھا کہاں کا قصد ہے؟ کہنے لگا کوفے کے قریب ایک چوراہے سے راستہ الگ ہو جائے گا۔ ساتھ ہوئے دونوں۔ تو جب مولائے کائناتؑ کے مڑنے کی جگہ آئی، نہیں مڑے کوفہ کی طرف تھوڑی دور اس کے ساتھ ساتھ چلے تو اس نے کہا آ گیا آپ کا مقام اب آپ جایئے یہاں سے۔ آپؑ نے فرمایا نہیں ہمارے رسولؐ کا حکم ہے کہ جب کسی کے ہم سفر بنو تو سفر میں تھوڑی دور تک اس کے ساتھ چلو۔ اگر اس کا راستہ کوئی اور بھی ہو تو اسے ایسے ہی نہ چھوڑ

جاؤ۔تھوڑی دور تک اس کے ساتھ رہو، ہم رکاب رہو تا کہ اسے احساس نہ ہو۔ یہ رفاقت کا اصول ہے، یہ ہم سفری کا اصول ہے کہ اگر کوئی تم سے آگے جانے والا ہے تو تھوڑی دور اس کی ہم سفری کرو۔

بڑا حیران ہوا کہ اچھا یہ آپؑ کے رسولؐ کی تعلیمات ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا۔ ہمیں تو رسولؐ کے بارے میں کچھ اور ہی بتایا گیا ہے۔ اتنا متاثر ہوا کہ کہنے لگا کہ اب میری یہ خواہش ہے کہ میں آپؑ کے ساتھ کوفے چلوں۔ کیا اجازت دیں گے کہ تھوڑی دیر آپؑ کے ساتھ رہوں۔ ابھی تک نہیں معلوم ہے اسے کہ یہ امیر المومنینؑ ہیں۔ اس پوری سرزمین کے ظاہری حاکم، باطنی حاکم تو ہیں ہی۔ اس وقت خلیفۃ فی الارض ہیں، خلیفۃ المسلمین ہیں، امیر المومنینؑ ہیں، نہیں معلوم اُسے۔

دونوں شہر میں داخل ہوئے، جب لوگوں نے سلام کلام کرنا شروع کیا، دست بوسی شروع کی ،لوگ قریب آنا شروع ہوئے، بڑا حیران ہوا کسی سے پوچھا یہ کون ہے؟ کہنے والے نے کہا تو نہیں جانتا ساتھ آرہا ہے؟ کہنے لگا مجھے تو نہیں معلوم سفر میں ساتھ ہو گیا تھا۔ کہا ارے بھائی یہ امیر المومنینؑ ہیں علیؑ ابنِ ابی طالبؑ۔ پیر پکڑ لئے، کلمہ پڑھتا ہے۔

اَشْهَدُ أنْ لَّااِلٰـهَ اِلّا اللّٰهُ

وَ اَشْهَدُ أنَّ مُحَمَّداً رَسُولُ اللّٰهِ

وَ أشْهَدُ أنْتَ وَلِیُّ اللّٰهِ

اور آپ اللہ کے ولی ہیں

یہ تعلیم تھی علیؑ کی۔ اس کو ایسا اسیر کیا، ایسا اسیر کیا کہ اسی وقت اسلام قبول کرتا ہے۔ تلوار کے زور پہ نہیں پڑھوایا کہ پڑھو کلمہ، داخل ہو ہمارے گروہ میں ورنہ قتل کر کے پھینک دیں گے۔ مانو ہماری بات، ورنہ ایسا کر دیں گے اور ویسا کر دیں گے، نہیں۔

علیؑ تو یہ چاہتے ہیں کہ ایک آئے میرے ساتھ مگر ایسا آئے کہ اس پر میری حکومت ایسی ہو کہ

قیامت تک وہ مجھے ہی اپنا امیر جانے کسی اور کو نہیں۔

تو یہ انسان سازی کا کام ہے جو معصومینؑ کے ہاتھوں جاری ہے اور وہ دور ہے غلامی کا، اور کیسا سسٹم ہے غلامی کا؟ بس دو چار جملوں میں پسِ منظر بیان کروں گا، تھوڑی سی بات کروں گا آج تا کہ بات ادھوری نہ چھوڑنا پڑے۔

غلامی کا سسٹم انسانی معاشرے میں ایسا رائج تھا کہ ارسطو اور افلاطون جیسے انسان دوست بھی اس غلامی کے سسٹم کے حامی تھے، کہتے تھے کسی معاشرے کی ترقی کے لئے غاموں کا وجود ضروری ہے۔ وہ بھی اسے انسانی معاشرے کا حصّہ سمجھتے تھے جب کہ غلاموں کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ ایسے سمجھا جاتا تھا جیسے بھیڑ بکریاں۔ جب ملکیت اور پراپرٹی کا حساب کیا جاتا تو جس طرح مال و املاک کی مختلف دوسری چیزیں شمار کی جاتی تھیں مثلاً بھیڑ بکریاں اسی طرح اس کے غلاموں کا شمار بھی کیا جاتا۔ یا جیسے اس کے پاس سو اونٹ، سو بھیڑیں، سو غلام اور پچاس کنیزیں ہیں یعنی وہ ایک ملکیت سمجھی جاتی تھی۔ غلامی کا ایسا بدترین سسٹم تھا جسے اکھاڑ پھینکنا ممکن ہی نہیں تھا اور ظاہر ہے، اسلامی مزاج کے خلاف تھا یہ سب کچھ مگر اکھاڑ کے پھینکا نہیں جا سکتا تھا۔ کیوں اکھاڑ کر نہیں پھینکا جا سکتا تھا؟ لوگ سوال بھی کرتے ہیں کہ صاحب! جب اسلام اتنا انسان دوست نظام تھا، اتنا انسانوں کا احترام سیکھاتا تھا تو غلامی کے سسٹم کو جڑ سے اُکھاڑ کر کیوں نہیں پھینک دیا۔ اعلان کیوں نہیں کر دیا۔

پہلے روایات دیکھئے! رسولؐ نے لوگوں کو تعلیم کیا کہ جیسا خود کھاؤ ویسا ہی غلام کو کھلاؤ، جیسا خود پہنو ویسا ہی غلام کو پہناؤ۔ ایک غلام کو آزاد کرنے کا اتنا ثواب، ایک کنیز کو آزاد کرنے کا اتنا ثواب، زکواۃ کا بہتر مصرف یہ قرار دیا کہ کسی غلام یا کنیز کو آزاد کرا دو۔ تو پھر رسولؐ نے یہ اعلان کیوں نہیں کر دیا کہ غلامی کو ختم کر دیا جائے؟ اماموں نے یہ اعلان کیوں نہیں کر دیا کہ غلامی کے سسٹم کو ختم کر دیا جائے۔

نہیں عزیزو! جب بھی غیر عقلی طریقے پر کوئی کام انجام دیا جائے گا اس کا نتیجہ غلط نکلے گا۔ اس

موضوع پر میں دو تین سال پہلے بات کر چکا ہوں۔صرف اشارہ کر رہا ہوں کہ مولائے کائناتؑ نے کس انداز میں اس سسٹم کو اُکھاڑنے کے لئے زمین ہموار کی۔اگر اس وقت ایک ہی بار سارے کے سارے غلاموں کو آزاد کر دیا جاتا جو معیشت پر بار ہیں، جنہیں اپنی حیثیت ہی معلوم نہیں۔کام کریں گے، کھانا ملے گا، کام کریں گے کپڑا ملے گا، یہ ان کی حیثیت ہے۔اب ایک معاشرے میں جتنی آبادی ہے اس کا تیسرا حصہ غلاموں پر مشتمل ہے اگر ایک لاکھ آبادی ہے تو تیس لاکھ غلام اور ایسے ایسے سرمایہ دار بھی ہیں جن کے پاس ڈیڑھ ڈیڑھ دو سو غلام بھی ہیں تو آبادی میں آزاد اور غلام لوگوں کا تناسب یہ ہے۔کسی معاشرے میں اس کی تیس فی صد آبادی کو آزاد کر دیا جائے جو نہ کما سکتی ہے، نہ جس کے لئے نوکری کا انتظام ہے، جس کے لئے نہ اور کوئی انتظام ہے۔تو اتنی بڑی آبادی کا کیا ہوگا؟ مالکان تو گھروں سے نکال دیں گے کہ جاؤ آزاد ہو۔اب نہ تمہارا کھانا ہمارے ذمے، نہ تمہارا پہنا ہمارے ذمے۔تو سوچئے کہ معاشرے میں کتنا بڑا فساد برپا ہوگا۔اتنی بڑی آبادی جب آزاد انسانوں کی حیثیت سے معاشرے میں وارد ہوتی اور اس کے لئے کوئی بندوبست ہی نہیں ہوتا معاشرے میں گزر بسر کا، جب معاشی سسٹم نہ ہوتا تو نتیجے میں کیا ہوتا؟ اخلاقی فساد وتباہی مچا دیتا۔بالکل ایسا ہوتا جیسے پہلے بھی میں نے کبھی مثال دی تھی کہ جو حشر ہمارے یہاں بغیر سوچے سمجھے نیشنلائزیشن (قومیانے) کا نکلا تھا۔صبح اسکولوں سے بینچ بھی غائب ہو گئے تھے، رات اعلان ہوا تو راتوں رات صفائی پھیر دی کہ جو بچ سکتا ہے وہ تو بچاؤ۔

اچھا کام تھا یا برا کام اس سے بحث نہیں۔اچھا کام بھی ہو تو ایک طریقے سے کیا جاتا ہے لہٰذا رسولؐ نے زمین ہموار کی کہ یہ غلام بھی تم جیسے انسان ہیں۔علیؑ نے بھی زمین ہموار کی کہ کچھ اور نہ سمجھو یہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں۔کنیز کے لئے قانون بتا دیا کہ اگر اس کے ساتھ زوجیت کا رشتہ استوار کرتے ہو تو اس سے اولاد ہو گئی تو مالک کے مرتے ہی آزاد ہے۔پہلے نسلاً بعد نسلاً غلامی چلا کرتی تھی۔

مولائے کائناتؑ نے اپنے عمل کے ذریعےؑ سے غلامی کے مروجہ نظام پر کیسے ضرب لگائی؟

اس بات کی تصدیق کس نے کی؟ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ میرے جدّ علیؑ نے مزدوری کر کے ایک ہزار غلاموں کو آزاد کرایا۔ خود مزدوری کی تا کہ یہ نجات پا جائیں۔ یہ انسان کہلانے کے مستحق بن جائیں۔

عملی طور پر گھر کے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ آپؑ کا تعلق کیسا تھا؟ بچوں تک کو یہ بتا دیا تھا کہ فضّہ کنیز نہیں ہے۔ اسی لئے بچے کیا کہتے تھے، امّاں فضّہ۔ تو اس کنیز کو اگر آزاد بھی کر دیا تو وہ گھر سے جانے پر تیار نہیں کہ مجھے آزادی سے اس گھر کی غلامی عزیز ہے۔

اگر غلام مصری قنبر ایک بار غلامی میں آ گیا تو اب علیؑ چاہیں بھی کہ آزاد کر دیں تو مجھے بتایئے! ایک بار جو علیؑ کی محبت میں گرفتار ہو گیا، علیؑ کی محبت کا اسیر ہو گیا، علیؑ کی محبت کا شیدا ہو گیا پھر بھلا وہ آزاد ہو سکتا ہے اس اسیری سے، اس رہائی سے اسے وہ قید عزیز ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ علیؑ نے اُسے عظمت بخشی، علیؑ نے اسے احساس دلایا کہ تو بھی دوسرے انسانوں جیسا انسان ہے۔ تیرا بھی ایک مقام ہے۔ مت سمجھ کہ بنانے والے نے تجھے پست انسان بنایا ہے۔ ان غلاموں میں معصومینؑ نے یہ احساس پیدا کیا۔

اپنے غلاموں میں بیٹھے ہوئے ہیں تو کوئی تمیز نہیں کر سکتا کہ ان میں غلام کون ہے اور امام کون ہے؟ اس طرح سے بیٹھ کے کھانا کھا رہے ہیں۔ امامؑ اس طرح سے درسِ انسانیت دے رہے ہیں۔

یہ موضوع مکمل نہیں ہوا مگر وقت کی محدودیت کو دیکھتے ہوئے میں بات کو مختصر کرتا ہوں۔

حضرت امام حسن مجتبیٰؑ اسی راستے پر چل رہے ہیں یا نہیں؟

پورا شام اسیر نہیں ہو سکتا

پورا شام انسان نہیں بن سکتا

لیکن اگر کوئی انسان بن سکتا ہے تو اسے انسان بنانے سے بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ معاذاللہ علیؑ اور اولاد علیؑ پر دشنام طرازی کرنا عبادت سمجھا جاتا تھا۔ اہل شام اہل بیتؑ کو بُرا بھلا کہنا عبادت

خیال کیا کرتے تھے۔

یہ تاریخ کے حقائق ہیں جن سے صفحاتِ تاریخ بھرے پڑے ہیں۔جن کی تردید آج بھی ناممکن ہے۔اس وقت ہمارا یہ موضوع نہیں ہے۔شام سے چلا ایک شخص جو پروپیگنڈے کا شکار تھا۔اس کے دل میں علیؑ اور اولادِ علیؑ یعنی اہلِ بیت محمدؐ کے لئے نفرت بھر دی گئی تھی، بغض بھر دیا گیا تھا۔اچھا، علیؑ نے اتنی دشمنی کی اسلام کے ساتھ۔شام سے سفر کیا، مدینے پہنچا۔پوچھا حسنؑ ابنِ علیؑ کہاں ملیں گے؟ کہا مسجد میں۔امام حسنؑ نکل رہے ہیں مسجد سے، ظاہر ہے مدینہ ہے لوگ بھی ساتھ ہیں، تنہا تو نہیں ہیں امامؑ۔انصار بھی ساتھ ہیں، دوست بھی ساتھ ہیں۔اس نے روکا، اپنے آپ کو بڑا بہادر سمجھ رہا ہے کہ گویا اسلام کی بڑی خدمت کر رہا ہوں۔انسان پر جہالت کی تاریکی چھا جائے تو یہی سمجھتا ہے کہ بس میں ہی درست ہوں، سلام کی خدمت کر رہا ہوں۔تو بڑی دلیری سے آگے بڑھا اور جناب امام حسنؑ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

امام حسنؑ خاموش رہے۔اب جو امامؑ کے ہمراہ تھے ظاہر ہے وہ طیش میں آ گئے، غصے میں آ گئے۔انھوں نے چاہا کہ لپک کر اُسے پکڑیں مگر امامؑ نے روک دیا۔فرمایا کہ نہیں اسے کچھ نہیں کہو۔جب وہ دل کی بھڑاس نکال چکا، بُرا بھلا کہہ چکا تو امامؑ اس سے مخاطب ہوئے اور فرمایا! دیکھنے میں مسافر لگتا ہے، اس شہر کا نہیں ہے۔وہ کہنے لگا۔ہاں شام سے آیا ہوں۔آپ نے فرمایا کہ یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔میرا دل چاہتا ہے کہ تو ابھی سفر کر کے آیا ہے آج کی شب میرا مہمان بن جا۔جتنی مجھ سے ہو سکے گی تیری خدمت کروں گا۔اگر تیرا زادِ راہ کم ہے تو تجھے زادِ راہ بھی دوں گا۔اب اس نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ حسنؑ ابنِ علیؑ ہی ہیں ناں؟

فرمایا کہ ہاں میں ہی حسنؑ ابنِ علیؑ ہوں تو نے صحیح پہچانا ہے۔گھوڑے سے اُترا اور کہنے لگا۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام ۱۲۴)

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ رسالت کو کہاں قرار دے یعنی اُسے امام حسنؑ کے رویے سے یہ احساس ہوا کہ وہ غلطی پر ہے۔اسی لئے کہہ اُٹھا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ رسالت کو کس گھر میں

قرار دے۔قدموں پہ گر پڑا اور کہنے لگا کہ مجھے تو کچھ اور ہی بتایا گیا تھا۔امام حسنؑ نے فرمایا یہ سب بعد کی بات ہے۔ہر وہ بات جو کان سنتے ہیں سبھی کچھ تو سچ نہیں ہوتا۔جھوٹ اور سچ میں ایک مشت کا فاصلہ ہی تو بتایا ہے مولائے کائناتؑ نے۔فرمایا جو کان سنتے ہیں اس پر یقین نہ کرو جو آنکھ دیکھے وہ سچ ہوا کرتا ہے۔

اب جب یہ شام واپس گیا تو سب کچھ بدل چکا تھا تب بھی مسلمان تھا، کلمہ بھی پڑھتا تھا، نماز بھی پڑھتا تھا مگر اسے نہیں معلوم نہ تھا کہ حقیقی مسلمان کسے کہتے ہیں؟ مسلمان اس وقت تک مکمل مسلمان نہیں بن سکتا جب تک انسان نہ بن جائے، اس میں انسانیت نہ آ جائے۔اب جو شام گیا تو مکمل انسان بن کر گیا۔

اب آپ دیکھئے! معجزہ۔تاریخ کا معجزہ دیکھئے آپ! کہ ایسے چند انسان شام پہنچے تو چودہ سو سال کے تغیر نے کیا کیا؟ وہ شام جو پایۂ تخت تھا۔وہ شام جو دشمنانِ اہلِ بیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔آج اس شام کی کیفیت کیا ہے؟ آج اس شام کے لوگوں کا بطور کلی حال کیا ہے؟ آج آپ کو دیگر مکاتبِ فکر کے لوگ تو ملیں گے۔ہمارے برادران اور ظاہر ہے یہ ہر جگہ ہیں، ہمارے بھائی ہیں مگر دشمنِ اہلِ بیت شام میں ایک بھی نہیں مل سکے گا جو کہ دشمنانِ اہلِ بیت کا مرکز تھا۔

یہ چند انسان وہاں پہنچے تو انھوں نے اس پروپیگنڈے کا توڑ کیا کہ نہیں تم غلط کہتے ہو، ہم تو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں، تم فقط سنتے ہو مگر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آئے ہیں کہ وہ کیسے لوگ ہیں، کیسے کردار ہیں؟ اللہ نے اسی لئے ان کے گھر میں رسالت بھیجی ہے۔اللہ نے اسی لئے انھیں رسولؐ کا وارث بنایا ہے۔اسی لئے ان کی اطاعت کو ہم پر واجب قرار دیا ہے۔

اس لئے جب کوئی ہادی برحق ملتا ہے، ہدایت کرنے والا ملتا ہے تو نور جگمگا اُٹھتا ہے۔ایسے ہی ایک انسان کے آج مجھے مصائب پڑھنا ہیں۔وہ کون ہے؟ وہ ہے حُرابنِ یزید ریاحی، ایک عام سپاہی ہے۔ایک مختصر سے لشکر کا ہزار یا دو ہزار سپاہیوں کا سردار ہے۔اس کو حکم ملا ہے کہ جاؤ روکو امام حسینؑ کا رستہ۔وہ اپنی ڈیوٹی انجام دے رہا ہے، نوکری کر رہا ہے۔اسے معلوم ہے کہ جنگ چل

رہی ہے، ان کا آپس میں مناقشہ چل رہا ہے، ختم ہو جائے گا، صلح ہو جائے گی۔ میری نوکری بچ جائے گی۔ آیا، راستہ رُوک لیا کہ فرزندِ رسولؐ مجھے حکم ملا ہے آپ یا تو مدینے واپس جائیں، یا شام کی طرف جائیں اور یہاں بحث ہوئی، امامؑ راضی نہیں ہیں واپس جانے پہ۔ فرمایا نہیں میں عراق کی طرف جاؤں گا۔ حُر نے کہا مجھے حکم ہوا ہے آپ کو عراق جانے سے روکوں۔

امامؑ اپنی سواری پر سوار ہو گئے۔ گھوڑے کو ایڑ دی۔ اس نے گھوڑے کی لگام میں ہاتھ ڈال دیا۔ کہا یہ ذمہ داری ہے مجھے یہی حکم ملا ہے کہ آپ میری مرضی کے مطابق چلیں۔ اس نے یہ حرکت کی امامؑ نے فرمایا چھوڑ میرے گھوڑے کی لگام تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے، تیری ماں تیرے ماتم میں روئے۔ فوراً دہشت زدہ ہو کر اس نے لگام چھوڑ دی اور لگام چھوڑنے کے بعد سر بھی جھکا لیا۔ حُر سر جھکا کر کہنے لگا کہ فرزندِ رسولؐ آپ تو میری ماں کے بارے میں یہ بات کہہ سکتے ہیں مگر میں آپؑ کی مادرِ گرامی کے بارے میں سوائے درود و سلام کے کچھ نہیں کہہ سکتا یعنی آپ یہ دیکھئے کہ حُر اتنا تو جانتا ہے کہ فاطمہؑ رسول کی بیٹی ہیں اور حسینؑ ان کے بیٹے ہیں۔ اچھا اتنا تو عمر سعد بھی جانتا تھا، ابنِ زیاد بھی جانتا تھا بلکہ وہ تو حُر سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں مگر انھوں کیا سلوک کیا؟ لیکن حُر نے دیکھا نہیں فقط سُنا ہے کہ نواسہ رسولؐ ہیں۔ کہتا ہے کچھ نہیں کہہ سکتا میں کچھ نہیں کر سکتا میرے لئے نجات کا راستہ نکالئے کہ میں کیا کروں؟ آخر طے ہوا کہ اچھا تیرا راستہ انتخاب کرتے ہیں۔ جب تک دوسرا حکم آتا ہے۔ نہر فرات کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا، نماز کا وقت ہو گیا۔ حُر نے بھی وضو کیا۔ دو جماعتیں کھڑی ہو گئیں۔ ایک جماعت حُر کے سپاہیوں کی کہ حُر آئے گا اور جماعت کی امامت کرے گا اور حُر نے دیکھا بائیں طرف ایک جماعت اور کھڑی ہے حسینؑ کے انصار کی جو حسینؑ کی امامت میں نماز ادا کرے گی۔ اب یہ پریشان ہو گیا کہ میں کیا کروں؟

ایک طرف فرزندِ رسولؐ کی امامت دوسری طرف حُر کے سپاہیوں نے حُر کو آواز دی تجھے کیا ہو گیا امامت کر آ کے صفیں درست ہو گئیں۔ حُر نے کہا کیسی باتیں کرتے ہو ارے آج تو مجھے موقع ملا ہے کہ میں نواسۂ رسولؐ کی اقتدا میں نماز پڑھوں۔ چھوڑا ادھر کی صفوں کو اور حسینؑ کی صف میں

آ گیا۔ یہ پہلا موقع ہے جب حُر حسینؑ کی صف میں آیا۔

امامؑ مسکرا رہے ہیں۔ امامؑ کی محبت کا تیر نشانے پر لگ گیا اور میں آپ سے عرض کرتا رہتا ہوں کہ جس کے دل پر بھی یہ تیر چل گیا اُسے امامؑ کی محبت میں تڑپنے میں ہی لذت محسوس ہوتی ہے۔ امامؑ کی محبت میں، امامؑ سے محبت کرنے والوں پر جو مصیبتیں پڑتی ہیں اس لذت کو دشمن ہرگز نہیں پہچان سکتے کہ امامؑ کے عشق میں رونے میں کتنا مزہ ہے؟ امامؑ کے عشق میں زخم کھانے میں کتنا مزہ ہے۔ امامؑ کے عشق میں مصیبتیں سہنے میں جو لذت ہے، دنیاوی منافع حاصل کرنے والوں کو اس لذت کا اندازہ نہیں ہوسکتا، انھیں کیا معلوم کہ امامؑ کی محبت میں تکلیفیں انسان کو کیسی لذت عطا کرتی ہیں؟

بس محبت حسینؑ کا تیر نشانے پر بیٹھا، ادھر حُر آیا زہیر نے صف میں جگہ بنائی، حبیب نے بھی جگہ بنائی۔ سب خوش ہوئے کہ چلو حُر نے ہمارے ساتھ نماز ادا کی۔ اب تاریخیں کہتی ہیں کہ وہاں سے کربلا تک جتنی بار نماز ہوئی حُر اپنی صفیں چھوڑ کر آتا رہا۔

عمر ابنِ سعد پہنچ گیا کربلا میں۔ کمان عمر ابنِ سعد کے پاس ہے۔ اب حُر آ گیا عمر ابنِ سعد کے ماتحت۔ عمر سعد کربلا میں یزید کی تمام فوج کا سپہ سالار بن گیا۔ اب حُر دیکھ رہا ہے، حُر مشاہدہ کر رہا ہے۔ کشمکش جاری ہے، حُر دیکھ رہا ہے کہ اُدھر لشکر پہ لشکر آ رہے ہیں اور اِدھر کچھ بھی نہیں ہے یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا۔ ۵ محرم کو نہر سے خیمے ہٹانے کا حکم ہوا۔ وہ بھی اس نے مشاہدہ کیا۔ نہر سے خیمے ہٹا دیئے گئے۔

تفصیلی واقعہ ۸ محرم کو سُنیے گا۔ خیمے ہٹ گئے۔ ۷ محرم کو حُر نے یہ بھی دیکھا کہ پانی بند کر دیا گیا۔ نہر پہ پہرہ لگا دیا گیا۔ تین روز ایسے ہی گزر گئے۔ ۹ محرم کی شب جنگ کا اعلان ہو گیا۔ حُر پریشان ہو گیا۔ اِدھر حسینؑ کا پیغام پہنچا کہ ایک دن کے لئے جنگ کو موخر کر دو۔ لوگ کہتے ہیں مہلت مانگی، نہیں، مہلت دے دی ایک دن کی کہ ایک دن ٹال دو کیوں کہ ابھی لشکر پورا نہیں ہوا۔ ابھی میرا ایک سردار باقی ہے۔ ابھی میرا ایک سپاہی باقی ہے۔ ابھی مکمل نہیں ہوا لشکر۔ ایک دن

جنگ اور ٹال دو۔

قبول کرلیا گیا اس پیغام کو، موخر ہوگئی جنگ، اب شبِ عاشور اصل جنگ ہوئی، جس میں حسینؑ نے فتح حاصل کی اور عمر ابن سعد کو شکست ہوگئی۔ شب عاشور حُر نماز سے فارغ ہوا۔ خیمے سے باہر نکلا، خیام حسینی سے کانوں میں یا مناجات کی آوازیں آرہی ہیں یا چھوٹے چھوٹے بچوں کی العطش، العطش، العطش، ہائے پیاس، ہائے پیاس، ہائے پیاس کی آوازیں آرہی ہیں۔ بے چین ہوگیا حُر یہ آوازیں سُن کے۔

ٹہل رہا ہے خیمے کے باہر اور سوچ رہا ہے کہ کیا یہ اولادِ رسولؐ نہیں ہے؟ کیا یہ رسولؐ کی بیٹیاں نہیں ہیں، نواسیاں نہیں ہیں؟ کیا حسینؑ، رسولؐ کا بیٹا نہیں ہے؟ آج تک حُر جو کچھ بھی سنتا آیا تھا وہ اس کے ذہن میں آرہا ہے۔

حُر سے نہیں برداشت ہوا، نصف شب کے وقت پہنچا عمر ابن سعد کے خیمے میں اور پوچھا اے عمر ابن سعد کیا صُبح جنگ ہوگی؟ عمر ابن سعد کہتا ہے کیوں، کیا تجھے نہیں معلوم کہ حسینؑ بیعت کرنے والے نہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ ہمارا مقابلہ ہاشمیوں سے ہے۔ جنگ بھی کوئی معمولی نہیں ہوگی۔ جب جنگ ہوگی تو تیروں کی بارش ہوگی۔ تیروں کا مینہ برسے گا۔ جسموں کے ٹکڑے اُڑ جائیں گے۔ تلواریں چلیں گی۔ نیزوں کی بجلیاں کڑکیں گی۔ پوری جنگ کا منظر عمر سعد نے حُر کے سامنے بیان کردیا۔ حُر کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ خیمے سے باہر نکل گیا پھر خیمے میں آیا، رات ڈھلتی جارہی ہے۔ حُر ہاتھ مل رہا ہے اور ٹہل رہا ہے۔ بھائی نے دیکھا تو پوچھا تجھے کیا ہوگیا، کس لئے ایسا پیلا پڑ گیا ہے، کسی جنگ میں تیرا ایسا حال نہیں دیکھا؟

یہ اتنا مختصر سا لشکر اور اس کے مقابلے میں تیری یہ حالت؟ حُر نے پلٹ کر کہا بھائی یہ تو بتا یہ مختصر سا لشکر ہے کس کا؟ جسے تو مختصر سا لشکر کہہ رہا ہے، یہ لشکر ہے کس کا؟ بھائی نے سر جھکا دیا اور جواب دیا کہ نواسۂ رسول کا۔ سبطِ رسول کا۔ کہا بھائی ذرا غور سے سن کہ یہ کیا آوازیں آرہی ہیں؟ سکوت طاری ہوا تو یا انصار حسینی کی آیات الٰہی کی تلاوت، خدا کی بارگاہ میں مناجات اور یا پیاسے بچوں کی

العطش العطش کی صدائیں بلند تھیں۔ہائے پیاس ہلاک کئے ڈالتی ہے۔ہائے پیاس مارے ڈالتی ہے۔کوئی پانی کا بندوبست کرنے والا نہیں ہے؟

حُر نے بھائی سے سوال کیا، بھائی ایک بات تو بتا کہ ہمارا ہوگا کیا؟ میری تو یہ حالت ہے کہ ایک طرف جنت کی ٹھنڈک اور دوسری طرف دوزخ کی تپش کو محسوس کر رہا ہوں، قدم اُدھر بڑھاتا ہوں تو جانتا ہوں کہ مار دیا جاؤں گا، قتل کر دیا جاؤں گا لیکن یہ تو یقین ہے کہ اگر فرزندِ رسولؐ کے ساتھ قتل کر دیا گیا تو وہ میری شفاعت کے ضامن ہوں گے۔ مادرِ حسینؑ، رسولؐ کی بیٹی تو میری شفاعت کرے گی لیکن اگر یزیدی لشکر کے ساتھ رہا اور جیت بھی گیا، زندہ بھی رہا تو مال وانعام تو ملے گا، منصب تو ملے گا لیکن اے میرے بھائی! اس بات کی ضمانت کون دے گا کہ ہم جہنم کا ایندھن نہیں بنیں گے۔فرزندِ رسولؐ کے خون سے ہاتھ رنگین کرنے کے بعد کیا تو توقع کرتا ہے کہ تیری نجات ہو جائے گی؟

بھائی کہتا ہے حُر بھر تو نے کیا فیصلہ کیا؟

کیا ارادہ ہے تیرا؟

حُر نے اپنے ہتھیار سنبھالے کہ میں تو چلا۔ میں نے فیصلہ کر لیا اور میں ہی تو ذمہ دار ہوں، میں نے تو سب سے پہلے قافلہ روکا، میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔ میں جا رہا ہوں حسینؑ کی طرف ،دلیر تھا، شجاع تھا۔اسے کہتے ہیں بہادر، اسے کہتے ہیں دلیر، اپنے نفس کو کچل کر رکھ دیا حُر نے۔بس اِدھر یہ نکلا اُدھر بھائی نے کہا میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔ بیٹے سے پوچھا تیرا کیا ارادہ ہے؟ بیٹا بھی تو حُر کا بیٹا ہے اس کی رگوں میں بھی تو حُر کا خون دوڑ رہا ہے۔بابا یہ مجھ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں میں بھی ساتھ جاؤں گا۔غلام سے کہا جا تجھے آزاد کر دیا۔غلام نے پیر پکڑ لئے اور کہنے لگا آقا! جب تک ہم جہنم کے راستے پر جا رہے تھے مجھے ساتھ رکھا اب جب بہشت کے مالک کی طرف جا رہا ہے تو مجھے چھوڑ کر جا رہا ہے۔کیا یہی میری خدمت کا صلہ ہے؟ دعا دی غلام کو اور کہا چل تو بھی چل۔

یہ مختصر سا لشکر ہے، دیکھا آپ نے کربلا میں حسینؑ نے جنگ جیت لی کہ نہیں؟ دیکھو یہ میرا فریضہ ہے، میں نے سوئے ہوئے انسان کو بیدار کر دیا۔ تم سب مسلمان تو تھے مگر تمہارے سینے میں انسان کا دل نہ تھا۔ تمہارے لشکر میں جتنے بھی انسان تھے ان سب کو میں نے اپنے لشکر میں بلا لیا۔

مختصر سا یہ لشکر رات کی تاریکی میں انصاران، حسینی کی طرف بڑھا۔ صبح نزدیک ہے یہ مختصر سا کاروان جہنم کے راستے سے نکل کر، جہنم والوں کے لشکر سے نکل کر مالک کوثر کی شفاعت کی طرف چلا، جوانان جنت کے سردار کی طرف چلا۔

مختصر سا لشکر نہیں، تاریخ کا یہ عظیم لشکر۔ دیکھا دیجئے کسی لشکر میں ایسی مثال کہ جسے پتہ ہو کہ صبح جیت جائیں گے اور یہ جماعت قتل ہو جائے گی اور وہ اپنا لشکر چھوڑ کے قتل ہونے والی جماعت میں چلا جائے۔

یہ حسینؑ کی فتح تھی شبِ عاشور، ادھر یہ لشکر نکلا اُدھر حسینؑ نے کہا کہ جاؤ میرا مہمان آ رہا ہے۔ جاؤ استقبال کرو۔ عباسؑ، زہیرؑ غرض سارے انصار چلے۔ کہا دیکھو بڑے احترام سے لانا حُر کو، کیوں کہ اب وہ ایمان کی حالت میں آ رہا ہے، میرا دوست بن کے آ رہا ہے۔

یہ چلے اِدھر اور اُدھر رات کی تاریکی میں حُر نے کچھ سائے دیکھے۔ گھبرا گیا، ڈر گیا۔ اپنا عمامہ اُتارا بھائی سے کہا جلدی سے میرے ہاتھ باندھ دے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ علیؑ کا لال عباسؑ بھی ساتھ ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھے کہ میں جنگ کے لئے آ رہا ہوں اور بھائی میں تو مجرم ہوں اور مجرم اس طرح تو عدالت میں نہیں جاتے۔ اپنے عمامے سے اپنے ہاتھ بندھوا لیے، دوزانوں ہو کر چلنا شروع کیا۔

جب دونوں کارواں آمنے سامنے پہنچے۔ حُر نے دور سے حضرت عباس علمدارؑ کو آواز دے کر کہا اے فرزند ابوترابؑ! جنگ کے لئے نہیں آیا آپ مجھ پر شفقت فرمائیں اور مولاؑ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ میں تو معافی طلب کرنے آیا ہوں۔

جناب عباسؑ نے آگے بڑھ کر بشارت دی کہ میرے مولاؑ نے ہی تو تیرے استقبال کے لئے بھیجا ہے کہ میرا مہمان آ رہا ہے، اُسے لے کر آؤ۔

بس عزادارانِ حسینؑ! حُر پہنچا امامؑ کی خدمت میں اور سر قدموں پر رکھ دیا۔ مولاؑ کیا کوئی ایسا راستہ ہے کہ میرا گناہ معاف ہو جائے، میری بخشش ہو جائے؟ میں اقبالِ جرم کرتا ہوں۔ میں نے آپؑ کا راستہ رُوکا، میں آپ کو یہاں تک لایا۔ کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔

مولاؑ نے فرمایا حُر اگر تو نے ایسا نہ کیا ہوتا تو تیرا سویا ہوا انسان کیسے جاگتا، دنیا کے سامنے تیری انسانیت کیسے آتی؟ حُر کے کہا کاش میں نے یہ نہ کیا ہوتا۔ بچوں کی پیاس کا میں ذمہ دار ہوں۔ مولاؑ کوئی راستہ ہے کہ مجھے معافی ملے گی؟

بس اس کریم ابنِ کریم اور اس سخی ابنِ سخی نے اپنے منصب اور اپنے فریضے کو پورا کیا۔ اپنے منصب کی ذمہ داری کو اُٹھایا اور ہاتھ کھولے حُر کے اور فرمایا اُحُر جا میں نے بھی تجھے معاف کیا اور خدا نے بھی تجھے معاف کیا۔ اطمینان رکھ حُر میں نے تجھے معاف کر دیا۔ حُر اس حالت میں آیا ہے کہ اس کا دل اعترافِ جرم کے لئے تیار ہے حُر قتل ہونے لئے آمادہ ہو کر آیا ہے۔

اِدھر حسینؑ سے معافی ملی اُدھر حُر نے کہا مولاؑ اب اجازت دیجئے کہ یہی گناہ گار سب سے پہلے اپنے جرم کا کفارہ ادا کرے، اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے۔

صبح ہوئی میدان کارزار گرم ہوا۔ پہلے حُر کا غلام گیا اور دادِ شجاعت دیتا ہوا درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ بھائی گیا دادِ شجاعت دی اور درجۂ شہادت پر فائز ہوا۔ اپنے جوان بیٹے کو بھیجا کہ اب تو جا، جوان بیٹا زخمی ہو کر گرا، آواز دی بابا میری مدد کو پہنچ۔ بیٹے نے آواز دی بابا میں نے اپنی جان قربان کی۔ حُر بڑا دلیر ہے اتنا بڑا دلیر ہے کہ زندگی کو چھوڑ کر، زندگی کو ٹھوکر مار کر موت کو گلے لگانے آیا ہے۔ اتنا بڑا دلیر حُر مگر جب بیٹے کی آواز سنی تو ہل کر رہ گیا۔ کڑیل جوان کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ حُر دوڑا اپنے بیٹے کو پکارتا ہوا قتل گاہ کی طرف کہ بیٹا میں آ رہا ہوں میں آ رہا ہوں۔

اِدھر حُر دوڑا اُدھر حسینؑ نے آواز دی عباسؑ دوڑو! زہیر دوڑو، حبیب دوڑو، دیکھو خبردار! حُر

میدان میں نہ جانے پائے۔ قتل گاہ میں نہ جانے پائے۔ جوان بیٹے کا لاشہ ہے حُر سے دیکھا نہ جائے گا۔ جوان کا لاشہ حُر سے دیکھا نہ جائے گا۔

اے حُر! کاش تو عصرِ عاشور ہوتا اس وقت جب علی اکبرؑ نے آواز دی تھی۔

یاأبَتَاہُ عَلَیْکَ مِنِّی السَّلَامُ

اے بابا! میرا آخری سلام قبول ہو۔ کاش حُر تو اس وقت ہوتا اور دیکھتا کہ حسینؑ کس طرح ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اپنے بچے کا لاشہ تلاش کرنے کے لئے اور کوئی ایسا نہ تھا جو آگے بڑھ کر یہ کہتا کہ ارے کڑیل جوان کا لاشہ ہے حسینؑ سے سنبھالا نہ جائے گا۔

بس عزادارانِ حسینؑ! حُر کی بھی باری آئی، حُر بھی زخمی ہو کر گرا۔ حسینؑ خود پہنچے سرہانے، سر کو اُٹھا کر زانو پر رکھا۔ حُر نے آنکھیں کھولیں مولاؑ میرا گناہ تو معاف ہو گیا؟ مولاؑ میرا مواخذہ تو نہیں ہوگا روز، حشر؟ حسینؑ نے بشارت دی کہ تیری ماں نے تیرا نام صحیح رکھا تھا۔ ارے تو دنیا میں بھی آزاد تھا آخرت میں بھی آزاد رہے گا اور قیامت کے دن بھی جہنم کی آگ سے آزاد ہو گیا۔ تو دنیا میں بھی حُر تو آخرت میں بھی حُر، حُر کے سر کا زخم بہت گہرا تھا۔ نہ معلوم کیا مصلحت تھی کہ حسینؑ نے رومال نکالا۔ وہ جس رومال کے لئے روایات کہتی ہیں کہ یہ رومال فاطمہ زہراؑ کا تھا اس رومال کو حُر کے سر سے باندھ دیا شاید اس لئے حُر کو بھی اطمینان ہو گیا کہ اگر قیامت کے دن مادرِ حسینؑ نے گلہ کیا تو رومال دوں گا کہ اے دخترِ رسولؐ! آپؑ کے بیٹے نے مجھے بخش دیا، آپؑ بھی مجھے بخش دیں۔

اَلا لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْن

پانچویں مجلس

أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ مِنَ أَلآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أَللّٰهِ أَلرَّحْمٰنِ أَلرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ

نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ

السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

عزیزانِ محترم! کل تک ہم نے بات کو یہاں تک پہنچایا تھا کہ معصومین علیہم السلام کی ذمہ داری سنگین ذمہ داری ہے۔ مسئلہ ملکوں کے فتح کرنے کا، زمینوں کے فتح کرنے کا، انسانوں کو محض کلمہ پڑھا دینے کا نہیں ہے بلکہ یہ کلمہ، یہ عبادات، یہ فروعات، جتنے بھی دین کے اصول وفروع

ہیں یعنی دین کی بنادیں ہیں، جڑیں ہیں یہ تمام کی تمام درحقیقت مقدمہ ہیں اگر دیکھا جائے تو یہ صرف ابتدائیہ ہیں ورنہ کہیں بھی کسی دور میں بھی کسی بھی نبیؑ نے فقط اور محض عبادات پر زور نہیں دیا۔ فقط اور محض عبادات انسان کو انسان نہیں بنا سکیں۔ میں نے عرض کیا تھا کہ عبادت تو فطرت انسانی میں ہے۔ انسان کی فطرت میں عبادت کا جذبہ موجود ہے خواہ وہ اسے کسی بھی طرح انجام دے۔

یقیناً عبادات انسان کو انسان بنانے کا مقدمہ ہیں، اگر نماز دل میں نرمی پیدا نہیں کرتی، دیکھئے! نماز کی جو شرائط ہیں، ایک ہے عام نماز ایک ہے خاص نماز، درجے رکھے گئے عبادتوں کے ،آپ نے صرف نماز پڑھ لی، ٹھیک ہے واجب ادا کر دیا۔ مختلف طرف خیال بھی گیا، یہ بھی ہوا، وہ بھی ہوا لیکن پڑھ گئے۔ شک ہوا تو شک کی جو شرائط ہیں ان پر بھی عمل کر لیا، یہ تو آپ نے واجب ادا کر دیا نماز پڑھ کے، آپ بری الزمہ ہو گئے قیامت کے دن صرف اس سوال سے کہ بھئی نماز پڑھی تھی؟

ہاں پڑھی تھی، قصہ ختم

محض نماز پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں ہے

نماز نہ پڑھنے پر عذاب ہے، نہیں پڑھی تو گناہ ہے

نہیں پڑھی تو عذاب ہے، نماز پڑھنے کا کوئی ثواب نہیں

اس لئے کہ نماز ایک واجب ہے جسے ادا کرنا ہے

آپ نے کہا پڑھی ہے، ثواب نہیں

لیکن جو عذاب ہوتا نہ پڑھنے پر اس سے اپنے آپ کو بچا لیا

روزہ ایک واجب عبادت ہے

آپ نے روزہ رکھ لیا

سحر سے لے کر مغرب تک آپ بھوکے رہے، روزہ رکھ لیا

جوروزے کی شرائط تھیں ان کے ساتھ رکھ لیا

اب پوچھا روزہ رکھا تھا؟ رکھا تھا

ختم ہوگئی بات، خالی واجب روزہ رکھنے کا ثواب نہیں ہوگا

لیکن واجب روزہ نہ رکھنے پر جو عذاب ہوتا اس سے بچ گیا انسان۔

یہ فرق ہوتا ہے واجب میں کہ واجب فرض انجام دینے پر کوئی ثواب نہیں ملا لیکن نہ انجام دینے پر جو عذاب ہوتا اس سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔ تو محض عبادت کیا ہے؟ ایک یہ درجہ ہے کہ آپ نے واجب کو انجام دے کر اس کے سوال سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔ اب اس کے درجے بتائے گئے ہیں۔

دیکھئے! سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (المؤمنون ۱)

مومنین فلاح پاگئے، مومنین نجات پاگئے

کون سے مومنین؟

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المؤمنون ۲)

نجات کون سے مومن پائیں گے کہ جنہوں نے اپنی نمازوں میں خشوع کیا

جنہوں نے خوف کے ساتھ

جبر کے ساتھ نہیں، ٹالنے کے لئے نہیں کہ پڑھنا ہی پڑھنا ہے

واجب ادا کرنا ہے

نہیں بلکہ خوف کے ساتھ، اس احساس کے ساتھ کہ ایک ذمہ داری ادا کررہا ہوں

دوسرے درجے میں داخل ہوا

یعنی نماز کو اس نے خشوع کے ساتھ پڑھا

یعنی جب نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھا

یعنی خدا کی بارگاہ میں حضور قلب کے ساتھ پہنچ کر اس کو ادا کیا

تو اب اس کے دل پر نماز نے اثر ڈالنا شروع کیا

نماز نے اس کے دل کی زمین کو نرم کرنا شروع کیا

دل کی زمین کو ہموار کرنا شروع کیا

ایک درجے کو طے کیا اور آگے بڑھا ''لقاء اللہ '' کی منزل تک، چند لوگ ہیں جو پہنچتے ہیں۔ وہ جو بے حد عبادت کرتے ہیں، بے حد ریاضت کرتے ہیں تب کہیں جا کر ''لقائے پروودگار '' کی منزلوں کو حاصل کرتے ہیں۔ اب آپ دیکھئے فرق کیا ہے تشیع کے عرفان میں اور عام صوفی ازم جو کہلاتا ہے اس میں۔ جن کو کہتے ہیں آپ صوفیاء، اسی لئے بعض لوگ دھوکہ کھا گئے اور انھوں نے عرفان کو صوفی ازم کے ساتھ منسلک کر دیا، ان کا خیال ہے کیوں کہ صوفی ازم صحیح نہیں، عرفان بھی اسی کی دوسری شکل ہے لہٰذا عرفان بھی صحیح نہیں۔ نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔

فرق کیا ہے؟ صوفی ازم، انسان کو انسانوں سے دور لے جاتا ہے۔ صوفیاء جنہیں کہتے ہیں بزرگانِ دین ہیں وہ بھی لیکن صوفی ازم کیا کرے گا؟ انسانوں سے ہی انسان کو دور کر دے گا۔ خانقاہوں میں چلا جائے گا انسان۔ جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں میں چلا جائے گا انسان۔ دنیا اسے قید خانہ نظر آئے گی۔ یہ بھی ایک راستہ ہے خدا تک پہنچنے کا۔ غلط اور صحیح سے ہمیں بحث نہیں لیکن ہم آپ کو عرفان اور تصوف کا فرق بتا رہے ہیں کہ تصوف اور عرفان میں فرق کیا ہے؟

جب کوئی عرفان حاصل کرتا ہے، جب کوئی معرفت کی طرف جاتا ہے، جب کوئی خدا کا عرفان حاصل کرتا ہے، خدا کی معرفت حاصل کرتا ہے، رسولؐ کی معرفت حاصل کرتا ہے، ائمہ طاہرینؑ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ میں آپ کو ابھی مثالیں دیتا چلا جاؤں گا لائین سے، تو وہ تمام لوگ آپ کو فقط اور محض انسانوں اور خلق خدا کی خدمت کرتے نظر آئیں گے، وہ اپنے آپ کو انسانی معاشرے سے الگ نہیں سمجھیں گے۔ وہ انسانوں کے درد کو خود ان سے زیادہ اپنے اندر

محسوس کریں گے۔

اب آپ مولائے کائناتؑ سے بڑھ کر کوئی خدا کی بارگاہ میں ریاضت کرنے والا بتایئے کوئی عبادت کرنے والا بتایئے، کوئی تہجد گزار بتایئے۔ ایک ایسی ہستی جس میں متضاد صفات اپنے کمال پر نظر آئیں، فقط یہی نہیں کہ متضاد صفات موجود تھیں۔ نہیں، بلکہ متضاد صفات اپنے کمال پر نظر آئیں۔ ورنہ اگر کوئی عابد وزاہد ہوتا ہے تو میدان جنگ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر کوئی میدان جنگ کا شیر ہو تو اس کا دوسرے میدانوں میں عمل دخل کم ہوگا۔ عبادت، ریاضت اور عملی میدانوں میں وہ کمزور ہوگا۔ یا کوئی علم کے میدان میں آگے بڑھا، کیوں کہ انسانی فطرت ہے کہ جب ساری انسانی صلاحتیں کسی ایک ہی کام میں صرف ہوں گی تو اسی میں طاق ہو جائے گا۔ عالم بن جائے گا لیکن امیر المومنینؑ کی واحد ہستی ہے جس کی پروردگار نے اپنے رسولؐ کے ذریعے سے تربیت کی۔ خود مولائے کائناتؑ کا قول ہے کہ میں رسول پاکؐ کا تربیت یافتہ ہوں۔

پروردگار نے اپنے رسولؐ کے ذریعے ایک نمونۂ عمل دنیا کے سامنے پیش کیا کہ دیکھو یہ ہے مثال۔ اگر میدان جنگ میں کوئی اسے دیکھے گا تو اس سے بڑھ کر کوئی اشجع نہیں، شجاع نہیں۔ اس سے بڑا کوئی دلیر نہیں۔ یہی سمجھے گا کہ اس کی ساری زندگی صرف میدان حرب وضرب میں گزری ہے بس۔

اگر کوئی محرابِ عبادت میں دیکھے گا، ریاضت کے میدان میں دیکھے گا، کشف حجابات کے میدان میں دیکھے گا تو علیؑ یہی کہتے نظر آئیں گے کہ میں زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔

اگر کوئی مولائے کائناتؑ کو رات کی تاریکی میں دیکھے گا تو یہ دیکھے گا کہ

محتاجوں کا، یتیموں کا اور بیواؤں کا یہ ملجا و ماواء ہے
جو اپنی پشت پہ ان کے لئے اناج لاد کے بھی لے جاتا ہے
رات کی تاریکی میں تو لوگ پہچانتے بھی نہیں

پھر بھی نقاب پہن کے بھی لوگوں کی مدد جاری ہے

تو مجھے بتایئے! مولائے کائناتؑ سے بڑا کوئی عارف ہے؟

ایک ایسا عارف کہ قیامت تک جتنے بھی سلسلے ہیں

چاہے تصوف کے ہوں، چاہے ولایت کے ہوں، چاہے عرفان کے ہوں؟

جب تک اپنا سلسلہ مولائے متقیانؑ سے نہ جوڑ لیں

تاج دارِ ولایت سے نہ جوڑ لیں، تاج دارِ امامت سے نہ جوڑ لیں

نہ ان کا تصوف مکمل، نہ ان کی ریاضت مکمل

نہ ان کا ولایت کا دعویٰ مکمل، نہ ان کی عرفان کی منزلیں طے ہوں گی۔

اچھا شجاعت کا میدان ہو یا عبادت کا میدان

ریاضت کا میدان ہو یا عرفان کا میدان

یہ سارے سلسلے مولاؑ کی ذات پر جا کر مکمل ہوں گے

اور شجاعت کا میدان ہو تو

آپؑ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کے دل کی دھڑکن بن جائیں گے کہ

شجاعت کے جوہر دکھاتے ہوئے میدان میں اس منزل پر فائز ہو جائے

اپنی جان سے گزر جاؤ تا کہ سینے پر ''نشان حیدر'' سج جائے

ہے کوئی ایسی ہستی کائنات میں؟

یہ متضاد صفات ہیں، اور ایک ہستی میں جمع ہونا مشکل ہی نہیں امر محال ہے

تھوڑی بہت صفات جمع ہو سکتی ہیں کہ

بہادر بھی ہے اور عالم بھی لیکن یہی صفات جب درجہ کمال پہ نظر آئیں گی

تو ایک ہی ذات نظر آئے گی کائنات میں اور وہ ہے علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کی ذاتِ گرامی

تو یہ ہے عرفان جو انسان کو خلق خدا سے قریب لے آتا ہے، جو خلقِ خدا کے درد کو محسوس کرتا

ہے، جوانسان بناتا ہے، جوانسانیت کے درد کو بیدار کرتا ہے۔تو یہ سلسلہ ہے اسی لئے غلاموں کے ساتھ برتاؤ، قیدیوں کے ساتھ برتاؤ، ذمّیوں کے ساتھ برتاؤ۔اپنا ہو یا پرایا، دشمن ہو یا دوست، ان کے ساتھ برتاؤ میں پہلا عنصر جو ہے، رسولؐ نے اسی لئے ساری عبادات پہلے کہاں سیکھائیں؟ عبادات تو تھیں۔ایسا نہیں کہ مرحلہ وار پروردگار واجب کر رہا ہے، نہیں عبادتیں موجود تھیں مگر رسولؐ نے لوگوں کو مرحلہ وار پہنچائیں کہ پہلے تمہاری روح اس قابل تو بن جائے کہ تم عبادت کی حقیقت کو سمجھ سکو۔تمہارا تزکیہ تو ہو جائے۔تم انسانیت کو تو سمجھو کہ کیا چیز ہے؟ پہلے تم کردار کو دیکھو اگر تمہیں میری شخصیت سمجھ میں آتی ہے تو عبادت وہ جو انسان کردار کو دیکھ کر اپنا سر بارگاہِ رب العزت میں جھکائے تو جب اس حقیقت کے ساتھ یعنی معرفت کے ساتھ ایک انسان عبادت کرے گا اور دوسرا بے سوچے سمجھے عبادت انجام دے گا تو دونوں عبادتوں میں فرق تو ہو گیا۔

نماز بھی پڑھ رہا ہے اور انسانوں کو قتل بھی کر رہا ہے

نماز بھی پڑھ رہا ہے، پھر تکرار نہیں کرنا چاہتا یہ جملے آپ کے سامنے کہہ چکا لیکن اگر اس نے حقیقت کے ساتھ، معرفت کے ساتھ عبادت کی تو وہ جانتا ہے کہ کس کی بارگاہ میں کھڑا ہوں۔یہ ساری خلق خدا اسی کی مخلوق ہے۔سوائے دفاع کے موقعے پہ، سوائے حکم رسولؐ کے، سوائے حکم امامؑ کے اور امامؑ نے بھی ترحم کے وہ نمونے پیش کیے دنیا کے سامنے، دشمنوں کے لئے دوستوں کو چھوڑیئے، کیوں؟ اس لئے کہ ائمہؑ انسان ساز تھے۔وہ صرف یہ بتانے نہیں آئے تھے کہ اللہ کو ایک مانتے ہیں صرف مسلمان نہیں اور بھی کئی مذاہب ہیں جو مختلف طریقوں سے موحد ہیں، جو توحید پر یقین رکھتے ہیں۔مسئلہ یہ تھا کہ خدا کو تو مانو لیکن خدا کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق مانو، عبادت کرو مگر عبادت کی روح کو فراموش نہیں کرو، روزے رکھو مگر روزے کی روح کو تو سمجھو اس لئے کہ پروردگار کو معاذ اللہ معاذ اللہ کوئی شوق ہے کہ تمہیں بھوکا رکھے۔اس روزے کی حالت میں جو فلسفہ بیان کیا گیا اور یہ فلسفہ کس نے بیان کیا ہے؟

اب دیکھئے! مولائے کائناتؑ کو تو آپ یہ کہیں گے کہ امامؑ ہیں، رسولؐ کی آغوش میں

آنکھیں کھولیں اور رسولؐ نے آپؑ کے زانو پر داعی اجل کو لبیک کہا۔ اتنا لمبا ساتھ، لیکن معصومہؑ کونین حضرت فاطمہ الزہرا صلواۃ اللہ علیہا آپ کی ذات گرامی، ایک خاتون خانہ، ایک گھر کی خاتون کہ جس نے نو یا دس سال کے سن تک اپنے باباؐ کی خدمت کی اور اس کے بعد اپنے شوہر و بچوں کی خدمت کی، باقی سات آٹھ سال، یہی سن تھا یعنی انیس یا بیس سال کی عمر میں آپ کی شہادت واقع ہوگئی یا بیس اکیس سال میں، چلیں سن و سال کی کوئی بھی روایت تسلیم کرلیں۔ بظاہر ایک خاتونِ خانہ لیکن دیکھئے یہ علم لدنی سامنے کب آیا، یہ معرفت سامنے کب آئی؟

احکام بتانا اور بات ہے، یہی میں نے کہا کہ نماز سیکھنا مسئلہ تھوڑی ہے، روزے کے احکام بتانا مسئلہ تھوڑی ہے، واجبات کی طرف لوگوں کو لانا مسئلہ تھوڑی ہے جب تک کہ اس کی حقیقت لوگوں کے دلوں میں نہ اتاری جائے۔

معصومۂ کونینؑ کا دربار میں دیا ہوا مشہور خطبہ ہے، اس میں آپ نے اپنا مسئلہ تھوڑی رکھا تھا، پہلے تبلیغ دین کی، پہلے انہیں بتایا کہ کیسے مسلمان ہو، نماز پڑھتے ہو، روزہ رکھتے ہو اور پھر بھی تمہیں یہی نہیں پتہ کہ نماز کیا ہے، روزہ کیا ہے، حج کیا ہے اور زکواۃ کیا ہے؟

آپ نے صرف احکام نہیں بتائے بلکہ احکام کا فلسفہ بھی بیان فرمایا۔ احکام کا فلسفہ بتایا، نماز کا فلسفہ بتایا، شہزادیٔ کونینؑ نے، اختصار کے ساتھ بتا رہا ہوں، وقت قلیل ہے اس لئے صرف اشارے کر کے گزرنا چاہ رہا ہوں۔

نماز کے فلسفے کے بارے میں ارشاد فرماتی ہیں۔ نماز اس لئے واجب کی تا کہ تمہیں غرور و تکبر سے دور کردے۔ تو بس معلوم ہوا کہ جو نماز غرور و تکبر سے دور نہ کرے تو وہ نماز تو نہ ہوئی جو نماز تکبر سے دور نہ کرے اور انسان ویسا کا ویسا ہی اپنے غرور میں مبتلا رہے کہ میں بہت بڑا ہوں، بہت عظیم ہوں، سب سے بڑا ہوں، میرے پاس بڑی دولت ہے، میرے پاس بہت نوکر چاکر ہیں، میرا بڑا مقام و مرتبہ ہے، میرا بڑا منصب ہے، تو معلوم ہوا کہ اس نے نماز تو پڑھی لیکن نماز کی حقیقت کو نہیں سمجھا۔

اس لئے تمہارا سر جھکایا، اس لئے زمین پہ تمہاری پیشانی لگائی کہ تمہیں احساس ہو جائے کہ کوئی ہے جس کے لئے اکبریت سزاوار ہے، اس کے لئے بڑائی سزاوار ہے۔ اس لئے اُس نے تم پر نماز واجب کی تا کہ تمہیں غرور اور تکبر سے دور کیا جائے۔

معصومۂ کونینؑ کے الفاظ ہیں روزہ واجب کیا تا کہ تمہیں اپنے ہی جیسوں کی بھوک اور پیاس کا احساس ہو جائے اس لئے روزہ واجب نہیں کیا کہ سحری کے وقت بھی دگنا کھاؤ کیونکہ سارا دن بھوکا رہنا ہے اور افطار کے وقت بھی عام دنوں سے بڑھ کر کھاؤ کیونکہ سارا دن بھوکے رہے تھے۔ تو عام دنوں میں تین بار کھاتا تھا بندۂ خدا، رمضان میں چار بار کھا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ روزہ کھ رہا ہوں۔

سحری میں ڈبل کھا رہا ہے اس لئے کہ سارا دن بھوکا رہنا ہے، افطار میں زیادہ اور انواع واقسام کی چیزیں کھا رہا ہے کیوں کہ سارا دن بھوکا رہا تھا۔ روزے کے بعد ایسا تھکاوٹ کا احساس کہ اب اس میں کسی کام کی بھی ہمت نہیں تو بس کیا ہوا، روزہ تو اس نے رکھ لیا مگر ہوا فاقہ۔ جواب دینے سے خود کو بچا لیا لیکن اگر روزے کو اس کی روح کے ساتھ رکھتا، اتنا ہی کھاتا کہ جس مقصد اور فلسفے کیلئے روزہ واجب ہوا، ارے روزے دار کو اس بات کا احساس تو ہو کہ مجھے بھوک اور پیاس ہے۔ روزہ تو اسی لئے واجب کیا گیا کہ تجھے جب بھوک اور پیاس کا احساس ہوگا تو تیرے دل میں فقیروں کا، غریب انسانوں کا درد پیدا ہوگا، اس لئے تجھ پر روزہ واجب کیا کہ جو سارا سال روٹی کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں ان کا بھی کچھ احساس تجھے ہو جائے کہ نان نفقہ کیسی چیز ہے؟ یہ بھوک کیسی چیز ہے کہ جو انسان کو مجرم بھی بنا دیتی ہے اور یہ بھی تو مولائے کائناتؑ کا قول ہے کہ بھوکے آدمی کے لئے تم کیا خیال کرتے ہو کہ بھوکے آدمی کو دین کی طرف لاؤ گے؟

خلاصہ بتا رہا ہوں لفظ بہ لفظ نہیں، ایک خطبے میں آپ نے ذکر کیا ہے کہ بھوکے آدمی کو تم کیا دین بتاؤ گے؟ جس کے پیٹ میں روٹی نہ ہو اس کو تم کیا احکام سکھاؤ گے؟ وہ کہہ رہا ہے میرے پیٹ میں روٹی نہیں ہے تم مجھے سارے احکام سکھا رہے ہو؟

فرمایا بھوک بہت خطرناک چیز ہے یہ مجرم بھی بناتی ہے، یہ ڈاکو بھی بناتی ہے اور یہ باغی بھی بناتی ہے چنانچہ جناب معصومہ کونینؑ نے بھی اور مولائے کائناتؑ نے بھی یہ فلسفہ بتایا کہ عبادات کی روح کیا ہے اور کس طرح انسان عبادت کے ذریعے اس روح کو حاصل کرے؟ انسان بنانے کا مقدمہ ہیں عبادات، اگر عبادت انجام دے کر انسانیت ہی پیدا نہ ہوئی تو پروردگار کو نہ ہماری نماز چاہئے، نہ ہمارا روزہ، نہ حج چاہئے اور نہ زکواۃ اور نہ خمس۔ کچھ نہیں چاہئے انسان سے یہ سب عبادات تو اس لئے واجب کیں کہ تم انسان بن جاؤ۔

احکام کا حکم بعد میں دیا، پہلے کہا وَيُزَكِّيهِمْ (آل عمران ۱۶۴) اپنا تزکیۂ نفس کرلو۔ تزکیۂ نفس کیا ہے، تزکیۂ نفس کی تعریف مولائے متقیان علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے کیا کی؟

جس نے اپنے نفس کی شناخت حاصل کرلی، اس نے اپنے ربّ کی شناخت حاصل کرلی۔ انسان کو اپنے بچوں سے کتنی محبت ہوتی ہے، اپنے اہلِ خانہ سے کتنی محبت ہوتی ہے، اپنے ماں باپ سے کتنی محبت ہوتی ہے، آج کے ماحول میں شادی سے پہلے کتنی محبت ہوتی ہے؟ شادی کے بعد کے مسائل کے بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہتا اس لئے کہ آپ کہیں گے کہ شادی کے بعد تو نہیں ہوتی، تو میں نے خود ہی بات کو محدود کردیا اپنے بال بچوں سے تو محبت رہتی ہے، اپنے بال بچوں سے کتنی محبت ہے انسان کو؟ ان کے لئے سوائے اچھائی کے کچھ نہیں چاہتا۔ بچہ سڑک پر دوڑے تو آپ پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔ بچہ دکانوں میں دوڑے تو اس کو سمجھاتے ہیں۔ اس کو اچھا بُرا سمجھاتے ہیں کیوں؟ حالانکہ بچے کے دل سے پوچھئے کہ وہ اندر ہی اندر کتنے پیچ وتاب کھاتا ہے اسے کتنا غصہ آتا ہے کہ میرا ہاتھ ہی نہیں چھوڑ رہے۔ مجھے کھیلنے ہی نہیں دے رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ماں باپ یہ جانتے ہیں کہ اس میں اس کا نقصان ہے مگر یہ سمجھ نہیں رہا۔ جب یہ بڑا ہوگا تو اس کی سمجھ میں آئے گا کہ ماں باپ نے یہ روک ٹوک کیوں کی تھی تو یہ جو بھی آپ روک ٹوک کرتے ہیں، لالچ دیتے ہیں، کبھی ڈراتے ہیں، کبھی دھمکاتے ہیں، کبھی چیز لاکر دیتے ہیں، کبھی چیز چھینتے ہیں تو کیوں؟ اس لئے کہ یہ ہمارے خوف سے برا کام نہ کرے، یہ ہمارے لالچ سے اچھا

کام کرے، ایسا ہی ہے کی نہیں؟

تو جب انسان کے دل میں یہ جذبہ ڈالا تو کیا پوری انسانیت اس کی مخلوق نہیں؟ آپ سوچئے کہ جس نے ماں باپ کے دل میں یہ محبت ڈالی، وہ خود اپنی مخلوق سے کتنی محبت کرتا ہوگا، وہ خود اپنے بندوں سے کتنی محبت کرتا ہوگا؟ یہی بات تو میں آپ کو سمجھانا چاہ رہا ہوں۔

جب جناب موسیٰؑ کی قوم جمع ہوئی، قحط پڑ رہا ہے، بارش نہیں ہوتی، بارانِ رحمت نہیں برستا، تو قوم نے پوچھا کہ آپ کلیم اللہ ہیں، پوچھئے اللہ سے کہ کیا مسئلہ ہے؟ بارانِ رحمت کا آنا کیوں رک گیا، بات کی جناب موسیٰؑ نے پروردگار سے کہ کیا معاملہ ہے میری قوم کے لئے بارانِ رحمت کیوں رک گئی؟ جواب ملا موسیٰ تمہارے قوم میں ایک شخص کے گناہ اتنے بڑھ گئے، اتنے بڑھ گئے کہ اب جب تک وہ تمہارے درمیان ہے بارانِ رحمت نازل نہیں ہوگی۔

خود سوچئے! اپنے ماحول کا جائزہ لیجئے، کیسے کیسے لوگ ہیں؟ ہیں کہ نہیں ہیں؟ اب سوچئے اس کے کتنے گناہ ہوں گے کہ معصوم الوالعزم پیغمبر موجود ہے اور پروردگار نے رحمت روک لی کہ نہیں جب تک یہ موجود ہے بارانِ رحمت نہیں ہوگی، تو ایسا شخص خود بھی تو جانتا ہوگا کہ اس بارانِ رحمت میں تعطل کا سبب میں ہی ہوں لہٰذا جناب موسیٰؑ نے ساری قوم کو جمع کرلیا کہ ایسا ایسا مسئلہ ہے وہ آدمی جب چلا جائے گا جب بارانِ رحمت ہوگی، وہ تو جانتا ہے۔ ادھر جناب موسیٰؑ گفتگو کر رہے ہیں اُدھر اس نے خدا کی بارگاہ میں رجوع کیا کہ بارِالٰہا! تو جانتا ہے یا میں جانتا ہوں کہ وہ شخص میں ہی ہوں، گناہ گار ہوں میں پروردگار، اگر اس وقت میں چلا گیا، اس وقت اس قوم سے نکل گیا تو میری آبرو ختم ہو جائے گی، میری عزت خاک میں مل جائے گی، تو ایک بار مجھے معاف کر دے، پھر میں تیری معصیت نہیں کروں گا، تیرا گناہ نہیں کروں گا، ایک بار معاف کر دے۔ بس گڑگڑا رہا ہے دل ہی دل میں، آنکھوں سے اشک بھی جاری ہوئے وہ دعائیں کر رہا ہے اور جناب موسیٰؑ کی تقریر بھی جاری ہے، ادھر کالی گھٹائیں آنی شروع ہوگئیں۔ قوم خوشی خوشی چلی گئی کہ بارش ہوگئی اور جناب موسیٰؑ حیران ہوئے کہ یہ سب کیا ہوا؟

حضرت موسیٰؑ نے کہا پروردگار یہ تو نے کیا کیا کہ مجھ سے تو یہ کہا ادھر بارش شروع کر دی؟ موسیٰ کلیم اللہ ہیں، خدا کلام کرتا ہے کہ موسیٰ میں کیا کرتا میرے اس گناہ گار بندے نے پہلی بار تو مجھے پکارا تھا لہٰذا میری غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس نے پہلی بار مجھے پکارا اور میں خالی ہاتھ اسے لوٹا دوں؟

تو عزیزو! وہ پروردگار ہے، آپ اپنے مجرم کو معاف نہیں کر سکتے، آپ اپنے خطاء کرنے والے کو معاف نہیں کر سکتے لیکن وہ بشارت دے رہا ہے لَاتَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر ۵۳) میرے گناہ گار بندوں کو، مومنین کو نہیں، خطاء کاروں کو بشارت دے دیجئے، انہیں بتایئے کہ میری رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا۔

تو عزیزو! جو اتنا خلیق، اتنا مہربان ہو تو جنہیں نمائندہ بنا کر بھیجا، وہ کیسے ہوں گے؟ تو پروردگار کا مقصد کیا ہے کہ میں نے تجھے اپنا خلیفہ بنایا، میں نے زمین پر تجھے اپنا نائب بنایا اور تو ہے کہ اپنے مقام کو پہنچانتا ہی نہیں؟ اس انسانیت کو جگانے کے لئے، اپنے اس مقام کی پہچان کے لئے کہ تو اشرف المخلوقات ہے، مگر یہ تو تیری اپنی بے بصیرتی ہے، یہ تو تیری اپنی جہالت ہے کہ تو نے اپنے مقام کو نہیں پہچانا اور حیوانوں سے بھی پست اپنے آپ کو ثابت کر دیا۔ قتل و غارت گری، لوٹ مار اور جتنی خواہشات نفسانی میں تو مبتلا ہے ان سب میں مبتلا رہ کر تو نے خود کو حیوان سے بھی پست تر بنا لیا ہے جب کہ میں نے تو تجھے اشرف المخلوقات بنایا تھا، انسان خلق کیا تھا۔ میں نے تو تجھے وہ ملکہ دیا تھا، وہ قوت دی تھی، وہ قدرت دی تھی کہ اگر تو چاہتا تو اس پوری کائنات پر حکومت کرتا۔

تو بس عزیزو! ائمہ طاہرین علیہم السلام اسی ہدف کو لے کر چلتے رہے ہیں۔ کلمہ پڑھانا ہے، مسلمان بنانا ہے تو محض عبادات سے نہیں بلکہ ان کی سوئی ہوئی انسانیت کو جگاؤ، ان کے خوابیدہ انسان کو بیدار کرو اور باہر نکال کر لاؤ جو انس سے بنا ہے، جو محبت سے بنا ہے، جو پیار سے بنا ہے، جس کو محبت سے خلق کیا گیا ہے، اس کی انسانیت کو جگانا معصومین علیہم السلام کی ذمہ داری ہے۔

مگر دوسروں کی توجہ اِدھر نہیں ہے بلکہ ان کی توجہ ادھر ہے کہ

ملک فتح کیسے کئے جائیں؟

توجہ اِدھر نہیں ہے بلکہ توجہ ادھر ہے کہ

قوموں کے گلے میں غلامی کی زنجیریں کیسے ڈال دی جائیں؟

توجہ اِدھر نہیں ہے بلکہ توجہ ادھر ہے کہ

جس شہر میں جاؤ تباہی اور بربادی کا پیغام لے کر جاؤ

توجہ اِدھر نہیں ہے بلکہ توجہ ادھر ہے کہ

مردوں کو قتل کر کے ڈال دیا جائے اور عورتوں کو کنیزیں بنالیا جائے

اور نام ہو اسلام کا

اور نام ہو مذہب کا

مگر ائمہ طاہرینؑ کی توجہ کس طرف ہے کہ ایک انسان بن جائے

اور قرآن کی آیت بھی ہے کہ

مَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعَاً (المائدہ ۲۵)

جس نے ایک انسان کو زندہ کیا گویا اس نے پوری انسانیت کو زندہ کر دیا

یہاں مردے زندہ کرنے والی بات نہیں ہے یعنی ایک انسان کی، ظاہر ہے کہ کون انسان ایسا ہوگا جو مردے کو زندہ کر دے لیکن آیت نے یہی کہا ہے کہ جس نے ایک انسان کو زندہ کیا اس نے گویا پوری انسانیت کو زندہ کر دیا یعنی انسان میں چھپے ہوئے انسان کو باہر لے آیا، جس نے اس کی انسانیت کو بیدار کر دیا، جس نے اسے زندگی کا مقصد بتا دیا، تو اس نے ایسا کیا کہ جیسے اس نے پوری انسانیت کو حیاتِ نو بخش دی، جو انسان بھی ایسی مثال بنے گا وہی انسان کہلانے کا مستحق ہے، جنگیں انسانوں کے دل فتح نہیں کیا کرتیں۔

جس نے ایک انسان کو زندہ کیا، کوئی مردہ انسان کو زندہ کر سکتا ہے آپ میں، ہم میں؟ میں

معصومینؑ کی بات نہیں کر رہا، اپنی بات کر رہا ہوں، آپ کی بات کر رہا ہوں، بھئی کر سکتا ہے مگر آیت نے یہ کب کہا کہ کسی نبی یا پیغمبر نے؟ عمومی آیت ہے کہ جس نے ایک انسان کو زندہ کیا تو بتایئے! کیا کوئی زندہ کر سکتا ہے مردہ انسان کو؟ **فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (المائدہ ۲۵)**

مفہوم یہی ہے کہ جس کسی نے ایک انسان کو حقیقی معنی میں انسان بنا دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کے پیچھے پوری انسانیت ہے، اس کے پیچھے پوری نسلیں ہیں۔ وہ جس معاشرے میں رہ رہا ہے وہاں نمونۂ عمل بن کر رہے گا تو لوگ اسے دیکھیں گے اور بارگاہ الٰہی میں سر جھکائیں گے، اس کے کردار کی پیروی کریں گے اور اس کے پیچھے چلیں گے لہٰذا ایک انسانی معاشرے کو تم نے حیات بخش دی۔ تو معصومینؑ کی توجہ اسی طرف تھی۔

بُشر حافی کا مشہور واقعہ۔ لوگ بشر کہتے ہیں، بشیر کہتے ہیں، صحیح نام ہے بُشر۔ وہ کون ہے؟ ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ الصلاۃ والسلام کا دور ہے، بُشر حافی جس کا پورا نام ہے ابو نصر بُشر ابنِ ابو حارث حافی۔ حافی اس کا لقب ہے اس کی وجہ بتا دوں گا۔ اپنے زمانے میں رئیسوں کا رئیس اور ہارون رشید کے اہم ترین درباریوں میں سے ایک درباری۔ لہو ولعب کا دل دادہ، پکا شرابی، مئے خوار، ساز و آواز اور رقص و موسیقی کی محفلیں ہر رات اس کے گھر میں سجتی ہیں۔ اللہ نے نعمتیں دی ہیں بھئی اسی لئے تو دی ہیں۔ کہتے ہیں ایک بار زندگی ملی جو مزے لوٹنے ہیں لوٹ لو۔ یہی پتہ نہیں ہے کہ کیف اور لذت کس چیز کا نام ہے؟ انہیں یہ نہیں معلوم کے لذت کیا ہے اور کیف کیا ہے؟ انہیں ان رقص و سرور کی محفلوں میں، دولت اڑانے میں، عیاشی کرنے میں لذت ملتی ہے۔ وہ کیا جانیں، انہیں کیا معلوم کہ حقیقی لذت کہاں ہے؟ لذت وہاں ہے کہ جہاں سیّدالشہداءؑ فقیروں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ سیّدالشہداءؑ کا معروف واقعہ ہے، امامؑ جا رہے ہیں کچھ فقراء بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، امامؑ اپنی سواری سے اتر گئے، فرزندِ رسولؐ بیٹھ گئے ان کے ساتھ اب وہ شرم سار بھی تھے کہ ہمارا یہ غرباء کا کھانا، فقیروں کا کھانا ہے۔ امامؑ وہیں ان کے ساتھ بیٹھ گئے اس کیف کو اور اس لذت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ فقط وہی جسے امامؑ کی تھوڑی سی معرفت

حاصل ہوجائے۔ امامؑ ان فقراء کے درمیان بیٹھ گئے اور انہی کے ساتھ روکھی سوکھی کھانی شروع کی۔ اب ان کے دل کتنے بڑھ گئے؟ ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کہ امامؑ ہمارے ساتھ زمین پر بیٹھ گئے اور اس طرح سے ہمارا دل بڑھایا۔

کھانا کھانے کے بعد امامؑ کیا کہتے ہیں؟ اس لئے کہ اگر پہلے کہتے کہ چلو میں تمہیں کچھ کھانے پینے کو دے دوں تو بات کچھ اور ہوتی۔ اب امامؑ نے ان کو بلند رکھا، ان کی بات کو اوپر رکھا، فرمایا دیکھو! اس وقت میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھایا ہے اب اگلے وقت کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ گے۔ یہ ہے انسانیت، یہ ہے تعلیم و تربیت، یہ ہے انداز انسانوں کی تربیت کرنے کا، یہ نہیں کہا چلو اٹھو میں تمہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاؤں۔ پہلے وہیں ان کے ساتھ کھانا کھایا اور کھانا کھانے کے بعد کہا کہ دیکھو! میں نے تمہارے ساتھ کھانا کھالیا اب تم میرے ساتھ کھانا کھاؤ گے، اب تم میرے مہمان بنو گے یعنی ان کو بڑا رکھا بھئی اب تم میرے مہمان بنو گے۔ ان کے دل کتنے بڑھ گئے ہوں گے؟ تو اماموں نے اس طرف توجہ دی کہ اس طرح دلوں کو جیتو۔ ان کے اندر سوئے ہوئے انسانوں کو بیدار کرو، ان میں جو انسانیت سو چکی ہے اس کو بیدار کرو۔

بُشر حافی اسی طرح کا سویا اور کھویا ہوا انسان ہے۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ ایسے بہت سے انسان ہوتے ہیں ہمارے ہاں بھی ہیں، صبح و شام ہم انہیں اپنے اردگرد دیکھتے رہتے ہیں، میری باتوں پر توجہ کریں گے تو بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی لیکن ان کے دل میں کہیں نہ کہیں ہدایت کا نور چھپا ہوا ہے بس موقع نہیں ملتا، کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آتا، کوئی ایسی بات نہیں ہوتی۔ بعض اوقات آپ دیکھتے ہیں ناں کہ کسی انسان کی زندگی میں ایک ہی واقعہ پیش آیا اور اس واقعے نے اس کی پوری زندگی کو تبدیل کر دیا۔ اس واقعے کے نتیجے میں اس کی زندگی کی ڈگر ہی تبدیل ہوگئی، اس کا راستہ تبدیل ہوگیا، سب حیران ہو جاتے ہیں کہ اسے ہوا کیا؟

کیا ہوا اس کو؟ ہونا کیا ہے، وہی جو نورِ ہدایت اس کے اندر چھپا ہوا ہے، کوئی واقعہ اسے جگا دیتا ہے۔ تو بس بُشر حافی بھی انہی انسانوں میں سے ایک انسان ہے۔ رئیس خاندان سے، سب

کچھ ہے، لہوولعب کی محفل جمی ہوئی ہے، امام موسیٰ کاظمؑ کا ادھر سے گزر ہوگیا۔ امام گزر رہے ہیں اس کی گلی سے، گانے بجانے کی آواز، شور شرابے کی آواز اس کے گھر سے آ رہی ہے۔ کنیز کچھ پھینکنے کے لئے باہر آئی یا کسی اور کام سے، امامؑ نے پوچھا کون رہتا ہے یہاں؟ کنیز نے بتایا کہ یہ بُشر ابنِ حارث کا گھر ہے۔ امامؑ نے کہا اچھا، غلام ہے کہ آزاد؟ کنیز بولی آزاد ہے، آپ نے پوچھا حُر ہے یا عبد؟ آزاد ہے کہ غلام؟ کنیز نے بتایا کہ آزاد ہے میرا آقا۔ امامؑ نے فرمایا ہاں آزاد ہی لگتا ہے، اگر غلام ہوتا تو اپنے آقا کی اس طرح معصیت نہ کرتا، آزاد ہی لگتا ہے۔ بس یہ جملہ کہا اور امامؑ آگے بڑھ گئے کنیز کو واپسی میں دیر ہوئی تو بُشر نے اس سے تاخیر کا سبب پوچھا کہ تجھے دیر کیوں ہوگئی؟ کہنے لگی، ایک عجیب آدمی تھا، اس نے عجیب بات کہی اور پورا واقعہ سنایا کہ تیرے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ حُر ہے کہ غلام، آزاد ہے کہ غلام؟ میں نے کہا کہ آزاد ہے تو کہتا ہوا چلا گیا کہ ہاں آزاد ہی ہے، اگر غلام ہوتا تو اپنے آقا کی اس طرح سے معصیت نہ کرتا، اپنے آقا کی حکم عدولی نہ کرتا۔ بس اتنا سننا تھا کہ اس نے پوچھا کس طرف گیا ہے وہ شخص؟ کہا وہ کھڑا ہے گلی کے کونے پر۔ بُشر ننگے پیر بھاگا تو حافی اسی لئے لقب مشہور ہوا اس کا کیوں کہ توبہ کرنے کے لئے جب امام کی طرف بھاگا تھا تو ننگے پیر بھاگا تھا تو حافی مشہور ہوگیا یعنی ننگے پیر۔

قریب پہنچا تو دیکھا موسیٰ ابنِ جعفر یعنی امام موسیٰ کاظم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ پیر پکڑ لئے فرزندِ رسولؐ میں نے توبہ کی مجھے معاف کر دیجئے۔ امامؑ نے فرمایا میں معاف کرنے والا کون ہوتا ہوں، اپنے ربّ سے معافی مانگ بُشر جس کی تو معصیت کرتا رہا۔ خدا نے تجھے کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے، کیا یہی حق ہے کہ تو اس طرح شکر ادا کرے اپنے ربّ کا، جس نے تجھے اتنی نعمتوں سے نوازا ہے؟

تو عزیزو! کبھی میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر کوئی یہ سمجھے کہ

اللہ نے کب دیا؟

ہم نے اپنی محنت سے کمایا ہے

ہم اپنی محنت سے اتنے امیر بنے ہیں

ہم نے رات دن ایک کر کے اتنی دولت بنائی ہے

تفصیلی جواب دے چکا ہوں لیکن موقع آ گیا ہے اس لئے ایک جملے میں خفیف سا اشارہ کرتا ہوں، یوں کیجئے گا کہ جو نعمتیں خدا کی مفت میں استعمال کرتے ہیں، اس کے پانے کے لئے بھی مثلاً یہ پانی اور کتنی ہی دوسری نعمتیں جو بنیاد ہیں، مجھے بتا دیجئے کہ اللہ کو آپ نے ان نعمتوں کا کتنا معاوضہ دیا ہے؟

☆ پانی کی کتنی قیمت دی ہے؟

☆ جس ہوا میں سانس لیتے ہیں اس کی کتنی قیمت دی ہے؟

☆ جس فضا سے استفادہ کرتے ہیں، اس کی کتنی قیمت دی ہے؟

☆ ان شجر حجر کی کتنی قیمت دی ہے؟

☆ پہاڑوں کی کتنی قیمت دی ہے؟

☆ کتنی مشقت کی ہے ان پہاڑوں کو بنانے میں؟

☆ کتنی مشقت کی آپ نے ان سمندروں کو بنانے میں؟

☆ کتنی مشقت کی آپ نے رات اور دن کو بنانے میں؟

اسی لئے پروردگار کہتا ہے کہ یہ سب کچھ میرا دیا ہوا ہے تمہیں، خواہ تم کچھ بھی کماؤ، اگر یہ دعویٰ ہے کہ یہ کمائی میری مدد کے بغیر ہے تو پھر میری دی ہوئی کسی نعمت کو استعمال نہ کرو۔ اسی لئے بُشر حافی سے امامؑ فرماتے ہیں بُشر، ربّ نے اتنی نعمتوں سے تجھے نوازا اور تو اس طرح اس کا شکر ادا کر رہا ہے، کوئی تیرے ہی جیسا انسان اگر تیرا کوئی کام کر دے تو تو اس کا کتنی بار شکریہ ادا کرتا ہے؟ کوئی انسان اگر تیرا چھوٹا سا کام کر دے اور تو شکریہ نہ کہے تو تو کیا کہلائے گا؟ احسان فراموش ہے، زبان سے شکریہ بھی نہیں کہا، ارے شکریہ ہی کہہ دیتا۔

تو عزیزو! جب آپ اپنے لئے اس بات کے قائل ہیں کہ فطرت الٰہی پہ خلق ہوئے ہیں سب

اور آپ یہ بھی چاہتے ہیں کہ چلو کچھ اور نہ سہی منہ سے شکریہ تو کہہ دیتا جس کا اتنا بڑا کام کیا۔ کیسی اس کی آنکھیں ہیں، کیسا اس کا مزاج ہے؟

اپنی فطرت کے مطابق سوچئے!

اس نے زندگی دی

اس نے ہاتھ پیر کی نعمتیں دیں

اس نے یہ آنکھیں دیں

اس نے لاتعداد نعمتوں سے کائنات کو پہلے بھر دیا

اس کے بعد آپ کو بھیجا

اس کے بعد آپ کو خلق کیا

تو کیا وہ اس قابل نہیں کہ اس کا شکر ادا کیا جائے؟

تو کیا وہ اس قابل نہیں کہ اس کی بارگاہ میں سر جھکایا جائے؟

بس امام علیہ السلام نے بُشر کے سوئے ہوئے انسان کو جگا دیا۔

بُشر تجھے خدا نے کتنی نعمتیں دیں اور تو نے اس طرح سے اس کا شکر ادا کیا؟

اسی دن بُشر نے توبہ کی اور بُشر حافی کے نام سے معروف ہوا اور پھر اپنے زمانے کا زاہد ترین شخص قرار پایا، ایسا شخص کے جس کے واضح نصیحت سے لبریز خطبے تاریخوں میں محفوظ ہیں۔ ایسی توبہ کی بُشر نے، ایسی توبہ کی کہ اس کا خاندان، ہارون رشید اور سارا معاشرہ حیران ہو کر رہ گیا کہ یہ سب کیا ہوا؟ تب اس کی کنیز نے بتایا کہ اس پر فرزندِ رسولؐ کا جادو چل گیا۔ فرزندِ رسولؐ کے الفاظ نے اس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا۔

فسق و فجور سے بھرا ہوا معاشرہ مگر اس میں بھی جہاں امامؑ کو نظر آیا کہ یہاں انسان بیدار ہو سکتا ہے تو امام نے اس انسان کو بیدار کیا، اس انسان کی انسانیت کو بیدار کر کے اس کو تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ کر دیا اس لئے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام انسان ساز ہیں۔ کتنے لوگ تھے، کتنے

بادشاہ تھے، کتنے سرمایہ دار تھے اور کتنے طاقت ور تھے لیکن جسے امامؑ نے انسانیت بخشی وہ قیامت تک کے لئے مثال بن گیا۔

بہت سے واقعات آپ نے علی بن یقتین کے بھی سنے ہوں گے مگر جو مشہور واقعات ہیں میں ان کی طرف نہیں جاتا میں تو وہاں جاتا ہوں جہاں خلق خدا میں سے ایک بندے کو علی بن یقتین نے اپنے دروازے سے فریاد سنے بغیر واپس کر دیا۔ امامؑ نے بھی اسے اپنے دربار سے خارج کر دیا کہ جاؤ۔ آپ جانتے ہیں کہ امامؑ کا کیسا معتقد اور کیسا مقلد ہے؟ بیسیوں واقعات آپ سنتے ہیں ہارون رشید کا وزیر ہے اور کتنی بار امامؑ نے اسے قتل ہونے سے بچایا، کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ قتل ہو جاتا ہارون رشید کے ہاتھوں لیکن امامؑ نے ہر بار اسے بچایا جب کہ ایک بار ایک غریب آدمی، ایک غریب مومن اس کے پاس چلا گیا، یہ وزیر تھا اس نے ملنے سے انکار کر دیا۔ وہ بے چارہ واپس لوٹ آیا، کوفے کا رہنے والا تھا کوفے واپس آ گیا، بات آئی گئی ہو گئی، نہیں ملا، کوئی ضرورت تھی، پوری نہیں ہوئی، حج کا زمانہ آیا امامؑ ہر سال حج پر تشریف لاتے ہیں، علی بن یقتین بھی پہنچا، امامؑ کی خدمت میں بھی حاضر ہونا چاہا تو امامؑ نے ملنے سے انکار کر دیا کہ جاؤ وقت نہیں ہے۔ ملنے سے انکار کر دیا امامؑ نے، بڑا پریشان ہوا دو تین بار کوشش کی، امامؑ نے انکار کر دیا نہیں ہے وقت۔ حج ختم ہوا مدینے واپسی ہوئی۔ علی بن یقتین بھی پھر مدینے آیا۔ راستے میں بھی کوشش کی مولاؑ میرا گناہ تو بتا دیں، میری خطا تو بتا دیں، کس لئے مجھ سے ملنے سے انکار کر رہے ہیں، کس لئے مجھے قدم بوسی کی سعادت سے محروم کر رہے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا تیرے پاس ایک بندۂ خدا آیا، ایک مومن سے ملنے کے لئے وقت نہیں اس لئے کہ وہ غریب تھا مومن تھا، تو نے ملنے سے انکار کر دیا۔ دروازے سے ہی واپس بھیج دیا۔ دروازے سے ہی دھتکار دیا کہ میرے پاس تیرے لئے وقت نہیں ہے۔ اب ہمارے پاس تیرے لئے بھی وقت نہیں ہے۔ قدموں میں گر پڑا اور کہنے لگا مولاؑ اس خطاؑ کو معاف کر دیں۔ فرمایا میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا۔ یہ ہے حق انسانی۔

مت سمجھئے گا کہ یہ کوئی معمولی بات ہے، ہمارے اور آپ کے آقا و مولاؑ کے الفاظ ہیں کہ میں کون ہوتا ہوں معاف کرنے والا، جا جس کا گناہ کیا ہے اس سے معافی مانگ۔

کسی گمان میں بھی نہ رہئے گا۔ یہ غلط فہمی بھی دل میں نہ رکھئے گا کہ ہم جو چاہیں کرلیں ہماری بخشش ہو جائے گی۔ ارے سب خطاؤں کی بخشش ہو جائے گی لیکن اگر بندوں کے حق کو ضائع کیا ہے، انہیں لوٹا ہے، انسانوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے تو کیسے بخشش ہوگی، کیسے جان چھوٹے گی؟

امامؑ فرماتے ہیں میں کون ہوتا ہوں؟ جس کا گناہ کیا ہے اس سے معافی مانگ پہلے جا کے۔ مولاؑ کیسے جاؤں یہ مدینہ وہ کوفہ، امامؑ نے پوچھا جانا چاہتا ہے معافی مانگنے؟ علی بن یقتین نے کہا مولاؑ ایسی معافی مانگوں گا کہ آپؑ کو نشان لا کے دکھاؤں گا کہ اس نے مجھے معاف کر دیا۔

فرمایا جا مگر تنہا، رات کی تاریکی میں جنت البقع چلا جا وہاں تیری سواری تیار ہوگی جو تجھے کوفے لے جائے گی اور اس بندۂ مومن کا نام بھی لکھا ہوا ہے روایات میں ابراہیم، جس شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔

پہنچا جیسے امامؑ نے بتایا تھا نصف شب کے وقت سواری تیار تھی۔ سوار ہوا اور سواری نے چند لمحوں میں، کچھ ہی دیر میں ابراہیم کے گھر کوفہ پہنچا دیا۔ دستک دے رہا ہے نصف شب کے بعد۔ ابراہیم پریشان ہوا کہ کون ہے آدھی رات کے وقت۔ کہا میں علی بن یقتین۔ کہا حکومت کے وزیر اعظم کا میرے گھر پر کیا کام؟ کہا دروازہ کھول اکیلا آیا ہوں تجھ سے کام ہے۔

جیسے ہی اس بندۂ مومن نے دروازہ کھولا ہاتھ جوڑ کے کھڑا ہو گیا۔ میرا امامؑ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ ابراہیم مجھے معاف کر دے، تو میرے پاس آیا تھا اور میں نے تجھ سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے معاف کر دے جب تک تو معاف نہیں کرے گا میرا امامؑ معاف نہیں کرے گا اور جب تک امامؑ معاف نہیں کرے گا تو خدا بھی معاف نہیں کرے گا۔ یہ ہے انسان کا حق، بات سمجھ میں آئی کہ امامؑ بھی کہہ رہا ہے کہ میں کون ہوں جب تک وہ بندۂ خدا تجھے معاف نہیں کر دے گا میں معاف نہیں کر سکتا۔

یہ حق امامؑ نے اپنے پاس نہیں رکھا۔ یہ حق رسولؐ نے اپنے پاس نہیں رکھا۔ ہم کس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم جو کچھ بھی چاہیں انسانوں کے ساتھ کرتے چلے جائیں، اللہ کی مخلوق کے ساتھ، اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ جو زیادتی چاہیں کرتے چلے جائیں۔ اس کا مال ہڑپ کرلیا، اُس کا حق ضائع کردیا، اس سے بے ایمانی کرلی، اُس سے جھوٹ بول دیا اور پھر یہ تسلی کہ ہم تو ویسے ہی نجات پاجائیں گے۔

نہیں یہ بندوں کا حق ہے۔ انسان کا حق کیا ہے؟ انسان کا حق یہ ہے جو اسلام نے بتایا ہے کہ اگر ایک طرف مومن کی حرمت بچانے کی بات ہو، مومن کی جان بچانے کی بات ہو اور دوسری طرف کعبۃ اللہ ہو..... کعبۃ اللہ تمام عالم کا قبلہ

کعبۃ اللہ جس کی زیارت کے فوائد الگ اپنی جگہ ہیں

ایک طرف کعبۃ اللہ کی حرمت اور دوسری طرف مومن کی حرمت

تو کعبہ کی حرمت چھوڑ دو

مومن کی حرمت کو بچالو

یہ ہے انسان کا حق..... مسلمان کا حق..... بندے کا حق

یہ سمجھانے کے لئے کہ میری مخلوق ہے، میں نے اسے خلق کیا ہے۔ تمہیں یہ حق نہیں دیا کہ تم ناجائز کسی انسان کو اذیت پہنچاؤ، ناجائز کسی انسان کو تکلیفوں میں مبتلا کرو۔

عزیزان محترم! معافی مانگی علی بن یقطین نے تو اس نے گھبراء کے کہا کہ میں نے معاف کردیا۔ کہا کہ نہیں۔ سجدے کی حالت میں اپنا ایک رخسار زمین پر رکھا کہتا ہے اپنا یہ جوتا میرے ایک رخسار پر رکھ۔ بندۂ مومن نے کہا یہ میں نہیں کرسکتا۔ کہا میں تجھے کہہ رہا ہوں کہ یہ کر اس لئے کہ میں اپنے مولاؑ سے وعدہ کرکے آیا ہوں کہ میں پھر آؤں گا اور نشانی پیش کروں گا کہ تو نے معاف کردیا۔ کہا میں تجھ سے کہہ رہا ہوں تجھے خدا کا واسطہ، تجھے امامؑ کا واسطہ کہ تو چپل کے ساتھ رخسار پر پیر رکھ، اس کو مسل۔ خیر اس بے چارے نے جب یہ سمجھ لیا کہ اب یہ ایسے جانے والا نہیں

ہے۔ حالت دیکھ رہا ہے علی بن یقتین کی تو اپنی چپل اس کے رخسار پر رکھی، خوش ہوگیا۔ پھر سوار ہوا۔ پہنچا فجر سے پہلے خدمتِ امامؑ میں اور کہنے والا مولاؑ یہ دیکھئے اس مومن نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اس بندۂ خدا نے مجھے معاف کر دیا ہے۔

بس امامؑ نے اس وقت کہا علی بن یقتین یاد رکھ! خدا نے جتنی بڑی تجھے نعمتیں دی ہیں تیرا حساب بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ جتنا زیادہ نعمتوں سے تجھے نوازا ہے اتنی ہی تیری پرسش بھی ہوگی یہ مت سمجھ کہ غریب کا حساب ہوگا اس بے چارے کے پاس تو ہوتا ہی کچھ نہیں، وہ حساب کیا دے گا؟ مگر جس کو زیادہ نعمتیں دی ہیں اس کا حساب بھی زیادہ ہوگا۔ اس کا تو ایک ہی امتحان ہے، غربت کا امتحان جب کہ وہ تو پریشان رہتا ہے کہ سارے ہی امتحان دینا ہیں۔ نہیں، اطمینان رکھو پروردگار کہتا ہے بڑا امتحان تو اس کا ہے جس کو میں نے نعمتوں سے نوازا ہے، جس کو میں نے دنیا میں نعمتوں سے پُر کر دیا، بڑا امتحان بھی اس کا ہے۔

علی بن یقتین! یاد رکھ جب تجھے اتنی بڑی نعمتیں دی گئی ہیں تو تیرا امتحان بھی سخت ہے۔ تیری پرسش بھی سخت ہے۔ خبردار! مخلوق خدا میں سے کوئی بھی حقیقی ضرورت مند تیرے پاس پہنچے تو کبھی اس کو دھتکارنا مت، ورنہ تیری نماز، تیرا روزہ، تیری عبادت تیرے کسی کام آنے والی نہیں، اگر خلق خدا میں سے تو نے کسی محتاج کو دھتکار دیا، کسی انسان کو دھتکار دیا۔

عزیزانِ محترم! آئمہ طاہرینؑ کی توجہ کس طرف ہے؟

ہجوم نہیں چاہئے..... بالکل بھی نہیں چاہئے

کروڑوں کی ضرورت نہیں

لاکھوں کی ضرورت نہیں

اگر بہتر بھی ایسے جمع ہو جائیں تو ہمارے لئے کافی ہیں۔ ہمارا لشکر مکمل ہے۔ قیامت تک اس لشکر کی فتح کے نقارے بجتے رہیں گے۔ ایسا ہوا کہ نہیں؟ ان بہتر انسانوں کی آنے والے امامؑ بھی حسرت کرتے رہے کہ ایسے بہتر انسانوں جیسے اگر ہمیں مل جاتے تو ہم بھی باطل کے خلاف قیام

کرتے۔نہیں ملے کسی امامؑ کو،اس لئے کربلا جیسا قیام بھی نہیں کیا۔

عزیزو!یہ حسینؑ کا کارنامہ تھا۔آپؑ کا مشہور جملہ بھی بہت سے لوگوں نے سن رکھا ہوگا کہ جیسے انصار مجھے ملے، نہ میرے نانا کو ملے، نہ میرے بابا کو ملے اور نہ میرے بھائی کو ملے۔حسینؑ بہتر جاں نثاروں کا لشکر جمع کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

تاریخِ انسانی کا عظیم ترین لشکر، مت سمجھئے کہ مختصر ہے لشکر

ایسے بہتر دکھاؤ تو کسی سپاہ میں، کسی فوج میں.....؟

کسی نبیؑ کی فوج میں

کسی پیغمبرؑ کی فوج میں

اس لئے کہ اگر بہتر ہوتے

تو احد میں رسولؐ کا دفاع کرنے والے دس بارہ نہ بچتے بہتر ہوتے

رسولؐ کے بعد علیؑ کے پاس کتنی تعداد نکلی؟

امام حسنؑ کے پاس پینتیس یا چالیس آدمی نہ بچتے

تو بس یہ حسینؑ ہیں جنہوں نے بہتر انسانوں کا لشکر پیش کیا۔سپاہیوں کا نہیں،فوج کا نہیں، بہتر انسانوں کا لشکر اور اس لشکر کی اور خصوصیتوں سے بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ سب ایک دوسرے پر سبقت کے لئے جستجو میں مصروف ہیں۔کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان میں افضل کون ہے اور مفضول کون؟ان میں کم فضیلت والا کون ہے اور زیادہ فضیلت والا کون؟ایسے انسانوں کو اکٹھا کرلیا تھا امام حسین علیہ السلام نے اور پھر بہتر تو ہم مجازاً کہتے ہیں۔نہیں فقط بہتر کا لشکر نہیں تھا،اس کو آپ دوگنا کر لیجئے۔کیا خواتین حسینؑ کی سپاہی نہیں تھیں؟ کیا وہ معصوم بچے جو حق وصداقت کی راہ میں بے گناہ قتل کر دیئے، گئے حسینؑ کے سپاہی نہیں تھے؟ تو بہتر تو وہ تھے جو داد شجاعت دے کر گئے۔

یہ تو ان کی بات ہوتی ہے۔

انسان نکل نکل کر کھنچے چلے آتے ہیں جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے اس طرح امام حسین علیہ السلام نے انسانیت کے حامل انسانوں کو تمام انسانوں میں سے کھینچ لیا۔ زہیر کو، حر کو، حر کے بیٹے کو، بھائی کو۔ بیان کر چکا ہوں اُدھر بھی نماز ہوتی تھی مگر جو لذت اِدھر تھی نماز کی اُدھر کسی کے نصیب میں نہیں تھی یوں کہنے کو اُدھر بھی اذان تھی اور ادھر بھی اذان تھی۔

عزادارانِ حُسینؑ! اتنا عظیم لشکر حسینؑ نے جمع کر کے بتایا کہ دیکھو! یہ ادھر نماز پڑھ رہے ہیں اور پروردگار ان پر کشف حجاب کر رہا ہے، حقیقتوں پر سے پردے ہٹا رہا ہے۔ ان کی نماز نے انہیں لقاء اللہ کی منزل سے ہم کنار کر دیا ہے۔ الصلواۃ المعراج المومن نماز مومن کی معراج ہے، مومن کے لئے خدا کے دیدار کا ذریعہ ہے۔

کربلا والوں نے خدا کا دیدار بھی کیا، اس سے ملاقات بھی کی۔ شہید ہونے سے پہلے کشف حجاب ہو گیا۔ اپنی اپنی منزلت اور اپنے اپنے مقام کو پالیا۔ اپنے اپنے مقام کو دیکھ لیا اور اپنے اس مقام کی جستجو میں ایک دوسرے پر سبقت لے جا رہے ہیں۔ کیسی پیاس، کیسی تشنگی؟ ارے یہ تو مجازی پیاس تھی۔ حقیقی پیاس تو انہیں کوثر کی تھی۔ جانتے تھے کہ بس ساقی کوثر، جام کوثر لئے ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ تو بس وہ جو نشہ تھا عشق کا وہ انہیں مجبور کر رہا تھا۔ عابس بن ابی شبیب شاکری اور جناب جون جیسا غلام جب میدان میں گئے تو دشمنوں نے تیر برسانے شروع کئے، تو انہوں نے اپنے خود اتار کر پھینک دیئے، اپنی زرہ اتار کر پھینک دی۔ للکارتے ہیں کہ یہ کیا نامردوں کی طرح حملے کرتے ہو؟ آؤ ہمارے قریب اور ہم سے جنگ کرو اور دیکھو کہ ہم حُسینؑ کے عشق میں کس طرح سے زخم کھاتے ہیں؟

تو جو اتنے ڈوب چکے ہو عشق میں ان کو تڑپنے میں لذت ملتی ہے۔ حسینؑ کے نام پر رونا، حسینؑ نے نام پر اذیتیں برداشت کرنا عاشقانِ حُسینؑ کے لئے تکلیف کا باعث نہیں، اس لذت کو وہی محسوس کرتا ہے جو سچا عشق رکھتا ہے حسینؑ سے، جو سچی معرفت رکھتا ہے کربلا کی۔ کربلا کی ماؤں نے یہ بتایا تھا اپنے بچوں کو، جو سجا سجا کر ایسے بھیج رہی تھیں قتل گاہ میں جیسے انہیں دولہا بنا کر بھیج رہی

ہوں؟ جیسے ان کی بارات جانی ہو، اس طرح تمام رات ماؤں نے اپنے بچوں تیار کیا۔ یوں خوش ہو رہی تھیں جیسے صبح ان کی شادی ہونا ہو۔ نصیحتیں کر رہی ہیں زینبؑ اپنے ہونہاروں کو، اپنے شہزادوں کو، دیکھو! صبح جنگ ہوگی۔ سب اپنی اپنی قربانیاں پیش کریں گے تمہارے بابا یہاں کربلا میں موجود ہوتے تو وہ اپنی ذمہ داری پوری کرتے وہ نہیں ہیں اب صبح تمہیں میدان میں جانا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی تم پر سبقت کر جائے۔

دونوں فرزند وعدہ کرتے ہیں بس مادر گرامی اجازت دلوانا آپ کا کام اور میدان جنگ میں بدر و احد کے نقش دھرا دینا ہمارا کام۔ سنو! عمر ابن سعد اگر قتل ہو جائے تو میرا بھائی بچ جائے گا، تم کوشش کرنا کہ وہ قتل ہو جائے۔ وعدہ کرتے ہیں دونوں بھائی، بس ہماری نظریں عمر ابن سعد کے خیمے کی طرف ہوں گی اور دیکھو! دونوں بھائی جدا مت ہونا، بکھرنے سے قوت کم ہو جاتی ہے۔

حسینؑ کی بہن زینبؑ اپنے کم سِنوں کو فلسفۂ جہاد بھی تعلیم کر رہی ہیں، فلسفۂ جنگ بھی سمجھا رہی ہیں کہ جب دشمن سے لڑنا تو یک جان ہو کر لڑنا، مل کر لڑنا، الگ الگ ہو کر لڑے تو قوت کم ہو جائے گی۔

دونوں بھائی سر جھکائے ماں کی بات سن رہے ہیں۔ زینبؑ نے آخری نصیحت کی اور دیکھو خبردار! پانی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی مت دیکھنا۔ جانتے ہو ناں سکینہؑ پیاسی ہے، علی اصغرؑ پیاسا ہے، اگر تم نے پانی کا رخ کیا تو میں دودھ نہیں بخشوں گی۔

دونوں بچوں نے دست بستہ وعدے کئے کہ اے مادرِ گرامی! آپ کی ساری نصیحتیں ہم نے اپنے دل میں اتار لی ہیں، ہم کوئی ایسا عمل انجام نہیں دیں گے جس سے آپ کو تکلیف ہو۔

صبح ہوئی، انصار حسینی کی موجودگی میں یہ امکان نہیں کہ زینبؑ کے بیٹے میدان جنگ میں چلے جائیں، حسنؑ کا لال چلا جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آخر ظہر کا وقت قریب ہوا، انصار حسینی رخصت ہو چکے۔ اولاد عقیل، اولادِ جعفر طیار سب ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں مگر زینبؑ کو تو اپنے دونوں شہزادوں کی فکر ہے۔ دونوں شہزادے آئے۔ زینبؑ نے کہا کیا اس وقت جاؤ گے جب

میرے بھائی کے گلے پر خنجر چل جائے گا۔

دونوں شہزادوں نے رونا شروع کر دیا۔ اے مادر گرامی! کتنی ہی بار جا چکے ہیں مگر اجازت نہیں ملتی۔ امامؑ اجازت نہیں دیتے۔ ماموں جان اجازت نہیں دیتے۔ اماں فضہ ذرا ماں جائے کو تو بلا کر لائیں۔

آئے حُسینؑ خیمے میں اور ثانی زہراؑ کے خیمے کا منظر دیکھا۔ سمجھ گئے، کہتے ہیں زینبؑ! کیا اجازت دلوانا ہے بچوں کو، کیا ایسا بھی کبھی ہوتا ہے کہ کوئی بھائی اپنی بہن کا گھر اجاڑ دے؟ زینبؑ نے بھی جواب دیا کہ مگر بھائی! کیا یہ ہوسکتا ہے کہ قیامت کے دن ماں زہراؑ مجھ سے سوال کریں کہ زینبؑ تو نے اپنے بچوں کو بچالیا اور میرا حسینؑ قتل کر دیا گیا۔ پھر یہ کنیز زہراؑ کیا جواب دے گی؟

بس یہ سوال جواب ہوئے، اجازت لی زینبؑ نے اور دونوں شہزادوں کو گلے لگایا۔ حسینؑ خیمے سے باہر آئے۔ ایک کو حسینؑ نے گھوڑے پر سوار کرایا اور دوسرے کو عباسؑ نے۔ جب چلنے لگے تو عباسؑ نے کہا بچو! ذرا دھیان سے، ذرا ہوشیاری سے، پلٹ کر دیکھا بچوں نے، ماموں جان آج آپ جنگ دیکھئے گا۔ آج آپ ہمارے حملے دیکھئے گا ہم آپ ہی کے تو شاگرد ہیں۔

زینبؑ کے دونوں لال میدان کربلا میں آئے۔ مبارز طلب کئے۔ جب تک ایک ایک کر کے مقابل آتے تھے تب تک یہ دونوں شجاع، زینبؑ کے یہ دونوں شیر ہر یزیدی سپاہی کو واصل جہنم کرتے رہے۔ کچھ دیر کے بعد عمر ابن سعد نے عام حملے کا حکم دیا کہ ان دونوں بچوں پر عام حملہ کیا جائے۔ ادھر عام حملہ ہوا اُدھر ان دونوں نے بھی اپنے آباء اجداد کو یاد کیا۔ تکبیر بلند کی اور شیروں کی طرح لشکر پر ٹوٹ پڑے اور ایسا حملہ کیا کہ شامی لشکر بھاگ اٹھا آگے آگے شامی لشکر اور پیچھے پیچھے زینبؑ کے دونوں شیر عونؑ و محمدؑ۔ ماں سے کیا ہوا وعدہ یاد آیا، عمر ابن سعد کے خیمے پر نظریں ہیں، پہنچ گئے عمر ابن سعد کے خیمے تک، وہ ملعون پشت خیمہ سے نکل کر بھاگا اور بھاگتے بھاگتے فرار ہونے والے لشکر کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔ ارے دونو جوان تمہارے قابو نہیں آتے؟

بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے کہا جنہیں تو نو جوان کہہ رہا ہے ان کی تلوار کی کاٹ تو دیکھ!

جنہیں نوجوان کہہ رہا ہے جانتا ہے وہ کون ہیں یہ معمولی نوجوان نہیں، یہ حیدر کرّارؑ کے نواسے اور جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں۔اس نے کہا کہ اچھا دور ہٹ کے جمع ہو جاؤ اور ان کے گرد گھیرا ڈالو اور دور سے تیروں کا مینہ برساؤ۔ بھاگتا ہوا لشکر جمع ہوا اور تین طرف سے گھیرا دونوں بچوں کو، دور سے تیر باران شروع کیا گیا تیروں کی بارش شروع کی گئی۔

بس عزاداران حسینؑ! ان تیروں سے زخمی ہوئے بچے، اب لشکر کو حکم دیا، دستوں کو حکم دیا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر دو۔ بس لشکر بیچ میں حائل ہوا۔ طاقت کم ہو چکی ہے۔ زخم آ چکے ہیں۔ عونؑ محمدؑ کو، محمدؑ عونؑ کو آواز دیتا رہ گیا۔ دونوں بھائی جدا ہو گئے۔ بیچ میں لشکر حائل ہو گیا۔ بازوؤں کی قوت جواب دینے لگی۔ ایک وقت وہ آیا کہ چھوٹے بھائی پر ایک وار ہوا۔ گرا گھوڑے سے، گرتے گرتے آواز دی، بھائی میری خبر لو مگر بھائی کہاں جواب دینے کے قابل بھائی تو خود زخموں سے چُور ہے۔

کچھ دیر تک دوسرے بھائی نے مقابلہ کیا وہ بھی جب گھوڑے سے زخمی ہو کر گرنے لگا تو اس نے اپنے ماموں کو آواز دی۔ اے ماموں جان! ہماری خبر لیجئے۔ ہم نے آپؑ پر اپنی جان قربان کر دی۔ حسینؑ اور عباسؑ قتل گاہ کی طرف دوڑے اور دوسری طرف اماں فضّہ، ثانی زہراؑ کے خیمے سے نکلیں، دوسری سیدانیوں کے خیمے میں، دوسری بیبیوں کے خیمے میں اور پکاریں اے بیبیو! زینبؑ کے شہزادے قتل گاہ سے آ رہے ہیں۔ اے بیبیو! زینبؑ کے شہزادے آ رہے ہیں محاذ جنگ سے۔

ساری بیبیاں ثانی زہراؑ کے خیمے میں پرسہ دینے کے لئے جمع ہو گئیں۔ بس جوں ہی زینبؑ نے یہ سُنا کہ میرے بچے آ رہے ہیں، زینبؑ سجدۂ شکر میں چلی گئیں۔

اے معبود! میری اس قربانی کو قبول کر لے..... اس کنیز کی قربانی کو قبول کر لے۔

بس عزادارو! در خیمہ پر پہنچ کر حُسینؑ نے آواز دی۔ انتظام کیا گیا۔ دونوں بچے زخمی حالت میں لائے گئے۔ بیبیوں نے پرسا دینا شروع کیا۔ شور و گریہ و ماتم بپاء ہوا۔ زینبؑ اطمینان اور وقار

کے ساتھ اپنے بچوں کو دیکھ رہی ہیں۔ دیکھا دونوں بچوں میں ابھی کچھ جان باقی ہے۔ زینبؑ نے کہا اماں فضہ! کیا ایسا انتظام نہیں ہوسکتا کہ میں اپنے بچوں سے کچھ باتیں کرلوں؟

خیمہ خالی ہوا، ایک یا دو بیبیاں جن میں اماں فضہ بھی شامل تھیں خیمے میں رہ گئیں۔ اب زینبؑ دونوں بچوں کے درمیان میں بیٹھ گئیں ایک ہاتھ عونؑ کے سینے پر رکھا ایک ہاتھ محمدؑ کے سینے پر رکھا۔ پوچھتی ہیں میرے بچو! کس حال میں ہو، میرے شہزادو! کس حال میں ہو؟

ماں کی آواز کانوں سے ٹکرائی، ہاتھ کا لمس محسوس ہوا، آنکھ کھولی بڑے شہزادے نے، مادر گرامی! آپ ہم سے راضی تو ہوگئیں ناں؟

چھوٹے شہزادے نے آنکھیں کھولیں، اے مادر گرامی! ہم عمر ابن سعد کے خیمے تک پہنچ گئے تھے مگر وہ ملعون نکل کر بھاگ گیا۔ بڑا بیٹا کہتا ہے اے مادر گرامی! خدا گواہ ہے ہم نے آنکھ اٹھا کر بھی پانی کو نہیں دیکھا۔ چھوٹے بیٹے نے آنکھ کھولی اور پوچھا اے اماں جان! آپ نے ہمیں دودھ تو بخش دیا، آپ ہم سے راضی تو ہوگئیں؟

بس عزادارانِ حسینؑ! ماں کے جملے کی تکرار کرتے ہوئے کہتا ہوں۔ عصر عاشور کے بعد زینبؑ تنہا علیؑ بھی ہے، زینبؑ حسینؑ بھی ہے اور زینبؑ عباسؑ بھی ہے، ارے سب کچھ ہے مگر زینبؑ ایک ماں بھی تو ہے اور پھر عونؑ و محمدؑ جیسے بیٹوں کی ماں۔ اپنے بچوں کی جو یہ گفتگو سنی، بس تڑپ اٹھی زینبؑ۔ کبھی اپنا سر محمدؑ کے سینے پر رکھا، کبھی عونؑ کے سینے پر رکھا، اے میرے شہزادو! تم نے اس کنیز کو خوش کر دیا۔ ارے زینبؑ تم سے راضی ہوگئی، تم نے اپنی ماں کو فاطمہ زہراؑ کے سامنے سرخرو کر دیا۔ اے میرے بچو! میں نے تمہیں دودھ بخش دیا۔

اَلا لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْن

چھٹی مجلس

أعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أجْمَعِينَ مِنَ اَلْآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ اَللّٰهِ اَلرَّحْمٰنِ اَلرَّحِيمْ

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوَّيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجده ۷، ۸، ۹)

گذشتہ رات ملہوالی ضلع اٹک پنجاب میں ایسے ہی ایک فرش عزاء پر کچھ مومنین نے جامِ شہادت نوش کر کے بارگاہ حسینی میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کر دیئے۔ ان شہید ہونے والوں میں چار اور پانچ سال کے معصوم بچے بھی تھے اور کڑیل جوان بھی، ان شہید ہونے والوں میں

ادھیڑ عمر کے افراد بھی تھے اور اسّی نوے سال کے بوڑھے بھی، ان تمام شہداء کے ایصال ثواب کے لئے ایک سورۂ فاتحہ پڑھ کر بخش دیجئے۔

مجھے نہیں معلوم کہ آپ لوگوں میں سے کس نے اس سانحے کو کس انداز میں لیا ہوگا؟ مجھ پر ایک بہت بڑا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ میں جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہوں اور جذبات سے مغلوب ہو کر باتیں کیا کرتا ہوں۔ پروردگار سے بس ایک دعا کرتا ہوں کہ جس وقت میرے یہ جذبات ختم ہو جائیں وہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہو۔ اگر کوئی مجھ پہ یہ الزام لگاتا ہے تو مجھے اس الزام پر فخر ہے لیکن اس وقت میں بالکل غیر جذباتی ہو کے چند باتیں آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔

عزیزو! میں کوئی بے حس انسان تو نہیں ہوں کہ ایک اتنا بڑا سانحہ ہو جائے اور میں منبر پہ بیٹھ کے اسے فراموش کر دوں اور دوسری باتوں کی طرف چلا جاؤں۔ نہ انتظامیہ کو میں کوئی گیدڑ بھبکی دینا چاہتا ہوں اور نہ کسی اور کو۔ میں اپنے ان جوانوں کے سامنے بھی، جو مجھ سے سوال کرتے ہیں، جواب دیتے ہوئے اپنے الفاظ کو کھوکھلا پاتا ہوں اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے اور اپنے دوستوں کو بھی میں کسی انتہائی قدم کی دعوت نہیں دے سکتا کہ میرے مولاؑ کی تربیت کا یہ انداز ہی نہیں ہے۔ مولاؑ مظلوم جیے اور ان کی اولاد بھی مظلوم ہی چلی گئی۔

میرے دوستو! میں جانتا ہوں کہ آپ جوان جو مسلسل ہم سے سوال کرتے ہیں میں آپ کے جذبات سے بھی آگاہ ہوں اور آپ کے جذبے سے بھی لیکن اس کے باوجود میں آپ کو کسی ایسے قدم کے اٹھانے کی طرف دعوت نہیں دے سکتا کہ جو مکتب و مسلک اہل بیتؑ کے خلاف ہو۔

یہ ظالم تو یہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ یہ گذشتہ ظالموں ہی کی نسلیں ہیں جنہوں نے خاندان رسالت مآبؐ کو اجاڑا تھا۔ رسولؐ نے انہیں اسلام دیا اور انہوں نے رسولؐ کے گھر کو ہی اجاڑ کر رسالت مآبؐ کے احسان کا بدلہ چکا دیا۔

آپ کا ان پر احسان یہ ہے کہ آپ نے انہیں یہ ملک دیا تو اب یہ آپ کے احسان کا بدلہ آپ کو قتل کر کے ادا کر رہے ہیں۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کی تاریخ یہ ہے کہ یہ ملک بنا۔

والے اور اس ملک کے لئے جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے آپ ہیں۔ ابھی کارگل کے شہداء کی جو فہرست سامنے آئی ہے اس میں بھی سرحدوں کا دفاع کرنے والوں میں تین سو مومن سپاہیوں کے نام ہیں جنہیں اسی حکومت نے تمغوں سے بھی نوازا ہے۔

میں حکومت کو بھی کچھ نہیں کہنا چاہتا، میں جانتا ہوں کہ یہ بھی بے چارے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں بھی کچھ نہیں ہے لہٰذا میں ان سے کیا کہوں؟ انتظامیہ کے افراد اپنے گھروں میں جائیں اپنا ٹی وی نہیں، پی ٹی وی نہیں، دنیا بھر کے ریڈیو اور ٹی وی سنیں اور اپنا سیاہ چہرہ دیکھ لیں کہ صبح سے ساری دنیا ان پر کتنا تھوتھو کر رہی ہے؟

آپ نہ دکھائیں اپنے ٹی وی پر مگر پوری دنیا کے ٹی وی، ریڈیو اور میڈیا کے دوسرے ذرائع آپ کے سیاہ چہرے پر مزید سیاہی مل رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کل سے آپ کے پالیسی بیان آنا ہو جائیں گے کہ ہم آہنی ہاتھ سے، لوہے کے ہاتھ سے، اسٹیل کے ہاتھوں سے اور پتہ نہیں کن کن ہاتھوں سے ان دہشت گردوں سے نپٹیں گے۔ نپٹتے رہیے آپ ان دہشت گردوں سے لیکن ایک بات یاد رکھئے گا، میں نے پہلی مجلس میں بھی انتظامیہ سے گذارش کی تھی، میں مشورہ ہی تو دے سکتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہر بات، ہر لفظ ریکارڈ پہ رہتا ہے۔ اسی لئے میں کہیں بھی، کسی بھی جگہ مجمع عام میں، اپنے جوانوں کو اپنے بچوں کو کوئی ایسا درس نہیں دوں گا جو ہمارے مکتب کے، ہمارے راستے کے اور ہمارے ملک کے خلاف ہو لیکن ایک تاریخی قاعدہ آپ کو بتا رہا ہوں۔ وہی بات دہرا رہا ہوں جو پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں اس کو پھر غور سے سن لیجئے کہ اگر کوئی قوم، دیکھئے! یہ چند افراد کا مسئلہ تو نہیں ہے ناں! شیعہ قوم چند افراد پر مشتمل تو نہیں ہے کہ جنہیں آپ دبا لیں گے۔ کوئی سیاسی پارٹی نہیں ہے کہ جسے آپ اپنے حربوں سے کچل دیں یا ختم کر دیں۔ شیعہ قوم سرکاری جیبوں میں رکھی ہوئی کوئی پارٹی تو نہیں ہے کہ جسے جب چاہیں آپ اقتدار پہ پہنچا دیں اور جب چاہیں جیل میں پہنچا دیں کیوں کہ وہ تو آپ ہی کی بنائی ہوئی پارٹیاں ہیں لیکن یہ قوم کا مسئلہ ہے اور جب کوئی قوم کسی بند گلی میں پہنچ جاتی ہے یا پہنچا دی جاتی ہے، اپنے آپ کو غیر محفوظ خیال کرنے لگتی

ہے تو آپ یقین جانیے کہ وہ قوم ہے لہٰذا جب وہ بند گلی میں پہنچادی جائے گی، جب اس کے جینے کے سارے راستے آپ بند کردیں گے تو پھر اس کے بعد اس کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہوگا کہ وہ واپس پلٹے اور تاریخ کے پہیے کو آگے کی طرف چلائے اور جان لیجئے کہ اس وقت نہ میری آواز کو کوئی سننے والا ہوگا اور نہ کسی اور عالم کی آواز سننے والا ہوگا بلکہ یہ میں خود بتادوں آپ کو کہ اس وقت جو بھی انہیں صبر وضبط کی تلقین کرے گا یہ عباؑ وقباؑ سمیت اُسے اٹھا کر پھینک دیں گے۔ یہ اس عمامے کو اٹھا کر پھینک دیں گے۔ یہ ان ذاکرین کو اٹھا کر منبر سے پھینک دیں گے جو انہیں اس وقت تحمل و بردباری کا درس دیں گے۔ یہ ان خطباء کو منبر سے اٹھا کر پھینک دیں گے جو انہیں اس گھڑی صبر وضبط کی تلقین کریں گے۔

کیوں؟ اس لئے کہ جب کوئی قوم دیکھتی ہے کہ ہمارے قائدین اس قابل نہیں رہے کہ وہ ہماری قیادت کرسکیں تو قومیں ایسے مراحل میں خود فیصلہ کیا کرتی ہیں۔ قومیں اپنے جینے کی راہوں کا خود تعین کیا کرتی ہیں۔ یہ فطرت انسانی ہے سرکار! یہ فطرت ہے لہٰذا اس فطرت سے مت لڑیئے! اور قومیں جب خود فیصلہ کرتی ہیں تو کوئی بھی بند ان کے آگے سد راہ نہیں بن سکتا۔ کوئی بند نہیں باندھا جاسکتا۔

ہر جوان کی آنکھوں میں یہی سوال ہے۔ ہر بچے کے چہرے پہ یہی سوال ہے اور عزیزو! میں نے عرض کیا ہے کہ اس وقت میری کیفیت ایسی نہیں ہے کہ آپ سے مربوط گفتگو کرسکوں۔ آپ اس وقت جس قسم کی مجلس کی مجھ سے توقع کرسکتے ہیں وہ میں نہیں پڑھ سکتا۔ میرا ایسا دل نہیں ہے۔ میرا ایسا مزاج نہیں ہے میں لوگوں کی آنکھوں میں نفرتیں چھپی ہوئی دیکھتا ہوں۔ میں لوگوں کے چہروں پہ ابھرتے ہوئے سوالات دیکھتا ہوں۔ جو سوالات لوگ کرتے ہیں، مجھ سے نہیں، دوسروں سے کرتے ہیں وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔

دو باتیں مجھے آپ سے بھی کرنی ہیں

آپ کو شکایت ہے ہم سے

بہت شکایت ہے ناں آپ کو؟

کہ ہمارے ہاں دھڑے بندی ہے

علماء میں دھڑے بندی ہے

تنظیموں میں دھڑے بندی ہے

تحریکوں میں دھڑے بندی ہے

آخر ایسا کیوں ہے؟

یہ سب کا سوال ہے

عزیزانِ محترم! نہ میں ان لٹیروں کے پس منظر بیان کرنا چاہتا ہوں، نہ میں وہ حالات بتانا چاہتا ہوں کہ کن لوگوں نے ہمارا سودا کیا اور کس طرح سے ہمیں رسوا کیا اور ایک غیرت مند قوم کو، ایک باحمیت قوم کو کس جگہ لا کھڑا کیا لیکن تمام انانیت پرستی اور نفس پرستی کو ایک طرف رکھتے ہوئے میں واضح کرتا ہوں کہ میں فقط اپنے نفس کا ذمہ دار ہوں۔

میں سب علماء کا ذمہ دار نہیں ہوں

میں سب ذاکرین کا ذمہ دار نہیں ہوں

میں سب خطباء کا ذمہ دار نہیں ہوں

میں تو فقط اپنا ذمہ دار ہوں

میری ایک جان ہے

میرا ایک نفس ہے

اب میں اپنے طور پہ آپ کی صفوں میں ہوں

میں آپ کے ساتھ ہوں

میں اعلان کرتا ہوں اور یہ اعلان کرتے ہوئے بھی مجھے کوئی خوف نہیں ہے

کسی کی لعنت ملامت کا یا کسی اور بات کا

میں نے اپنا معاملہ اپنے اللہ کے ساتھ کرلیا ہے

ہماری جو میٹنگ ہوتی ہے، اس کا نتیجہ اختلافات

ہماری جو نشست ہوتی ہے، اس کا نتیجہ اختلافات

یہ کالی بھیڑیں جو ہماری جانوں سے چمٹی ہوئی ہیں

یہ انتظامیہ کی ایجنٹ، کالی بھیڑیں

یہ مقدس نما ہمارے ساتھ بیٹھ کر کچھ باتیں کرنے والے

اور وہاں جا کے ان کو کچھ اور یقین دلانے والے

آدمی آخر کس پر اعتبار کرے جب اپنا سایہ تک قابل اعتبار نہ رہے؟

لیکن میں فقط اپنے ہی نفس کا تو ذمہ دار ہوں

نہ مجھے اپنے ساتھیوں کا کوئی خوف ہے

نہ مجھے کسی اور کا کوئی خوف ہے

میں اپنے طور پر یہ اعلان کرتا ہوں

اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لئے تا کہ آپ کو یہ اطمینان ہو جائے کہ میں آپ کے ساتھ ہوں

میرا اس وقت کے بعد سے

چاہے کوئی لعنت کرے

چاہے کوئی ملامت کرے

کوئی کتنے ہی سوال اٹھائے

مجھے کسی کی کوئی پروا نہیں ہے

میں نے اپنا معاملہ اپنے خدا کے ساتھ کر لیا ہے

میرا خدا میری اس بات کا گواہ ہے

آج کے بعد میرا کسی تحریکی دھڑے سے کوئی تعلق نہیں ہوگا

اب میں کسی منصب پر نہیں ہوں

میں نے ہر منصب سے رضا کارانہ طور پر علیحدگی اختیار کر لی ہے

اپنی نا اہلی کا اقرار کرتے ہوئے کہ

نہ میں اس منصب کا اہل ہوں

نہ میں ان مسائل کو حل کر سکتا ہوں

نہ میں اپنوں سے لڑ سکتا ہوں

اور نہ ان مسائل کا حل آپ کو پیش کر سکتا ہوں

آج کے بعد میرا کسی تنظیمی عہدے سے کوئی تعلق نہیں

میں اپنی ذات کا ہی تو ذمہ دار ہوں

آپ کا یہی سوال ہے ناں کہ یہ ایک کیوں نہیں ہوتے؟

اب میں آپ کے ساتھ مل کر ان سے سوال کروں گا کہ

عزاداری کی خاطر

حسینؑ کی خاطر

مادرِ حسینؑ کی خاطر

اس بے چاری اور مظلوم ملت کی خاطر

خدا کے لئے اے اہل منبر و اہل محراب! اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو

خدا کے لئے اے دانش ورو!

اے ڈاکٹرو!

اے انجینئرو!

اور اے زندگی کے تمام شعبوں سے مربوط لوگو!

خدارا اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرو

اور خدا کے لئے ایک ہو جاؤ

تمہیں کس نے یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ تم کمزور ہو؟

تمہیں کس نے یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ تم ناتواں ہو؟

تمہیں کس نے یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ تم ضعیف ہو؟

تمہارے پاس خدا کی طاقت ہے

تمہارے پاس ایمان کی طاقت ہے

تمہارے پاس حسینیت کی طاقت ہے

تمہارے پاس کربلا کی قوت ہے

کیا تمہارا سرپرست کوئی نہیں؟

کیا کوئی نہیں ہے تمہارا سرپرست؟

لیکن حسینؑ کا بیٹا تو تمہارا سرپرست ہے

تمہارا امامؑ تو تمہارا سرپرست ہے

تم اپنے امامؑ سے تو استغاثہ کر سکتے ہو؟

ارے دل سے پکارو تو سہی اسے

اس کی طرف توجہ تو کرو

وہ تمہارا امامؑ ہے

وہ تمہارا رہبر ہے

یہ معصوم بچے جن کی تدفین ہوئی ہے

یہ ہم سے سوال کر رہے ہیں

بای ذنب قتلت

ہمیں کس جرم میں قتل کیا گیا؟

کیا جرم تھا ان معصوم بچوں کا؟

کیا یہی اسلام ہے؟

کیا یہی صحابہ کا اسلام ہے؟

خدا کی قسم! روزِ حشر ان قاتلوں کا گریبان پکڑنے والے

خود صحابہ ہوں گے کہ بتاؤ کیا یہی ہماری تعلیمات تھیں؟

جب یہی سب کچھ کرنا تھا تو ہمارا نام لے کر کیوں کیا؟

فساد کے لئے ہمارے نام کو بنیاد کیوں بنایا؟

اہل اسلام سے بھی ہمیں بڑا گلہ ہے کہ جب آپ ہمارے ساتھ میٹنگوں میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ ایک کہتا ہے ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسرا کہتا ہے ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں لیکن عملی میدان میں جب آپ آتے ہیں تو سوائے آپ کے پاس اظہارِ افسوس کے کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔

خیر! میں غیروں سے اتنا گلہ نہیں کرنا چاہتا

یہاں تو غیروں سے زیادہ اپنوں کے لگائے ہوئے زخم سنگین ہیں

وہ گھاؤ جو اپنوں سے لگتا ہے وہ زیادہ سنگین ہوتا ہے

اے برادرانِ عزیز! اگر آپ کے یہ قائدین، آپ کے یہ رہبر

کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو پھر آپ کو فیصلے کرنے ہیں

ایک قوم کی حیثیت سے آپ کا ہاتھ ہونا چاہئے اور ان کے گریبان

میں محاسبے کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں

عزیزو! رونا اس بات کا نہیں کہ بیس شہید ہو گئے۔ تیس شہید ہو گئے مگر حسینؑ نے یہ تو نہیں کہا کہ بے چارگی سے مرو، ذلت سے مرو، بھیک مانگو اپنے حقوق کی، جب مرنا ہی ہے تو ایک بار عزت کی موت کو کیوں نہ گلے لگایا جائے۔

میں تو کوئی اعلان کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ میرا محاسبہ شروع ہوگا۔ میرا احتساب شروع ہوگا کہ آپ نے یہ اعلان کس حیثیت سے کیا؟ آپ ہوتے کون تھے یہ اعلان کرنے والے لیکن ایک عام مومن کی حیثیت سے اپنی رائے کے اظہار کا حق تو میں بھی رکھتا ہوں، اپنے جذبے کے اظہار کا حق تو میں بھی رکھتا ہوں۔

کیا یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک بار اپنی جان ہتھیلی پر لے کر سڑکوں سے آجاؤ ایک بار نو محرم کو، ایک بار عاشورہ کے دن، سب اپنے آپ کو اپنے وقت کی اس کربلا میں شہادت کے لئے پیش کردو۔ عزت کی موت تو ملے گی، عزت کی موت کو گلے لگانا تو سیکھو۔

اب یہ لباس (عمامہ اور عباً وقباً) اس جسم پہ بھاری لگنے لگا ہے
اب خود اپنے آپ سے شرم آنے لگی ہے کہ کیا جواب دیا جائے لوگوں کو؟
کس طرح پوچھا جائے
سب بے ضمیر تو نہیں ہوں گے؟
ہم سب کے ضمیر تو نہیں مر گئے
ہمیں بھاری ہے اس منبر پر بیٹھنا
لوگ یہ سمجھتے ہیں
ان کو اپنا منبر عزیز ہے
ان کو اپنی خطابت عزیز ہے
ان کو اپنی دکان داری عزیز ہے
ان کو اپنے منصب عزیز ہیں

نہیں عزیزو! ایسا نہیں ہے، ہر دور میں اس (منبر) کے تقدس کی حفاظت کرنے والے تھے اور آج بھی ہیں لیکن حالات کے جبر نے ان کے ہاتھوں کو باندھ دیا ہے سوائے اس ایک زبان کے آپ کو دینے کے لئے کچھ بھی تو نہیں ہے۔

عزیزانِ محترم! میں بہت تھکا ہوا ہوں میں بھی آپ ہی جیسا انسان ہوں اپنے بچوں سے، اپنے جوانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ مجھے بھی حوصلہ چاہئے مجھے بھی حوصلہ دو۔

میں درخواست کرتا ہوں کہ علیؑ کے کچھ ایسے نعرے لگاؤ کہ روح ذرا پلٹ کے آئے۔ ذرا دم میں دم آئے اور میں آپ سے اس لہجے میں بات کروں جو کربلائے عصر کے لئے درکار ہے۔

تو عزادارانِ حسینؑ! غم اس بات کا نہیں ہے کہ ہمارے بیس عزادار شہید کر دیئے گئے..... نہیں بیس تو کیا بیس ہزار چلے جائیں لیکن مرنے کی شان تو ہو؟ اتنی بے چارگی سے تو نہیں۔

یاد رکھئے! آپ کا مقابلہ بہادروں سے نہیں ہے بلکہ آپ کا مقابلہ بزدلوں اور نامردوں سے ہے، ان نامردوں سے جو اپنے آباء واجداد کی سیرت پر چل رہے ہیں ان کے آباء واجداد کی بھی یہی سیرت رہی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ پشت سے وار کیا ہے۔

آؤ.....ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں

آؤ.....چھوڑو حکومت اور انتظامیہ کو

آؤ..... مقابلے کا میدان معین کرو

اور مباہلے کا میدان معین کرو میں چیلنج کرتا ہوں کہ..... آؤ

اگر دلیر ہو

اگر بہادر ہو

اور اگر اپنے خون کی اصلیت پر تمہیں ناز ہے

ہم یہ نہیں کر سکتے۔ ہم نہ بچوں پہ ہاتھ اٹھا سکتے ہیں نہ عورتوں پہ ہاتھ اٹھا سکتے ہیں نہ عبادت گاہوں پر حملے کر سکتے ہیں جو اسلام ہمیں ملا ہے وہ اہلِ بیتِ محمد علیہم السلام کا اسلام ہے جو انسانیت سے عبارت ہے ..... جو شرافت سے عبارت ہے لیکن ہاں اہل بیتؑ نے یہ بھی بتایا ہے کہ جب میدان جنگ ہو، میدان مبارزہ ہو، تو بے چارگی سے نہیں مرنا۔ حسینؑ، مظلوم کربلا ہے مگر اس تین دن کے پیاسے نے بھی جب حملہ کیا تھا ناں تو تاریخیں گواہ ہیں، اٹھا کر پڑھ لو کہ کوفیوں اور شامیوں

کا لشکر کوفہ کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔ حسینؑ کے کڑیل جوان بیٹے نے جب حملہ کیا تھا، حسینؑ کے علم دار نے جب حملہ کیا تھا تو دشمن کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔

مظلومیت اپنی جگہ لیکن میدان میں یہ بتایا تھا کہ ہم شجاعت کے وارث بھی ہیں تو اے عصر حاضر کے یزیدیو! اگر تمہیں اپنی قوت پر ناز ہے تو نامردوں کی طرح نہیں، بزدلوں کی طرح نہیں بلکہ آؤ بہادروں کی طرح میدان مقابلہ معین کرو۔ ہم بھی اپنی پوری قوت کے ساتھ آئیں گے اور جانے رہو کہ ہماری پوری قوت کیا ہے؟ یہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے علم ہاتھوں میں لے کر، ہماری مائیں بہنیں، یہ کنیزان زہراؑ، یہ ہمارے جوان، غلامانِ عونؑ و محمدؑ بن کر آئیں گے اور پھر دیکھو کہ کربلا دوبارہ سے تیار ہوتی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم یہ نہیں کر سکتے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم مرد نہیں بن سکتے کیونکہ تمہاری رگوں میں تو انہی بھگوڑوں کا خون دوڑ رہا ہے، تم بھی تو انہی بھگوڑوں کی نسلیں ہو جو رسول اللہؐ کو تنہا چھوڑ کر جنگ کے میدانوں سے بھاگتے رہے۔

تم انہی لوگوں کا معنوی تسلسل ہو جنہوں نے رسولؐ کو تنہا کیا، جنہوں نے اہل بیتؑ کو تنہا کیا، تم کبھی میدان میں مردوں کی طرح آنے والے تھے، نہ کبھی ایسے بن سکتے ہو۔ تم نے ہمیشہ آل رسولؐ پر اسی طرح وار کیا ہے۔ تم نے ہمیشہ اسی طرح بستیوں کو تاراج کیا ہے۔ اسی طرح حکومت اور اقتدار کی خاطر تم نے ہمیشہ قتلِ عام کیا ہے۔ اسی طرح تم نے ہمیشہ عورتوں پر ہاتھ اٹھائے ہیں، لوگوں پر گولیاں برسائیں اور بچوں کو یتیم کیا ہے۔

مومن پورہ لاہور میں شہید ہونے والے سب مرد نہیں تھے، ان شہداء میں مومنات بھی تھیں۔ تم نے یاد تازہ کی کہ ہم بھی انہی کے وارث ہیں۔ ہم بھی انہی کی اولاد ہیں جنہوں نے روز عاشورہ حسینؑ کے خیموں کو جلایا تھا جنہوں نے روز عاشورہ رسولؐ کی بیٹیوں کے سروں سے چادریں کھینچی تھیں۔ اسی لئے تو ہم یہ کہنے میں حق بہ جانب ہیں کہ ہم حسینؑ کی مظلومیت کے وارث ہیں اور تم یزیدیت کے ظلم کے۔

سنو! ہمیں ہر لہجے میں گفتگو کرنا آتی ہے مگر کیا کریں ہماری مجبوری ہے کہ ہم ہر چیز کے

وارث ہیں۔ ہمارے پاس علم بھی ہے اور ہمارے پاس حلم بھی ہے۔ ہمارے پاس شجاعت بھی ہے اور ہمارے پاس انسانیت بھی ہے۔ ہم نے ہر دور میں وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی ہے۔ تم سمجھتے ہوں گے کہ ہم ظلم کی آندھیوں سے تنگ آ گئے۔ شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ ہم تم سے امن کی بھیک مانگیں گے یا ہم تم سے یہ کہیں گے کہ اس کشت و کشتار کو بند کراؤ۔

نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ تم آؤ
اور اپنے پورے ظلم و ستم کے ساتھ آؤ
لیکن تم پھر بھی اتنی قوت کے ساتھ نہیں آ سکتے
جتنی قوت تمہارے سرخیل امیر شام کے پاس تھی
اتنی قوت کے ساتھ تم نہیں آ سکتے
جتنی قوت تمہارے جدِّ اعلیٰ یزید کے پاس تھی
اتنی قوت کے ساتھ تم نہیں آ سکتے
جتنی قوت آل مروان کے پاس تھی
اور ہاں یہ بھی یاد رکھو اس کو بھولنا نہیں کہ
جتنی قوت سے ہمیں دبایا جاتا ہے
یہ اعجاز ہے کربلا کا
یہ معجزہ ہے کربلا کا
خدا کی قسم! ہماری نسلیں اسی عقیدے پر ختم ہوئیں
اور ہمارا قیامت تک یہی عقیدہ رہے گا
اور ہم اسی طرح آگے بڑھیں گے
پھر سن لو کہ جتنی قوت سے ہمیں دبایا جاتا ہے
اتنی ہی قوت سے کربلا ابھر کر سامنے آ جاتی ہے

کربلا والے ابھر کر سامنے آجاتے ہیں

بتاؤں تمہاری بہادری! تمہاری بہادری یہ ہے کہ مجلس سے گھر جاتے ہوئے لوگوں کو تم نے ایک دو کو اِدھر پکڑ کر مار دیا ایک دو کو اُدھر پکڑ کر مار دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے چار مار دیئے، پانچ مار دیئے مگر یہ نہیں پتا کہ تم نے اپنے ملک اور اپنے چہرے پر کتنے سیاہ داغ لگا دیئے۔ مستقبل کا مورخ لکھے گا تو یہی لکھے گا کہ یہ سپاہ یزید تھی جس نے یزید کا اتباع کیا۔

تم نے راہ چلتے ہوئے بچوں کو پکڑ لیا، کلینک پر بیٹھے ہوئے ایک بے دفاع ڈاکٹر کو مار دیا۔ تم نے عدالتوں میں پکڑ کر کسی اکیلے دکیلے وکیل کو مار دیا۔ کیوں؟ یہ ثابت کرنے کے لئے تمہارے آباء واجداد بھی بزدل تھے اور تم بھی بزدل ہو، وہ بھی نامرد تھے اور تم بھی نامرد ہو۔

تمہاری یہ ہمت ہی نہیں کہ مقابلے کی دعوت دے کر میدان میں آؤ۔ تم تو چوری چھپے آئے، رات کی تاریکی میں آئے، بے دفاع لوگوں پر گولیاں برسائیں، معصوم لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگین کئے، قرآن کو گولیوں سے پارہ پارہ کیا اور راہ فرار اختیار کر لی، یہ ہے تمہاری بہادری؟

قرآن کریم کے وہ نسخے ہم نے تاریخ کے لئے محفوظ کر لئے ہیں، جو تمہاری گولیوں سے چھلنی ہو گئے اور قیامت کے دن سیّدہ فاطمہ زہراؑ ہی اپنے حسینؑ کا مقدمہ نہیں پیش کریں گی بلکہ ایک مقدمہ قرآن بھی پیش کرے گا کہ پروردگار! مجھے کس جرم میں چھلنی کیا گیا تھا جب کہ میں تو تیرا کلام تھا، میں تو تیری کتاب تھا؟

ہم نے ان نسخوں کو محفوظ کر لیا ہے جو تمہاری گولیوں سے مسجدوں میں پارہ پارہ ہو گئے ہیں۔ ہم نے ان تباہ شدہ قرآنوں کو محفوظ کر لیا ہے، قیامت کے دن وہ بھی گواہی دیں گے کہ یہ تھے جنہوں نے اسلام سے دشمنی کی تھی، جنہوں نے قرآن سے دشمنی کی تھی کچھ ''مقدس ناموں'' کو اپنے لئے ڈھال قرار دیا، اپنے ناپاک عزائم کے لئے آڑ قرار دیا اور اس آڑ میں اپنے گھناؤنے مقاصد کو پورا کیا۔

لیکن عزادارو! ایک درس یاد رکھنا کہ اگر کوئی بھی تمہارا پناہ دینے والا نہ بچے

کوئی بھی تمہاری حفاظت کرنے والا نہ بچے
تمہارے سارے قائدین اگر بک بھی جائیں
تمہارے سارے رہبر بھی انتظامیہ اوران کے ایجنٹوں کے ساتھ
میٹنگوں میں مصروف ہو جائیں
تمہاری جتنی بھی کالی بھیڑیں ہیں
جو صبح شام تمہیں حالات کی درستگی کا مژدہ سناتی ہیں
اور حکومتوں کو علیحدہ یقین دلاتی ہیں کہ ہم حالات کو کنٹرول کریں گے
ہم حالات کو سنبھالیں گے
جب تمہیں ان باتوں کا یقین حاصل ہو جائے
تو پھر تمہاری یہ ذمہ داری ضرور ہے کہ تم ان کے گریبانوں پر بھی ہاتھ ڈالنا
ان سے بھی باز پرس کرنا اور پھر خود فیصلے کرنا
اس لئے کہ جو فیصلے قومیں کیا کرتی ہیں
وہ فیصلے اٹل ہوا کرتے ہیں
بہت اٹل ہوا کرتے ہیں
اور جب قومیں خود فیصلے کر لیں
تو پھر کوئی کتنا ہی مقدس لبادہ اوڑھ کر کیوں نہ آ جائے
وہ قوم کو بے وقوف نہیں بنا سکتا
قوم کو دھوکا نہیں دے سکتا

عزادارانِ حسینؑ! جانے رہئے کہ یہ کربلا ہے، حالات سے بھی شکایت نہیں ہے اس لئے کہ ہماری تو نسلیں ہی انہی حالات سے گزرتی چلی آ رہی ہیں لہٰذا اپنے راستے کو فراموش نہ کرو۔ گلہ ہے تو اس بات کا، افسوس ہے تو اس بات کا، رونا ہے تو اس بات کا کہ ہمارے علماء نے کبھی یہ کردار

پیش نہیں کیا تھا جو آج ہمارے ہی چند افراد نے ہمارے ساتھ کیا ہے۔ ہمارے علماء کی ٹانگیں چیری گئیں۔ ہمارے علماء کو اونٹوں سے باندھ کر گھسیٹا گیا، ان کے ٹکڑے اڑائے گئے لیکن انہوں نے اپنے راستے سے، حق بات کہنے سے کبھی اپنے آپ کو پیچھے نہیں ہٹایا۔ رونا ہے تو اس بات کا کہ چند افراد نے تاریخ کی ساری محنتیں اکارت کر دیں۔

اے علمائے کرام! کب آپ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں گے؟

اے خطیبان اہل بیتؑ!

اے ذاکرینِ حسینؑ!

آج اس منبر کا حق ادا کرنے کا وقت آیا ہے

آج یہ منبر آپ سے قربانی چاہتا ہے

اگر آپ نے یہ حق ادا نہ کیا تو یہ خیانت ہوگی

عزاداری کے ساتھ یہ خیانت ہوگی

عزاخانوں کے ساتھ یہ خیانت ہوگی

اُس منبر کے ساتھ جس نے آپ کو عزت دی ہے

اس منبر کے ساتھ جس نے آپ کو شہرت دی ہے

اس منبر کے ساتھ جس نے آپ کو مقام دیا ہے

اس منبر کے ساتھ جس نے آپ کو دنیا بھی دی ہے اور آخرت بھی

اب یہ منبر آپ سے قربانی مانگ رہا ہے

تو آپ اس منبر کی راہ میں کچھ قربان بھی کریں

اس منبر کی حفاظت کے لئے

اس عزاداری کی حفاظت کے لئے

کچھ قربان بھی کریں

میرے عزیزو! مجھے نہیں معلوم کہ میری باتوں کا آپ پر کیا اثر ہو رہا ہے
لیکن میں نے عرض کیا ہے ناں کہ آج آپ مجھ سے کچھ اور توقع نہ رکھیں
کیونکہ میں بھی تو آپ ہی جیسا انسان ہوں
میرے سینے میں بھی ایک دل ہے لہٰذا
عزیزو! مجھے یقین ہے کہ جو میرے دل میں ہے
وہی ہزاروں لاکھوں جوانوں کے دلوں میں بھی ہے
وہی ہزاروں لاکھوں مومنین کے دلوں میں بھی ہے
بس میرے پاس ایک یہ زبان ہے
لہٰذا جہاں جہاں تک یہ پیغام جا سکتا ہے میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں
اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں نے کتنے صدق نیت سے دعا کی
اور پھر دعا کرتا ہوں کہ پروردگارا! اگر یہ جان اس قابل ہے تو
تیری عزت و جلال کی قسم! میرے خون کا ہر قطرہ
دین اسلام کے لئے وقف ہے
کاش! میں اس قابل ہوتا کہ میرا خون بہہ جاتا
اور میں اپنے خدا اور اپنے لوگوں کے سامنے سرخرو ہو جاتا
لیکن میرے گناہ اور میری بداعمالیاں ایسی ہیں کہ
اللہ نے مجھے اس سعادت سے محروم رکھا ہوا ہے
پھر بھی میری یہی دعا ہے کہ پروردگارا!
مجھے شہادت کی سعادت مرحمت فرما
اور میرا خون جب زمین پر گرے
تو ہر قطرے سے یا حسینؑ یا حسینؑ کی صدا آئے۔

عزدارو! میں کیا عرض کروں میں جب مصائب پڑھتا ہوں علی اکبرؑ ،قاسمؑ،اور عونؑ ومحمدؑ کے تو مجھ پر کیا گزرتی ہے؟ عصر عاشور کس طرح ماؤں نے ان بچوں کو سجا سجا کر میدان میں بھیجا تھا؟ بس میں نے آپ کی زحمتوں کو ختم کر دیا اور مجھے اطمینان حاصل ہوا ہے کہ

آج میں نے حقیقی مجلس پڑھی، جیسی مجلس مجھے پڑھنی چاہئے تھی

اے شہیدو! گواہ رہنا

اے شہیدو! گواہ رہنا

میں نے اپنا حق ادا کیا ہے

ان معصوم بچوں کا حق

جن کا خون گذشتہ رات بے گناہ بہایا گیا ہے

گواہ رہنا شہیدو! مجھ میں جتنی قوت تھی، جتنی استطاعت تھی

وہ سب میں نے تمہارے لئے استعمال کی ہے

بس تم بھی میرے لئے بھی دعا کرو

اے شہیدو! تم کامیاب ہو گئے اور ہم بدنصیب

اُس عزت وسعادت کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب ہماری باری آتی ہے

عزاداران حسینؑ! اگر کربلا نہ ہوتی، اگر قاسمؑ کا یہ جملہ نہ ہوتا، اپنے چچا کی بات کے جواب میں جب چچا نے سوال کیا کہ بیٹا قاسمؑ موت کو کیسا پاتے ہو؟

تو اس شہزادے نے جواب دیا

اهل من العسل

اے چچا جان! شہد سے زیادہ شیریں

یہ مجلس جو میں آپ کے سامنے پڑھ چکا بس یہی بات سمجھانے کے لئے کہ اگر عشق کا دیا سینے میں روشن ہے تو عشق کی راہ میں آنے والی موت میں جو لذت ہے اس کو وہی محسوس کر سکتا ہے جو

کربلا کی حقیقت کو جان چکا ہے، جو جان چکا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، یہ زندگی دھوکا ہے، حقیقت کیا ہے؟ یہ کربلا والے بتاتے ہیں کہ آؤ اگر زندگی چاہتے ہو۔

اگر جینا چاہتے ہو تو ہماری طرح زندہ ہو جاؤ

زندہ تو کربلا والے ہیں

ہم تو چلتی پھرتی لاشیں ہیں

جو اپنے آپ کو زندہ سمجھ کر سڑکوں پر گھسیٹتے پھر رہے ہیں

وہ زندہ ہیں جنہوں نے حسینؑ کے عشق میں اپنی جانوں کو قربان کر دیا

جو ہمیشہ کے لئے زندہ ہو گئے

جن کا نام باقی

جن کے نام پہ رونے والے باقی

اور جن کے نام سے زندگی کا درس لینے والے باقی

عزادارانِ حسینؑ! یہ قاسمؑ! حسنؑ کا لال، جسے تیار کیا تھا، جسے خاص ہدیہ قرار دیا تھا حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے، آخری وقت میں ام فروہ کو جو وصیت کی تھی۔ دو یا ڈھائی سال کا قاسمؑ ہے۔ وصیت کی تھی کہ کربلا میں، حالانکہ کربلا میں جناب امام حسنؑ کے اور بھی بیٹے شہید ہوئے ہیں لیکن امام حسنؑ نے وصیت کی کہ کربلا میں قاسمؑ میری طرف سے خاص ہدیہ ہوگا اور ایک یادداشت بھی دے دی تھی کہ اگر مشکل ہو اجازت ملنے میں تو میری یہ تحریر میرے بھائی کے حوالے کر دینا۔

عزادارانِ حسینؑ! شب عاشور ماؤں نے اپنے بچوں کو تیار کرنا شروع کر دیا۔ اے میری ماؤں بہنو! میری آپ سے اپیل ہے کہ آپ باہر نہ نکلیں، آپ کی حرمت شہیدوں کے خون سے بھی زیادہ ہے لیکن اپنے بچوں کو ضرور بھیجیں کہ اگر چلا گیا تو گویا مراد پوری ہوگئی، دعا پوری ہوگئی۔

یہ سوچ کر بھیجیں کہ آپ کی حرمت ان کے خون سے زیادہ ہے

آپ بے شک نہ آئیں، آپ گھروں میں رہیں مگر اپنے بچوں کو ضرور بھیجیں

جیسے قاسمؑ کی ماں اپنے بچے کو تیار کر رہی تھی اور کہتی جاتی تھی

قاسمؑ! قاسمؑ مجھ دکھیاری کے پاس تیرے سوا کچھ نہیں ہے

قاسمؑ کل حسینؑ پر قربان ہونے کی باری ہے

عاشورہ کیا ہے؟

یہ مت بھولنا

عاشورہ کا دن

حسینؑ پہ قربان ہو جانے کا دن ہے

اسی جذبے سے تو جاتے ہو جلوس میں؟

اسی جذبے سے تو جاتے ہو سڑکوں پر؟

عاشورہ یعنی اس عہد کا اعادہ کہ اے حسینؑ ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں

حسینؑ کے استغاثے کا جواب ہیں

تاسوعا یعنی ۹ محرم اور عاشورہ کے جلوس

هل من ناصراً ینصرنا

هل من مغیث یغیثنا

ارے! کوئی ہے جو حسینؑ کی مدد کرے؟

ارے کوئی ہے جو حسینؑ کے استغاثے کا جواب دے؟

یہ لاکھوں انسان ہر سال عاشورہ کے دن

یہ کروڑوں انسان ہر سال عاشورہ کے دن

لبیک یا حُسینؑ کہتے ہوئے دیوانہ وار سڑکوں پر نکل آتے ہیں

اگر اس کے علاوہ کوئی کچھ اور سمجھتا ہے تو یہ اس کی مرضی ہے

عاشور کے دن آپ کا گھروں سے نکلنا

حسین کے استغاثے کا جواب ہی تو ہے

تو بس عزادارانِ حسینؑ! تیار کر رہی ہیں مائیں

عاشورہ کے لئے اپنے بچوں کو کہ اے بچو!

کل عاشورہ ہے اور تمہیں حسینؑ پہ قربان ہونا ہے

اور بچے دست بستہ عرض کر رہے ہیں اپنی ماؤں سے

بس اجازت مل جائے تو پھر دیکھئے! کس طرح نثار ہو جائیں گے اپنے مولا حسینؑ پر

صبح عاشورہ نمودار ہوئی اور حسینؑ کے اعوان و انصار شہید ہونا شروع ہوئے

قاسمؑ کو ماں نے بلایا بیٹا قاسمؑ! کیا سبب ہے کہ تو اب تک میدان میں نہیں گیا؟

قاسمؑ نے جواب دیا، اے مادر گرامی! میں کیا کروں، جب جاتا ہوں چچا جان مجھے واپس بھیج دیتے ہیں۔ ماں نے کہا کہ نہیں بیٹا! تجھے اجازت ضرور ملے گی۔ روایات کے مطابق بازو سے بندھا ہوا تعویز، وصیت نامہ جناب امام حسنؑ کا کھولا اور کہا یہ تمہارے بابا کی تحریر ہے جاؤ اپنے چچا کو دو۔

قاسمؑ کِھل اٹھے جیسے موت کی اجازت نہیں زندگی کی نوید مل گئی ہو۔ میں نے کہا ہے ناں کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ موت کی طرف نہیں بلکہ حیات ابدی کی طرف جا رہے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ قیامت تک ہماری شجاعت کی داستانیں دہرائی جاتی رہیں گی۔ ہمارے شبیہہ پیدا ہوتے رہیں گے اور دین پر اور حسینؑ پر اسی طرح اپنی جانیں قربان کرتے رہیں گے۔

عزادارانِ حسینؑ! بس قاسمؑ خوشی خوشی وہ وصیت نامہ لے کر حسینؑ کی خدمت میں پہنچے۔ چچا جان! میرے بابا کا خط آپ کے نام، بس بھائی کی تحریر کو دیکھا۔ بوسے دیئے، تحریر پڑھی۔ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے دیر تک قاسمؑ کو گلے سے لگا کر روتے رہے حسینؑ۔ ارے اب کیا کریں؟ بھائی کی تحریر سامنے ہے اور یہی تو لکھا ہو گا کہ اے حسینؑ! قاسمؑ کو روکنا مت یہ میرا خاص ہدیہ ہے، اسے اجازت دے دینا۔

عزادارانِ حسینؑ! جو میدان جنگ میں لڑ کر شہید ہوئے ہیں، جو میدان جنگ میں داد شجاعت دے کر شہید ہوئے ہیں ان میں سب سے کم سِن قاسمؑ ہیں۔ یہ بات یاد رکھئے گا! میں کسی مجلس میں بتا چکا ہوں شہداء کی عمریں۔ جناب عونؑ و محمدؑ کی عمریں بھی ایک دو سال جناب قاسمؑ سے زیادہ تھیں۔

قاسمؑ کو اجازت ملی، عباسؑ ایک طرف کھڑے ہوئے رکاب تھام کر، ایک طرف علی اکبرؑ کھڑے ہوئے۔ حُسینؑ نے گود میں اٹھا کر قاسمؑ کو سوار کرایا اور قاسمؑ کی کم سِنی کی کیفیت یہ تھی کہ دونوں پیر رکاب میں ایک ساتھ نہیں ٹکتے تھے۔ کبھی ایک طرف پیر جھکا کر توازن برقرار کرتے تھے، کبھی دوسری طرف پیر جھکا کر توازن برقرار کرتے تھے۔ جب چلنے لگے تو عباسؑ نے کہا بیٹا! میرے شاگرد ہو ذرا دھیان سے جنگ کرنا۔ قاسمؑ نے مسکرا کر دیکھا اور کہا ہاں چچا جان میں آپ کا شاگرد ہوں اور یوں بھی مجھے تو کئی ارمان نکالنے ہیں۔

قاسمؑ کو کتنے ارمان نکالنے تھے؟ کم سِن سہی مگر سنتا تو تھا کہ میرے بابا پر جنگ سے بچنے کا بڑا الزام ہے، آج میں دکھاؤں گا کہ جس کا نونہال ایسا شمشیر زن ہو وہ خود کیسا شجاع اور کیسا شمشیر زن ہوگا؟

قاسمؑ آیا میدان میں اور مبارز طلب کیا کہ آؤ جس نے میرے بابا حسنؑ ابن علیؑ کو جنگ کرتے نہیں دیکھا وہ قاسمؑ کی جنگ کو دیکھے اور میرے بابا کی شجاعت کا اندازہ لگائے۔

عمر ابن سعد نے ارزق شامی کو حکم دیا کہ جا، حسنؑ کے لال کے مقابلے میں۔ اسے شرم آئی ایک کم سِن بچے کے مقابلے پر جاتے ہوئے۔ اپنے بیٹے سے کہا جا مقابلے کے لئے۔ حسنؑ کے لال نے ارزق شامی کے بیٹے کو ایک ہی وار میں دو برابر حصوں میں تقسیم کر کے جہنم واصل کیا۔

ارزق شامی نے دوسرے بیٹے کو بھیجا مقابلے پہ، قاسمؑ ایک کے بعد ایک کے ٹکڑے اڑاتا رہا۔ ہر وار پہ قاسم مڑ کر کبھی حسینؑ کی طرف دیکھتا ہے، کبھی عباسؑ کی طرف اور ہر وار پہ عباسؑ اور حسینؑ آفرین و مرحبا کے نعرے بلند کرتے ہیں۔

ارزق شامی کے چار بیٹے جب جہنم میں پہنچ چکے تو وہ غصے سے پاگل ہو کر خود جنگ کے لئے نکلا۔ بس اِدھر ارزق شامی قاسمؑ سے جنگ کے لئے نکلا اُدھر حسینؑ نے دستِ دعا بلند کر دیئے۔ حسینؑ نے دعا کی بارالہا! ہاشمی جوان ہے، قاسمؑ کی لاش اٹھالوں گا مگر ہاشمی ہے، ایک کے مقابلے میں اِسے شکست نہ ہو۔ عباسؑ بھی گھبرائے ہوئے ہیں۔ آواز دی بیٹا قاسمؑ! بہت بڑا پہلوان ہے ذرا دھیان سے، بس چچا کی آواز آئی قاسمؑ کے کان میں۔ قاسمؑ نے جنگی حربہ استعمال کیا۔ اتنا بڑا تو پہلوان ہے ذرا اپنے گھوڑے کی زین کو تو دیکھ! بس ادھر اس نے جھک کے دیکھا اور حسنؑ کے لال نے اس کے دو برابر کے حصے کر دیئے۔ آدھا تن اِدھر آدھا تن اُدھر۔

حسینؑ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی، عباسؑ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی، قاسمؑ نے اللہ اکبر کی آواز بلند کی۔ بس ارزق شامی کا گرنا تھا کہ شامی لشکر نے ایک دفعہ قاسمؑ پر حملہ کر دیا۔ تاریخیں لکھتی ہیں کہ حسنؑ کا لال مقابلہ کرتا رہا ایسی حالت میں کہ جب تن تنہا ہزاروں کے نرغے میں ہے۔ قاسمؑ نے چالیس شامیوں کو جہنم واصل کیا آخر شامی غالب آنا شروع ہوئے اور قاسمؑ زخموں سے چور ہونا شروع ہوا۔ زخموں سے چور ہونے کے بعد جب گھوڑے سے گرنے لگا تو آواز دی **یا عما ادرکنی** اے چچا جان! میری مدد کو آیئے میں نے اپنی جان آپ پر قربان کر دی۔

جتنی بے تابی سے حسینؑ، قاسمؑ کی آواز پر دوڑے تھے عزادارانِ حسینؑ اتنی بے تابی سے کسی شہید کی آواز پر نہیں دوڑے تھے۔ حسینؑ نے پکارنا شروع کیا، بیٹا قاسمؑ! بیٹا قاسم! میں آرہا ہوں۔ عباسؑ بھی دوڑے، علی اکبرؑ بھی دوڑے۔ پکارتے ہوئے کہ قاسمؑ ہم پہنچے۔ قاسمؑ! ہم آرہے ہیں لیکن عزادارانِ حسینؑ! جو مشہور روایت ہے اور میں اس لئے بھی اس روایت میں شک نہیں کرتا کہ جو زیارت ناحیہ امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ

اے وہ پاک و مطاہر جسمو! جو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال کر دیئے گئے
اور اس طرح سے پامال کئے گئے کہ جسم ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے
اور ان کے جوڑ جوڑ ٹوٹ گئے

بس عزادارانِ حسینؑ! یہی ہوا ہوگا کہ جب یہ شامی لشکر بھاگا تو قاسمؑ گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال ہو گیا ہوگا۔ عزادارانِ حسینؑ قاسمؑ کی لاش پہ حسینؑ پہنچے، عباسؑ پہنچے مگر عجیب منظر ہے، حسینؑ نے اپنی عبا بچھا دی کبھی اِدھر سے کچھ اٹھایا، کبھی اُدھر سے کچھ اٹھایا۔ اے مولاؑ! قاسمؑ کی لاش کہاں ہے؟ فضہ نے اطلاع دے دی خیموں میں کہ اے بیبیو آؤ! اُم فروہ کے خیمے میں قاسمؑ آرہا ہے، بیبیاں جمع ہو گئیں۔ ماں انتظار کر رہی ہے کہ میرے بیٹے کا لاشہ آئے گا۔

عزادارانِ حسینؑ! وہاں حسینؑ کچھ اِدھر سے اٹھاتا ہے کچھ اُدھر سے اٹھاتا ہے، عبا کے دامن میں رکھتا جاتا ہے مگر اے مولاؑ! قاسمؑ کی لاش کہاں ہے؟ بس کچھ دیر کے بعد گٹھڑی کی صورت دی عبا کو، سینے سے لگا لیا گٹھڑی کو لے کر چل دیئے خیمہ گاہ کی طرف۔

اے مولاؑ! ارے ماں انتظار کر رہی ہے خیمے میں کہ میرے بیٹے کی لاش آتی ہوگی۔ خیمے کے در پہ پہنچا حسینؑ۔ آواز دی انتظام کیا گیا۔ بس اب جب حسینؑ داخل ہوا تو ماں حیران ہو گئی ارے میرا بیٹا قاسمؑ کہاں ہے؟ میرے بیٹے کی لاش کہاں ہے؟

حسینؑ نے کوئی جواب نہ دیا اور گٹھڑی کو زمین پر رکھ دیا، اب جو ماں نے گٹھڑی کو کھولا تو ماں کے دل کی حسرتیں گٹھڑی میں رکھی ہوئی تھیں جس کے دل میں ارمان ہوگا کہ میرا بیٹا دولہا بنے گا۔ میرے بیٹے کے سر پہ سہرا بندھے گا۔

أَلا لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِين

ساتویں مجلس

أعُوذُباللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أجْمَعِينَ مِنَ الْآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمْ

اَلَّذِیْ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَّ سَوَّيٰهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

عزیزانِ محترم! انبیاء کی، پیغمبروں کی اور رسولوں کی کی دعوت کے محور دو بنیادوں پر استوار ہیں۔ یا دو بنیادی نکات آپ سمجھ لیجئے کہ جن پر اس پوری دعوت کا دارومدار ہے اور پھر اسی دعوت کی حفاظت کی ذمہ داری ائمہ طاہرینؑ کے سپرد ہوئی۔ دعوت کے دو بنیادی نکات، باقی ساری چیزیں

جن دو نکات کی فروعات ثابت ہوتی ہیں یا دو مرکز، دو محور۔

ایک محور انسانوں کو توحید کی طرف بلانا، انسانوں کو خدائے واحد کی طرف بلانا، ایک یہ محور ہے کہ تمام باطل خداؤں کو چھوڑ کر خدائے واحد کی عبادت پر سب جمع ہو جائیں۔

سب اللہ کی اطاعت پر اور اللہ کی بندگی میں سمٹ آئیں۔ ایک بنیادی نکتہ یہ ہے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا، توحید پرستی، توحید کی دعوت یعنی خدائے واحد کی طرف دعوت یعنی پہلے لا الٰہ الا اللہ

دوسری بنیادی چیز، توحید کے بعد دوسری اہم ترین تعلیم انسانوں کی سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنا۔

یہ دو بنیادی باتیں ہیں، دو بنیادی نکات ہیں جن کے گرد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت گھوم رہی ہے۔

ایک تمام باطل خداؤں کو چھوڑ کر اللہ کی پرستش کرنا، فقط اللہ کی عبادت کرنا یعنی توحید کی طرف آنا اور دوسرے سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنا۔

خدائے واحد کی طرف ہر نبی دعوت دیتا رہا۔ یہ خلاصہ بھی ہے اور اپنی بات کو تسلسل کے ساتھ آگے بڑھانے کے لئے بھی یہ جملے ضروری ہیں تو انسانوں نے ہر نبی کے بعد تحریفات کا بازار گرم کیا نتیجہ کیا نکلا اس کا کہ صرف دین میں تحریف نہیں ہوئی کیونکہ دین میں تحریف صرف اپنے نفس کی خاطر کی، اپنے مفادات کی خاطر کی، اپنے منافع کی خاطر کی تو جب اپنے منافع و مفادات بیچ میں آ گئے تو خود بہ خود انسانیت پر ضرب لگی اور یہ تحریفات، انسانیت پر ضرب کا سبب بنیں۔

تحریفات کا بازار گرم ہوا تو کیوں ہوا؟

اس لئے کہ

اگر انسانوں میں نفس پرستی نہ ہوتی

اگر انسانوں میں انا پرستی نہ ہوتی

اگرانسانوں میں مفاد پرستی نہ ہوتی

تو دین میں تحریفات بھی نہ ہوتیں اور دین خالص رہتا۔تو جب دین خالص رہتا تو انسان کی انسانیت بھی زندہ رہتی۔انسان،انسان کی حیثیت سے زندہ رہتا۔اس کی انسانیت نشونما پاتی لیکن جب دین میں تحریفات شروع ہوئیں تو دین میں تحریفات نتیجہ ہیں نفس پرستی کا،اپنے مفادات کو فوقیت دینے کا،اپنے مفادات کو حاصل کرنے کا۔جب دین میں انسانی مفادات داخل ہوئے تو وہی رویے انسانیت پر ضرب لگنے کا باعث بنے۔اب یہ ان مفادات کے تحفظ کا تقاضا ہے کہ انسان کسی کا حق چھین بھی لے،کسی کا حق پامال بھی کر ڈالے اس طرح ہر نبی کے بعد اس کی تعلیمات پر اثر پڑا ورنہ یہودیت کی طرف بھی میں اشارہ کر چکا کہ توحید کی طرف ہی دعوت دیتی تھی،عیسائیت بھی ابتداء میں ایک اللہ کی طرف بلاتی رہی بعد میں تحریف ہوئی اور تثلیث کے عقائد گھڑے گئے اور اصل پیغام کی شکل بگاڑ دی گئی۔دعویٰ تو آج بھی یہی ہے کہ ہم ایک اللہ کو مانتے ہیں لیکن ہوا کیا؟ ان تحریفات کے نتیجے میں انسانیت ختم ہوگئی مذہب تو باقی رہا لیکن آپس کی ان مذہبی جنگوں نے یہ بتایا کہ انسانیت پامال ہوکر رہ گئی یعنی مذہب کی روح ختم ہوگئی۔مذہب کی روح کیا ہے؟ مذہب کی حقیقی روح ہے انسانیت جو کوئی بھی مذہب دنیا میں آیا،چاہے وہ الٰہی یا آسمانی مذہب ہو یا زمینی مذہب ہو،یہ بات بھی ذہن میں رکھیے گا۔زمینی مذاہب سے مراد وہ مذاہب ہیں جو انسانوں نے خود تشکیل دیئے،جن کا رابطہ آسمان سے نہیں جڑتا۔آسمانی مذاہب یعنی یہودیت اور عیسائیت جو اپنا رشتہ آسمان سے جوڑتے ہیں،پیغمبروں سے جوڑتے ہیں،جب کہ بعض ایسے مذاہب ہیں جو اپنا رشتہ زمین سے جوڑتے ہیں،جن کا کوئی آسمانی رشتہ نہیں ہے ان مذاہب کی بھی روح کیا ہے؟.....انسانیت۔

لیکن ہوا کیا؟ مفادات،تحریفات اور نفس پرستی پر عمل پیرا ہونے کے نتیجے میں زمینی ہوں یا آسمانی تمام مذاہب کی روح مرگئی،روح ختم ہوگئی۔انسانیت جب ختم ہوئی تو مذاہب پر ضرب پڑی،دین کی روح پر ضرب پڑی۔

پس اس لئے ضروری تھا کہ آخری نبیؐ کے بعد کوئی نبی تو آنا نہیں لہٰذا دین کی روح کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے۔ اچھا اب میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کیا آخری نبیؐ کے بعد انسانیت باقی رہ گئی؟ دین مکمل ہوگیا، آخری کتاب آ گئی، آخری رسولؐ آ گیا۔ اب کوئی رسول نہیں آنے والا، اب کوئی پیغمبر نہیں آنے والا، اب کوئی کتاب نہیں آنے والی، فرق کیا پڑا؟

فرق اتنا سا پڑا، اگر آپ تجزیہ کریں گے تو فرق یہ پڑا کہ لباس بدل گئے، بلڈنگیں بدل گئیں، سائنسی ترقی ہوگئی مگر انسانی فطرت نہیں بدلی، انسانی فطرت تو وہی ہے اپنی جگہ۔ دیکھئے میں اپنی منزل تک آ گیا اب میں بات کو آگے لے کر چلتا ہوں۔

اگر کوئی تاریخ کا پس منظر پوچھے کہ اسلام کب آیا یعنی کس دور میں آیا؟ تو ہم کیا تعریف کریں گے اس معاشرے کی جس میں پیغمبر گرامی، ختمی مرتبت حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے۔ ہم اس انسانی معاشرے کی کیسے تشریح کریں گے؟

بتانا پڑے گا کہ کیوں معبوث ہوئے؟

کیا ماحول تھا؟

تو جب ہم اس ماحول کی تصویر پیش کرتے ہیں تو سب ایک مشترکہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ تمام مورخین ایک ہی تصویر پیش کرتے ہیں اور اس معاشرے کی تصویر کیا ہے؟

وہ تصویر یہ ہے کہ عرب جہل کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے

وہ کفر و شرک کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے

سینکڑوں مذاہب تھے، قبائلی جنگیں تھیں

اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگیں تھیں

اور ایسی جنگیں کہ معلوم ہوا کہ صدیوں تک چل رہی ہیں

اور بعض اوقات تو کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگیں شروع ہوتی تھیں

بعض اوقات صرف فخر و مباہات پر جنگیں شروع ہو جاتی تھیں

کہ میرا قبیلہ بڑا کہ تیرا خاندان بڑا؟

اور پھر اس پر گنتی کرتے کرتے قبرستانوں میں چلے جاتے تھے

اور پھر قبرستانوں میں جا کر قبریں گنتے تھے کہ

دیکھو! ہماری قبریں زیادہ ہیں یا تمہاری؟

وہ جو سورۂ تکاثر میں اشارہ ہے ناں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمْ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التَّكَاثُرِ ۲،۱)

تمہیں کثرت کی طلب نے ہلاک کر دیا یہاں تک کہ تم نے قبروں کی راہ لی۔

اتنی اتنی سی باتوں پر لڑائیاں شروع ہوتی تھیں اور پھر مدتوں قتل و غارت گری کا بازار گرم رہتا تھا۔ یہ بعثت رسول اللہؐ سے پہلے کے معاشرے کی تصویر پیش کی جاتی ہے اور درحقیقت ایسا ہی تھا۔

بیٹی اس معاشرے میں باعث ننگ و عار سمجھی جاتی تھی کسی خاندان میں بیٹی کی ولادت ہو جاتی تھی تو مرد مارے شرم و ندامت کے باہر ہی نہیں نکلتا تھا کہ کسی کو کیا بتاؤں کہ میرے یہاں بیٹی پیدا ہوگئی؟ یا اسے زندہ درگور کر دیتا تھا اور جتنے بھی مظالم معاشرے میں رائج تھے ان کو کر گزرتا تھا۔

غلامی کا سسٹم اپنی بدترین شکل میں رائج تھا۔ غرض جتنی خرابیاں ایک معاشرے میں ہو سکتی تھیں وہ سب کی سب اس معاشرے میں موجود تھیں جو ایک انقلاب کا تقاضا کرتی تھیں۔ خرابیاں جب اپنے عروج پر پہنچیں تو خود بہ خود انقلاب کا تقاضا جنم لیتا ہے۔ تاریخ کا پہیہ گھومتا ہے اور اسے بہر حال گھومنا ہے کہ یہ بھی تاریخی عمل کا لازمی تقاضا ہے تو کیوں کہ خرابیوں سے پُر ایک معاشرہ ہے اور اس میں ایک الٰہی انقلاب آنا ہے زمینی نہیں، اس لئے کہ اگر زمینی انقلاب آتا تو اس میں ضرورت پڑتی کہ سمجھ دار افراد سر جوڑتے اور معاشرے کے مسائل کا حل نکالتے مگر جس معاشرے کی ہم تصویر پیش کر رہے ہیں وہ مسائل سے پُر ایک معاشرہ تھا اور اس معاشرے میں جو چند سمجھ دار لوگ تھے وہ بھی یہی سوچا کرتے تھے کہ آخر کار یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور ہماری قوم و نسل کا کیا

ہوگا؟

کوئی کسی کو کچھ کہہ تو سکتا ہی نہیں تھا اس لئے کہ ہر ایک کا اپنا بت تھا، اپنا مذہب اور اپنے توہمات تھے، اپنے خدا، اپنی اپنی دکان داریاں اور اپنے اپنے سلسلے تھے لہٰذا کوئی کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کیوں کہ بات کہنے سے تو نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا بازار گرم ہو جاتا تھا۔

اس پس منظر میں رسولؐ کی بعثت ہوئی۔ اچھا رسولؐ کی بعثت کے بعد کیا ہوا؟ یہ تو تاریخ نے بتایا پہلے کا احوال کہ آپؐ کی بعثت مبارکہ سے پہلے کیا تھا۔ تاریخ نے جو ماضی کا صفحہ کھولا ہمارے لئے کہ پہلے یہ تھا، اچھا تو رسولؐ کی بعثت کے بعد میں کیا ہوا؟ تو تاریخوں اور سیرت کی کتابوں نے یہ بتایا کہ بعد میں یہ ہوا کہ وہ جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، جن کے درمیان صدیوں سے لڑائیاں جاری تھیں۔ ایک ایک خون پر دوسروں کے سینکڑوں خون ہوا کرتے تھے کہ ہمارے اتنے سوانہوں نے مارے ہمیں بھی اتنے سوان کے مارنے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ''اچانک'' اخوت اور بھائی چارے کی ڈوری میں بندھ گئے۔ یہ ''ایک بار'' اور ''اچانک'' کے الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے کہ تیئس سال آپؐ کو بڑی مدت لگ رہی ہے لیکن جب صدیوں پر محیط تاریخ کے صفحات پر گفتگو کی جائے گی تو اس مدت کو'' ایک بار'' اور ''اچانک'' ہی کہا جائے گا۔

تاریخ کے صدیوں پر پھیلے ہوئے سفر میں تیئس چوبیس سال کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔ یہ یاد رکھئے گا۔ تو اس لئے میں نے کہا کہ ''ایک بار اچانک'' یہ ہوا کہ تمام کے تمام ایک دوسرے کو اپنے قتل معاف کر رہے ہیں، اپنے خون معاف کر رہے ہیں، اپنے مال کی تقسیم کر رہے ہیں، صیغۂ اخوت پڑھ کے کہ جو میرا ہے وہ آدھا تیرا آدھا میرا۔ اس طرح سے صیغہ اخوت جاری کر رہے ہیں، ایثار کر رہے ہیں، ایک دوسرے کے لئے قربانی دے رہے ہیں، ایک دوسرے کے لئے محافظ بن گئے۔

کون لوگ؟

وہ لوگ کہ جن کا ہر قسم کا جھگڑا معاشرے میں موجود تھا

یہ معجزہ نما رسول اللہؐ آیا تو اس نے یہ کیا کہ اس بدترین معاشرے کو اس زمین کے بہترین معاشرے میں تبدیل کر دیا۔

یہ تھا انقلاب..... یہ تھا معجزہ، الٰہی..... معجزہ جو رسول اللہؐ کے ہاتھوں پر ہوا۔ تاریخ نے گواہی دی کہ یہ ہوا کہ ایک بدترین قوم..... دنیا کی بہترین قوم بن گئی۔ اسلام اسی لئے تیزی سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ لوگوں نے تلوار کے خوف سے کلمہ نہیں پڑھا۔ لوگوں نے جب رسول اللہؐ کا کیریکٹر دیکھا، لوگوں نے جب اسلام کا یہ کارنامہ دیکھا کہ یہ سلامتی کا دین ہے، یہ مہر ومحبت کا دین ہے، اسی لئے جو کچھ دن کے لئے ذمّی ہوتا تھا وہ جلد ہی کلمہ پڑھ لیتا تھا کہ نہیں یہی دین بہترین دین ہے۔

کیوں کہ پیغمبرؐ یہ جانتے تھے کہ انسان تو یہ ہیں مگر ان کی انسانیت جو مر چکی ہے، فنا ہو چکی ہے لہٰذا آپؐ نے کیا کیا ان میں انسانیت کی روح پھونک دی، ان کی گہری نیند میں سوئی ہوئی انسانیت کو بیدار کر دیا۔

اب آج اسلام کی تبلیغ کا کام بڑھا..... یا رُکا؟ تو صاحب! ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ رکا ہوا ہے، جمود طاری ہے، آبادیوں کی تقسیم ہو چکی ہے۔ ایک ارب سے زیادہ عیسائی کم زیادہ سے بحث نہیں، ایک ارب تو مسلمان اتنے فلاں اور اتنے فلاں۔ اسی یا نوے کروڑ ہندو تقسیم ہو گئی۔

اسلام کی گاڑی آگے نہیں بڑھ رہی۔ ہم نے اسلام کی دعوت دی لوگوں کو کہ صاحب آیئے! اسلام کی طرف، انہوں نے ہم سے پوچھ لیا کہ آپ کے اسلام میں کیا ہے؟ ہم نے اس کے سامنے عربوں کا اسلام سے پہلے کا پس منظر بھی رکھا اور اسلام کے بعد کی حالت بھی رکھ دی کہ دیکھو! پہلے یہ تھے، اسلام لانے کے بعد یہ ہو گئے۔

پوری بریفنگ بھی دی اور اچھی طرح سمجھا بھی دیا کہ دیکھئے! یہ اسلام ہے، اسلام سے پہلے یہ تھا، اسلام آنے کے بعد یہ ہوا۔ آپ نے سیرت کی کتابوں سے، اسلام کی کتابوں سے جو سنا جو

پڑھا غیر مسلموں کے سامنے رکھ دیا کہ دیکھو! یوں میدانِ عمل کی دعوت دیتا ہے اسلام۔ یہ سلامتی اور محبت کا مذہب ہے۔ سارے جھگڑے، فتنے اور فساد اسلام نے آکر ختم کر دیئے تھے لیکن ہوا کیا؟ اس غیر مسلم نے پلٹ کر ہم سے سوال کر لیا۔ اس نے سوال کیا کہ آپ کی سب باتیں قبول، ہم اپنی پوری قوم سمیت اس سلامتی کے دین میں شامل ہو جائیں گے لیکن آپ کسی ایک مسلم سوسائٹی میں یہ سلامتی دکھا دیجئے جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں کسی ایک مسلم معاشرے کو آپ نمونے کے طور پر پیش کر دیجئے کہ صاحب! یہ سلامتی ہے اس لئے کہ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ اسلام میں سلامتی ہی نہیں ہے باقی سب کچھ ہے۔

یہ دوسرے کا اعتراض بتا رہا ہوں یہ ہمارا اعتراض نہیں ہے کہ دوسرے نے تو یہ کہا کہ سلامتی کے سوا سب کچھ نظر آ رہا ہے، سلامتی ہی نہیں ہے آپ کے پاس باقی سب کچھ ہے۔ تو کیفیت میں تو کوئی فرق نہیں پڑا۔ ہر مسجد، ہر عبادت گاہ، سیرت کے موضوع پر ہر شور مچانے والا، سیرت کی تبلیغ کرنے والا مجھے بتائے! کوئی ایک مکتب ایسا ہے جو سیرت رسولؐ پر پروگرام نہ کرتا ہو؟ تبلیغ نہ کرتا ہو؟ پرچار نہ کرتا ہو؟ کتابیں نہ چھاپتا ہو؟ کتابیں تقسیم نہ کراتا ہو؟ لٹریچر تقسیم نہ کراتا ہو؟

مسئلہ کیا ہے؟ مسئلہ یہ ہوا کہ نام تو رہ گیا اسلام کا، رسول خداؐ کا، کردار بھی کتابوں میں رہ گیا لیکن سرکار! عملی طور پر یہ صورت حال ہو گئی ہماری کہ جنہیں ہمیں تعلیم دینا چاہتے ہیں انسانیت کی، اگر آپ دنیا بھر کے میڈیا کے بارے میں آگاہی رکھتے ہوں اور یقیناً آگاہی رکھتے ہوں گے تو وہ ہمارے لئے پروگرام بناتے ہیں کہ ہم سلامتی کے ساتھ کیسے جئیں؟

یہ شرم ناک مقام ہے ہمارے احوال کا، اس میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں ہے بلکہ جو حقیقت ہے وہی بیان کر رہا ہوں۔ آج دنیا میں مسلمان اسی انداز سے جانے جا رہے ہیں۔ آج دنیا میں مسلمانوں کو یہی مقام حاصل ہے کہ غیر مسلم سر جوڑ کر بیٹھے ہیں، خلوص سے یا دکھاوے کے لئے، جعلی یا اصلی طریقے سے اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں، غیر مسلم ماہرین ہمارے لئے راہ حل اور راہ عمل تلاش کرتے ہیں کہ ہم کیسے زندگی گزاریں؟

مسلمانوں میں کیسے امن قائم ہوگا؟

مسلمانوں میں کیسے بھائی چارہ قائم ہوگا؟

تو بس دو باتوں میں سے ایک بات ہے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا، یا تو جو کچھ لکھا، جو کچھ پڑھا، جو کچھ سنایا گیا، جو کچھ سنایا جارہا ہے معاذ اللہ، سب کچھ غلط ہے۔ یہ سب کچھ اختراع پردازی پر مبنی ہے، یہ سب کچھ قلم کاروں کی فن کاریاں ہیں یا تو یہ ہے اور یا پھر وہ سب کچھ تو ٹھیک ہے مگر ہم سب غلام ہیں۔ ہم نے اسلام کی حقیقی روح کو چھوڑ دیا جس چیز کا ہم پرچار کررہے ہیں۔ کبھی ہم نے اپنے گریبان میں نہیں جھانکا کہ وہ سلامتی ہمارے پاس ہے بھی یا نہیں؟

وہ انسانیت جو رسول اسلامؐ نے بیدار کی تھی ان اعراب میں، ان بدووں میں، وہ انسانیت ہمارے پاس ہے بھی یا نہیں؟ تو ہوا یہ کہ تعلیمات کتابوں میں رہ گئیں، عملی میدان میں ہم پھر وہیں پر پہنچ گئے جہاں سے گاڑی چلی تھی۔ میں نے عرض کیا ہے کہ کیفیت وہی ہے، سب کچھ وہی زمانہ جہالت والی کیفیت ہے۔ لباس بدل گئے، زندگی کے انداز بدل گئے، عمارتیں بدل گئیں، راستے بدل گئے، زمانہ آگے چلا گیا مگر ہماری فکر چودہ سو سال پیچھے چلی گئی۔ رسول اللہؐ کے لائے ہوئے انقلاب سے پہلے کے مقام پر یعنی اسلام کے آنے سے قبل والی حالت ہوگئی۔

کیوں؟ اس لئے کہ وہ درس جو اسلام کی روح تھا، مذہب تو رہ گیا، مگر اس روح کو ہم نے ختم کردیا یا، کرادیا گیا۔ یہ الگ بحث ہے۔ وہ روح جو تھی وہ ختم ہوگئی اور جب روح ختم ہوگئی تو خود بہ خود ضرب پڑنی تھی۔ کس پہ؟..... دین پہ۔ جب دین پر آنچ آ گئی تو آپ یہ توقع کیسے کرسکتے ہیں کہ ایسے عالم میں لوگ جوق در جوق دین میں داخل ہوں گے۔ ارے! ابھی تک یہی معجزہ بہت ہے کہ لوگ جوق در جوق دین سے نکل نہیں رہے حالانکہ نکالنے کی کوشش بھی کی جارہی ہے کہ تم نکلو..... تم نکلو..... تم نکلو..... لیکن یہ معجزہ اسلام کا ابھی تک سلامت ہے کہ اس کے باوجود لوگ دین سے نکل نہیں رہے ہیں، آنا تو ذرا دور کی بات ہے۔ جب کہ ہماری یہ پوری کوشش ہے کہ اسلام کے دائرے کو تنگ سے تنگ کر کے اتنا چھوٹا کردو کہ انگلیوں پر شمار کرلیا جائے کہ بس یہ

مسلمان ہیں اور کوئی نہیں ہے۔

عالم اسلام کے ٹھیکے داروں کی یہ کوششیں ہیں لیکن یہ بہر حال معجزہ ہے کہ پھر بھی امت گئی گذری حالت میں سہی لیکن سلامت ہے مگر ایسی حالت میں کوئی آئے تو کیسے؟

راستے تو آپ نے خود بند کر دیئے۔ کیریکٹر تو آپ نے دنیا کے سامنے ایسا پیش کر دیا، کہاں تو ایک وہ وقت تھا کہ ایک دوسرے کے لئے ایسی قربانیاں دیتے تھے، ایک دوسرے کے ایسے جاں نثار تھے کہ دنیا حیران تھی کیا یہ وہ ہی قوم ہے جو ابھی کچھ ہی وقت پہلے ایک دوسرے کے خون کے پیاسی تھی اس کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟

تو عزیزو! بس مسئلہ کیا بنا؟ اب رسولؐ نہیں آئے گا۔ اب پیغمبر نہیں آئے گا۔ اب کتاب نہیں آئے گی۔ اب ہمارا محاسبہ ہوگا۔ رسولؐ نے انتظام کیا کہ اگر تم نے دین کے ساتھ اپنے نفس کی تربیت کر لی، اپنے سوئے ہوئے ضمیر کو بیدار رکھا، اپنے انسان کو سونے نہ دیا تو تم کبھی مار نہیں کھا سکتے، تم کبھی شکست نہیں کھا سکتے۔

مثال کے لئے عملی نمونے پیش کر دیئے۔

دیکھئے! مولائے متقیان علی ابن ابی طالبؑ کی ذات گرامی کہ جس میں انسان کی جتنی بھی کمالی صفات تھیں، اگر چہ متضاد تھیں مگر وہ سب جمع ہو گئیں تھیں ایک ذات گرامی میں۔ پیغمبر اکرمؐ نے ایک کردار، ایک کیریکٹر تخلیق کیا۔ خلقت تو خدا نے ہی بخشی ہے لیکن پیغمبر اکرمؐ نے تربیت کی، ایک انسان بنایا۔

رسولؐ نے تربیت کی، خود مولائے کائنات کا یہ قول ہے۔ ویسے ہی نہیں کہہ رہا، ظاہر ہے جب مولاؑ کا قول ہے اسی کو نقل کرنا چاہے کہ میری تربیت رسولؐ نے کی، رسولؐ مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرماتے تھے تو میں اس سے ہزار باب اور سیکھ لیا کرتا تھا اور دروازے اس کے نکال لیا کرتا تھا۔ ایک باب سے ہزار باب یا ہزار باب سے ہزار باب اور تخلیق کر لیتا تھا۔

یہ نہج البلاغہ میں مولائے کائناتؑ کا قول موجود ہے۔ مولائے کائنات کی زندگی، میں نے کہا

جتنی کمالی صفات، اگرچہ وہ متضاد بھی ہوں، سب کی سب کمالی صفات عروج پر نظر آتی ہیں اس ذات گرامی میں کیوں کہ رسولؐ نے کائنات کو ایک نمونہء عمل دیا، دنیا کو ایک عملی پیکر عطا فرمایا۔

مثال بنانا تھا کہ اس مثال کو سامنے رکھ کر دیکھو! اب آپؑ کا اٹھنا، آپؑ کا بیٹھنا، آپؑ کا جنگ کرنا، آپؑ کا جنگ نہ کرنا، یہ سب کس لئے؟ انسان تو انسان ہے ناں؟

انسان کو تو غصہ بھی آتا ہے

انسان جذبات کی رو میں بہہ جاتا ہے

انسان غصے کے عالم میں کسی وقت حواس بھی کھو بیٹھتا ہے

تو عزیزان محترم! یہ مولائے کائناتؑ کی ذات گرامی نے بتایا کہ میرا جتنا بھی قیام وقعود ہے، میرا جنگ کرنا ہے، میرا جنگ نہ کرنا ہے، اس میں صرف ایک مقصد ہے جو رسولؐ سے عہد کیا ہے اور وہ کیا ہے؟ اے خدا کے رسولؐ میں آپ کی نصرت کروں گا، میں دین کی نصرت کروں گا۔

تلوار اٹھائی ہے علیؑ نے تو دین کے لئے

کافر کے سینے سے علیؑ اترے ہیں تو دین کے لئے

گھر میں بیٹھے رہ گئے علیؑ تو دین کے لئے

اب آپ ایک ایسی ہستی کا تصور کیجئے کہ جس کے پاس بے مثالی طاقت ہے

دیکھئے! صبر یہ نہیں ہے کہ انسان مجبور ہو کہ کچھ کر ہی نہیں سکتا لہٰذا صبر کر لو

نہیں..... بلکہ آپ کے پاس قوت بھی ہو

آپ کے پاس قدرت بھی ہو

آپ کے پاس طاقت بھی ہو

اب کوئی آپ کے گھر پر چڑھ دوڑے

اب آپ صبر کریں گے؟

آپ صبر تھوڑی کریں گے

آپ اس کا منہ توڑ جواب دیں گے

چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے

بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی

سب نے سنا ہوگا لوگ کہہ دیتے ہیں جو ہوگا دیکھا جائے گا

یہ میرے گھر پر چڑھا چلا آ رہا ہے، میں تو اس سے لڑوں گا

تو عزیزان محترم! وہ جو حدیث ہے ناں؟

أَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبابِ أهلِ الْجَنَّةِ وَ أَبُوْهُمَا أَفْضَلُهُمَا

حسنؑ اور حسینؑ جوانان جنت کے سردار ہیں

اور ان کے بابا علیؑ ان دونوں سے افضل ہیں

کیوں اس ٹکڑے کا رسولؐ نے اضافہ کیا؟ اس لئے کہ میں پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں کہ حسینؑ ایک کربلا سے گزرے تھے، رسول اکرمؐ کے بعد علیؑ روز ایک کربلا سے گذرتے تھے، علیؑ کے سامنے روز ایک کربلا آ جاتی تھی۔

دیکھئے! کربلا میں جب تک جناب سید الشہداء کی گردن پر تیغ نہ چل گئی کسی کی جرأت نہ تھی کہ خیموں میں گھس جاتا، نہیں ہوا ایسا۔ جب سید الشہداءؑ کے گلے پر چھری چل گئی اس کے بعد خیموں میں گھسنے کی جرأت ہوئی اور کوئی گھس بھی نہیں سکتا تھا کیوں کہ گھوڑے سے گرتے ہوئے بھی جب کچھ لوگوں نے خیموں کا رخ کرنا چاہا تھا تو آپؑ نے للکارا تھا کہ خبردار! ابھی میں زندہ ہوں تم سلام کی نہیں تو کم از کم عربی غیرت کا تو مظاہرہ کرو اور میری زندگی میں خیموں می نہ گھسو لیکن آپ مولائے کائناتؑ کی مظلومیت کو دیکھئے! آپ کو ایک مطلب تک پہنچانے کے لئے اس مثال کا سہارا لے رہا ہوں۔

صاحب ذوالفقار ہیں اور عین جوانی کا عالم ہے یعنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن گیارہ ہجری میں انتقال ہوا، وصال ہوا۔ علیؑ کے پاس ذوالفقار بھی ہے، ابھی جنگ حنین کو لڑے

ہوئے کتنا عرصہ گزرا ہے؟ سال بھر بھی نہیں ہوا جنگ حنین ہوئے۔ وہی ذوالفقار ہے، وہی علیؑ ہے، وہی جوانی ہے، وہی قوت ہے، وہی شجاعت ہے۔

نہ پہلے لشکر پر بھروسہ کیا علیؑ نے، نہ بعد میں علیؑ کو لشکر کی ضرورت ہے۔ نہ پہلے سپاہ پر بھروسہ کر کے علیؑ نے کوئی جنگ کی تھی، نہ بعد میں کوئی سپاہ کی ضرورت ہے کہ سپاہ ہوگی تو جنگ ہوگی اور سپاہ نہیں ہوگی تو جنگ نہیں ہوگی۔ ایسا تو نہیں ہے ناں؟ بدر واحد، خیبر وخندق اور حنین غرض جتنی بھی جنگیں ہیں وہ خود اس بات کی گواہ ہیں کہ فوج کی تعداد یا سپاہیوں کی تعداد یا حمائیتوں کی تعداد پر تو نہیں بھروسہ کیا علیؑ نے لیکن اس وقت علیؑ ایک بات بنانا چاہ رہے تھے۔

سب کچھ ہونے کے باوجود لوگ علیؑ کے گھر میں گھس گئے۔ گلے میں رسی ڈال کر کھینچی گئی۔ دروازے کو آگ لگی۔ فقط اشارے۔ پورے واقعے کی تکرار کرنا ضروری نہیں ہے۔ آگ لگی، محسن شہید ہوئے۔ اب آپ صبر علیؑ کا معیار تو دیکھئے! ایک ہے جبر کی حالت میں صبر کرنا اور ایک ہے قدرت رکھتے ہوئے صبر کرنا۔

میں نے مثال دی کہ ایک عام آدمی کے لئے آپ سوچئے! اس کے گھر پر اگر ایسا ہو تو وہ اپنی جان دے دے گا لیکن اشجع الناس جو کہلائے یعنی سب سے بڑا پہلوان اور کیوں کہلائے؟ خیبر وخندق اور بدر واحد جیسی جنگوں میں کفار ومشرکین کو قتل کرنا علیؑ کے لئے کوئی اتنا بڑا کارنامہ نہیں تھا۔ علیؑ کی شجاعت کا کارنامہ یہ تھا کیوں کہ علیؑ نے خود یہ بات کہی ہے۔

اَشْجَعُ النَّاسِ مَنْ غَلَبَ هَواهُ

بہادر ترین فرد وہ ہے کہ جس نے
اپنی ہوائے نفسانی کو شکست دے دی
اور اس پر غالب آ گیا
جس نے اپنے نفس کی پروا نہیں کی
بہادر ترین شخص وہ ہے

تو علیؑ کی شجاعت کا سب سے بڑا مظاہرہ یہ تھا اللہ کے دین کی خاطر اور عزیزو! سازش یہ ہے کہ ایک بار علیؑ کی تلوار نکل آئے اور چل جائے۔

آپ علیؑ کی تلوار کے چلنے کا مطلب سمجھتے ہیں؟ وہ مدینے کے لوگوں کے گلوں پر نہیں چلتی بلکہ وہ اسلام کے گلے پر چل جاتی اور اسلام ختم ہو جاتا۔ جتنا اسلام آج نظر آ رہا ہے ناں؟ یہ بھی نظر نہ آتا۔ یہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح کچھ اور ہی بن چکا ہوتا۔

علیؑ جانتے ہیں اس مسئلہ کو، کیوں بیٹھے رہے؟ اچھا جنگ کر لیتے، فتح ہو جاتی۔ نہیں عزیزو! اب مولائے کائناتؑ سے متعلق ایک مقدمے کا حوالہ دے کر اس بات کو مکمل کرتا ہوں۔

مقدمہ آپ سنتے رہتے ہیں، میں نتیجہ نکالنے کے لئے عرض کر رہا ہوں۔ وہ دو عورتیں جو آئیں تھیں ایک بچے کو لے کر اور دونوں کا یہ دعویٰ تھا کہ میرا ہے۔ ایک کہتی ہے میرا ہے، دوسری کہتی ہے کہ میرا ہے۔ کیسے فیصلہ ہو دونوں قسمیں کھا رہی ہیں۔ کہا اچھا قنبر جاؤ تلوار لے کر آؤ اور بچے کو لیٹا دو زمین پر، پوچھا کیا کریں گے بچے کا؟ کہا آدھا اس کو دے دو اور آدھا اس کو دے دو۔ اب ان میں سے ایک عورت گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی کہ مولاؑ میرا نہیں ہے اس کو دے دو۔ بس مولاؑ نے کہا بچہ اٹھاؤ اور اس کو دے دو بچہ اس کا ہے جب کہ دوسری کو آدھا آدھا دینے پر اعتراض نہیں تھا۔ مطلب کیا ہے اس بات کا کہ جس کی اولاد ہے اس کو یہ تو گوارا ہے کے دوسرے کے پاس رہے مگر اسے یہ گوارا نہیں ہے کہ یہ ختم ہو جائے۔ اس کی یہ خواہش ہے کہ یہ زندہ رہے۔ سلامت رہے، مجھے پھر موقع ملے گا میں پھر اسے سنبھالوں گی۔ میں پھر اپنا حق استعمال کر لوں گی۔ میں بتا سکتی ہوں کہ یہ میری امانت ہے۔ یہ بڑا ہوگا۔ پھلے گا۔ پھولے گا۔

بس عزیزو! اسلام اور اہل بیتؑ کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے۔ اسلام اور علیؑ کا معاملہ بالکل ایسا ہی ہے۔ اسلام اور ہمارا معاملہ بالکل ایسا ہی تو ہے۔ علیؑ کو یہ تو گوارا تھا، اہل بیتؑ کو یہ تو گوارا تھا کہ ان کے حق کو چھین لیا جائے لیکن انھیں یہ گوارا نہیں تھا کہ اس دین اس شریعت کو جو ہمارے گھر سے چلی، جو وحی ہمارے گھر میں اتری، اس کا نام و نشان مٹ جائے۔ تو علیؑ نے اس

شریعت کو بچانے کے لئے ،اس دین کو بچانے کے لئے اپنے حق سے دستبردار ہونا تو گوارا کرلیا لیکن یہ گوارانہیں کیا کہ اسلام کے گلے پر چھری چل جائے۔

اس لئے کہ جس کی چیز ہے درد تو اسے ہوگا۔ وہ یہی سوچے گا کہ میرے پاس نہ سہی اس کے پاس ہے۔اب آپ دیکھئے! جب بھی دین پر وقت پڑا تو اہل بیتؑ نے یہ نہیں دیکھا کہ اس وقت مسند خلافت پر کون بیٹھا ہے؟ چاہے بنوامیہ کا دور ہو، چاہے بنوعباس کا دور ہو، چاہے کوئی اموی خلیفہ مصیبت میں آیا، چاہے کوئی عباسی خلیفہ مصیبت میں آیا۔

تاریخ اہل بیتؑ یا سیرت اہل بیتؑ اس بات کی گواہ ہے کہ ان کا تعلق دین سے ہے،ان کا تعلق خدا کی شریعت کے ساتھ ہے، خدا کے نظام کے ساتھ ہے۔لوگ کتنا ہی حق کو پامال کرتے رہیں ، کتنے ہی ظلم وستم کرتے رہیں، کتنی ہی بار ائمہ طاہرینؑ کو ایسے مواقع ملے کہ آپؑ چاہتے تو حکومتوں پر قبضہ بھی کر سکتے تھے لیکن نتیجے میں وہی تاریخ کہلاتی جس کو ہم ملوکیت کی تاریخ کہتے ہیں۔

سیرت وتاریخ اہل بیتؑ ملوکیت کی تاریخ سے جدا ہے۔ہم اس پر بھی شکر ادا کرتے ہیں کہ یہ دو تاریخیں باہم شیر وشکر نہیں ہو پائیں، اپنے انداز فکر وعمل کی وجہ سے یہ دو راستے ، یہ دو مشرب ہر دور میں الگ الگ رواں رہے۔ایک اہل بیتؑ کا مشرب اور راستہ اور دوسرا حکمرانوں کا مشرب اور راستہ۔

اہل بیتؑ کا طریقہ یہ رہا کہ اگر اسلام کے حقیقی راستے سے **منحرف** لوگوں کی نسلوں میں بھی کوئی انسان بننے کی صلاحیت رکھتا تھا تو اس ایک کی انسانیت کو اماموں نے باہر نکال لیا یعنی اس ایک کی انسانیت کو بھی دنیا کے سامنے لے آئے یہ اور بات ہے کہ دنیا اس حقیقت کو تسلیم نہ کرے لیکن تاریخوں میں یہی لکھا ہے کہ اگر اہل بیتؑ کا اثر نہ ہوتا تو یہ اتنا کامیاب اور رحم دل خلیفہ نہ بنتا۔

عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں خود اموی تاریخ لکھتی ہے کہ تاریخ بنوامیہ کا سنہری ترین دور اور عادل ترین حکمران۔ہمیں اس کے حق خلافت کے صحیح یا غلط ہونے سے کوئی بحث نہیں۔ہم ایک

عموی بات کررہے ہیں۔ اس کا دور حکومت کتنا ہے؟ فقط ڈھائی سال، ۹۹ ہجری میں وہ تخت خلافت پر بیٹھا اور ۱۰۱ ہجری میں زہر دے کر اس کی چھٹی کر دی گئی۔ زہر کے اثر کی وجہ سے وہ چالیس یا اکتالیس سال کی عمر میں انتقال کر گیا۔ ڈھائی سال اس کا دور حکومت ہے بس اور کون ہے وہ؟ عمر بن عبدالعزیز ابن مروان یعنی مروان کا سگا پوتہ۔ اب آپ سنئے، جو سنتے رہتے ہیں کہ صفین میں مولائے کائناتؑ کی تلوار دیکھ دیکھ کے اسلاب کو قتل کرتی تھی تو کیوں؟ جناب مالک اشترؓ کے ساتھ ہوا تھا ناں یہ، گفتگو ہوئی تھی ناں کہ برابر کے قتل ہوئے؟ تو مولائے کائناتؑ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہارے سامنے جو آیا تمہاری تلوار چلی، میرے سامنے جو بھی آیا میں نے اس کے سلب میں دیکھ کہ وار کیا کہ اس کے سلب میں تو کوئی ایسا نہیں جو میری محبت پر آنے والا ہو۔ اگر کوئی شک رہ گیا ہو تو میں عمر بن عبدالعزیز کے واقعات کو ذرا تفصیل سے پڑھوں گا۔ دوسری مثال معاویہ ابن یزید ابن معاویہ ابن ابوسفیان یعنی یزید کا بیٹا جس نے تخت خلافت کو ٹھوکر ماردی۔

دیکھئے! ایک طرف حکومت ہے، سلطنت ہے، خلافت ہے، سب کچھ ہے لیکن اس کا ضمیر اس سے یہ کہتا ہے کہ نہیں، یہ تخت خونِ اہل بیتؑ بہا کر حاصل کیا گیا ہے لہٰذا مجھے اس تخت پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ شرم سار چلا گیا۔ اس کی ماں بد دعا کرتی رہی کہ تو پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا اور وہ بھی جواب میں کہتا ہے کہ کاش میں یہ سننے کو زندہ نہ ہوتا کہ میرا باپ حسینؑ کا قاتل ہے۔

بات یہ ہے کہ اہلِ بیت علیہم السلام نے جہاں بھی موقع ملا قلوب میں نفوذ کیا اور ملوکیت کے قلب میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ کے یہ بتا دیا کہ انسان بناتے ہیں ہم بادشاہ اور اور ملوک نہیں۔ ہم اقتدار پرست نہیں بناتے بلکہ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کہاں چھپا بیٹھا ہے، اگر وہ دشمن کے گھر میں بھی ہے تو محض اس بنا پر کہ یہ دشمن ہے اُسے نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اگر وہ انسان بننے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو انسان بنا دیتے ہیں۔ اہل بیتؑ اس طرح انسان بناتے تھے۔ اہل بیت علیہم السلام اس طرح ایمان قبول کراتے تھے۔

تو میں نے اس اموی خلیفہ کا شجرہ آپ کو بتایا یہ اموی خلیفہ خود اپنے بچپن کا یہ واقعہ بیان کرتا

ہے کہ جب منبروں ے خاندان رسالت پر تبرّا کرنا واجب تھا۔ مولائے کائنات پر منبروں سے امیر شام کے حکم پر تبرّا کیا جاتا تھا۔ یہ کوئی راز کی بات نہیں بتا رہا بلکہ یہ بات تو تمام جانی پہچانی مستند تاریخوں میں موجود ہے کہ جمعہ کی نماز کے خطبے کا جزو بنایا جاچکا تھا مولائے کائنات علی ابن ابی طالبؑ اور آپ کی اولاد پر دشنام اور سب وشتم۔ عمر بن عبدالعزیز نے بیان کیا ہے کہ میرا باپ امام جمعہ تھا یہ بتاتا تھا کہ جب بھی وہ علیؑ پر تبرّے کے مقام پر پہنچتا اس کی زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی تھی، اس کی زبان لڑکھرانے لگتی تھی، وہ اٹکنے لگتا تھا، ہکلانے لگتا تھا۔ تو ایک بار جب ہم نماز جمعہ سے واپس آئے تو میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جب علیؑ کا ذکر آتا ہے، علیؑ پر سب وشتم کی بات آتی ہے تو تیری زبان لڑکھڑا رہی ہوتی ہے تو باپ جواب میں کہتا ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ اگر یہ جاہل لوگ علیؑ کی فضیلتوں میں سے محض چند فضیلتوں سے بھی آگاہ ہو جاتے تو کوئی ہمارے پیچھے نہ ہوتا، سب ابوترابؑ اور اس کی اولاد کے پیچھے ہوتے۔

یہ حقیقت عمر بن عبدالعزیز کو اس کا باپ عبدالعزیز بن مروان بتاتا ہے کہ اگر علیؑ کی فضیلتوں میں سے چند فضیلتوں سے بھی لوگ آگاہ ہو جاتے تو ان لوگوں میں سے ایک بھی ہمارے ساتھ نہ ہوتا۔ اس لئے میری زبان اٹکنے لگتی ہے جب میں علیؑ پر سب وشتم یعنی تبرّے کی نوبت تک پہنچتا ہوں۔

یہ پہلا وار تھا جو اہلِ بیتؑ کا اس کے سینے پر ہوا تھا۔ اس کے دل میں اہلِ بیتؑ کے لئے ایک جگہ بنی۔ اس نے علیؑ کی فضیلتوں کو ڈھونڈنا شروع کیا، تلاش کرنا شروع کیا لیکن انسان کسی سسٹم میں پھنسا ہوا ہو تو نکلنا بہت مشکل ہوا کرتا ہے۔ بڑی ٹیکنیک سے اسے کام کرنا لینا پڑتا ہے۔

بس اس نے اپنے آپ کو چھپائے رکھا اور اسی کے ساتھ اس کے اساتذہ میں بھی ایک استاد اسے ایسا مل گیا تھا کہ جس نے عمر بن عبدالعزیز کے دل پر محبت اہل بیتؑ کے نقوش کو قائم کیا تو جب وہ خلیفہ بنا تو خلیفہ بننے کے بعد مدینے آیا اور یہ دور کون سا دور ہے؟ یہ دور امام محمد باقرؑ کا دور ہے۔ اس نے اعلان کیا کہ جس کسی کو بھی کوئی شکایت ہو یا بات کرنا ہو تو وہ میرے پاس

آ جائے۔اس کی خواہش تھی۔دیکھیے !وہ سسٹم میں پھنسا ہوا ہے،خودتو جانہیں سکتا کہا کہ میرا دل چاہتا ہے محمد ابن علیؑ (امام محمد باقرؑ) سے ملوں،فرزندرسولؐ سے ملاقات کروں۔

خیر اہتمام ہوا،امامؑ تشریف لائے۔یہ تاریخی واقعہ آپ کے سامنے نقل کررہا ہوں کہ جوں ہی امام داخل ہوئے یہ بے ساختہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا اور کھڑے ہونے کے بعد اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہوگئے۔عمر بن عبدالعزیز نے رونا شروع کردیا۔امام محمد باقرؑ نے پوچھا کہ تو رو کیوں رہا ہے؟ گریہ کیوں کررہا ہے؟

کہنے لگا مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں گریہ کیوں کررہا ہوں اس لئے کہ جب قلب میں کوئی چیز اترتی ہے تو،رقت،رونا،گریہ وزاری کرنا فطری چیز ہے۔یادرکھئے گا یہ انسانیت کی علامت ہے اس لئے کہ جو آنکھ پرنم نہیں ہوتی اس آنکھ کو انسان کی آنکھ نہیں کہنا چاہیے۔وہ انسان کی آنکھ ہی نہیں ہے۔

اگر انسان کی آنکھ ہے تو پرنم بھی ہوگی اس میں اشک بھی آئیں گے۔اس سے گریہ بھی ہوگا۔

خلیفۂ وقت کہتا ہے فرزندرسولؐ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں کیوں رورہا ہوں؟

امام نے فرمایا بیٹھ جا اور میری چند باتیں سن لے

پریشان مت ہو

اس دنیا کی مثال بازاروں میں سے ایک بازار کی سی مثال ہے

جس میں سے ہر شخص کچھ ساز وسامان لے کر

کچھ مال ومتاع لے کر چلا جاتا ہے

کوئی (دنیا کے بازار سے) نفع کا سامان لے کر جاتا ہے

کوئی نقصان کا سامان لے کر جاتا ہے

بازار ہے ناں؟

کسی کو نفع ہوتا ہے اور کسی کو نقصان

جوکوئی اس دنیا پر مرمٹا، دنیا نے اسے مٹا کے رکھ دیا

مولائے کائناتؑ کا قول مبارک ہے کہ

جو دنیا کے پیچھے بھاگا

دنیا اس سے بھاگی

اور جو دنیا سے بھاگا دنیا اس کے پیچھے بھاگی

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں

جو دنیا پر مرمٹا دنیا نے اسے مٹا کے رکھ دیا

اس کو پیس کے رکھ دیا اس کو ختم کر دیا

اے ابن عبدالعزیز! میری تین باتیں یاد رکھنا

تین نصیحتیں تجھے کرتا ہوں

مرتے دم تک ان تین باتوں کو یاد رکھیو

دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اپنے تخت پر

رو رہا ہے کہتا ہے فرزند رسولؐ! مجھے اور نصیحت کیجئے مجھے اور مواعظہ کیجئے

جب تو راضی ہو، بہت ہی خوش ہو تب بھی باطل کی طرف نہ جانا

جب انسان بہت خوش ہوتا ہے اس کا دل

تو باطل کاموں کی طرف جانے کے لئے چاہنے لگتا ہے

فرمایا جب تو بہت خوش ہو تب بھی باطل کام کا رخ مت کرنا

کیونکہ اگر ایسا کیا تو باطل تجھے حق کی طرف پلٹنے نہیں دے گا

اور تو باطل کاموں میں ہی مصروف رہے گا

اور دوسری بات یہ کہ جب تو غصے میں ہو تو کسی پر ظلم نہ کر

اس لئے کہ غصے میں اندھے ہو کر جو ظلم کرے گا

اس پر تو بعد میں پچھتائے گا کہ یہ میں نے کیا کیا؟

دوسری نصیحت میری یہ یاد رکھیو کہ

غصے کی حالت میں بھی کسی پر ظلم نہ ہونے پائے

جو ظالم ہیں ان کے ظلم کو ان کی طرف لوٹا دے

اپنے دروازوں کو کھلا رکھ

اپنے نگہبانوں کو اتنا سخت نہ کر کہ وہ آنے والوں کو تجھ سے ملنے بھی نہ دیں

بس ایک اشارہ کیا امامؑ نے کہ جو ظالم ہیں

ان کے مظالم کو انہی کی طرف پلٹا دے

منہ سے کہا کچھ نہیں مگر اتنا نقش ہو چکا تھا دل پر کہ تاریخ لکھتی ہے اس نے اسی وقت کاغذ اور قلم منگوایا اور تحریر لکھی یعنی ظلم کو ظالم کی طرف لوٹا دیا۔ مطلب جانتے ہیں اس کا کیا نکلتا ہے، اس کا کیا نتیجہ ہے؟ اس کا نقیض یہ بنتا ہے کہ جو مظلوم ہیں ان مظلوموں کا حق انہیں واپس دے دے۔

ظالم کے ظلم کو پلٹانا یعنی جو اس نے ظلم کیا ہے اسے ختم کر دے۔ مظلوم کے حق کو مظلوم کو واپس لوٹا دے۔ یہ وہ موقع ہے کہ عمر ابن عبدالعزیز نے قلم دوات منگوائی اور وہیں حکم جاری کیا۔

ابھی ابھی فدک کو اولاد فاطمہؑ کو واپس کر دیا جائے

یہ ہماری نظر میں کارنامہ ہے ناں؟

یہی عمر ابن عبدالعزیز کا جرم بنا اور اسے زہر دیئے جانے کا باعث بنا

تو یہ اثر تھا امامؑ کی تعلیمات کا، مجھے اس سے غرض نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور کیا نہیں ہوگا۔ مجھے اس بات سے بحث نہیں لیکن جو تاریخی واقعہ ہے وہ یہی ہے۔

اماموں نے جب اور جہاں موقع ملا قلوب کو تسخیر کیا، اگر کسی میں کوئی انسان چھپا ہوا تھا تو اسے نکھارنے کی کوشش کی کہ اس کا یہ انسان کسی طرح سے باہر نکل آئے۔ اس کی سوئی ہوئی انسانیت بیدار ہو جائے۔

اسی وقت عمر ابن عبدالعزیز لکھنے کے لوازمات منگواتا ہے اور لکھتا ہے اور پھر وعدہ کر کے جاتا ہے، ابھی تبّرا بند نہیں ہوا، خاندان رسالتؐ پر سب وشتم جاری ہے۔ جمعہ اور عیدین کے خطبات کے لازمی جزو کی حیثیت سے پورے عالم اسلام میں علیؑ اور اولاد علیؑ پر تبّرا ابھی جاری ہے لہٰذا عمر ابن عبدالعزیز وعدہ کر کے جاتا ہے کہ اے فرزند رسولؐ! دمشق پہنچ کر پہلا کام یہ کروں گا کہ ابو ترابؑ پر جو سب وشتم ہوتا ہے، تبّرا ہوتا ہے میں اسے بند کرادوں۔

یہ مشکل کام ہے، سادہ کام نہیں ہے، سلیقہ اختیار کر کے یہ مشکل کام انجام دینا ہوگا۔ سادہ انداز سے جاری کئے جانے والے حکم کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی کیونکہ سابق حکمرانوں نے علیؑ پر سب وشتم اور تبّرے کو شعائر دینی بنا کر خطبے کا جزو قرار دئے رکھا ہے لہٰذا بڑی حکمت وتدبیر سے کام لینا ہوگا۔ جیسے بعض اوقات ہمارے حکمران بھی کچھ کاموں کے سلسلے میں پریشان ہو جاتے ہیں کہ ان کے دائرہ اختیار میں وہ بات ہی نہیں ہوتی، اس سلسلے میں وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ وہ سسٹم میں پھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو عمر ابن عبدالعزیز جانتا ہے کہ میں کس سسٹم کا قیدی ہوں۔

وہ ایسا سسٹم ہے کہ جہاں لوگوں کی عادت ثانیہ بنادی تھی کہ اگر کسی امویوں کے ہواخواہ نے نماز پڑھی اور نماز کے بعد علیؑ اور اولاد علیؑ پر تبّرا نہیں کیا تو وہ واپس آتا تھا اور قضا بجالانے کے لئے اسی جگہ بیٹھ کر مولاؑ کو بُرا بھلا کہتا تھا پھر آگے جاتا تھا، یہ ہے تاریخ۔ آپ اپنی جیبوں میں کچھ ایسے معلوماتی ہتھیار رکھا کریں، علمی ہتھیار کہ بھئی تبّرے کا آغاز کیسے ہوا اور کیوں ہوا؟

جہاں سے شروع ہوا ہے اُس کو تو دیکھو! تو عبادت کرنے والا مولا علیؑ پر جب تک سب وشتم اور تبّرا نہ کرے، تبّرے کا واجب فریضہ جو امویوں نے واجب کیا تھا، انجام نہ دے لے واپس نہیں جاتا تھا۔ پہلے تبّرا ہوتا تھا علیؑ اور اولاد علیؑ پر، خاندان رسالت مآبؐ پر جسے عمر بن عبدالعزیز نے حکماً بند کرایا۔ تو یہ طے ہے کہ جب یہ اس کا کارنامہ تھا کہ اس نے بند کرایا تو جس نے شروع کرایا اس کام کو اس کو کیا نام تھا؟

جب لکھتے ہیں سیرت اور کارنامے تو اس میں یہ لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز کا ایک کارنامہ یہ

تھا۔اس کا ایک بہترین کام یہ تھا کہ اس نے خاندان رسالت مآبؐ پر تبرا بند کرادیا علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب وشتم بند کرادیا۔

تو اس کا کارنامہ تھا ناں؟ تو جس نے شروع کرایا تھا اس لئے کیا ہوا؟ یہاں آ کر مورخین کی گاڑی پھنس جاتی ہے، مورخین کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ارے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔بھئی! تعریف کر سکتے ہو تو بتاؤ لیکن خیر۔

عمر ابن عبدالعزیز مدینے سے واپس دمشق پہنچا وہ جانتا ہے کہ میں حکم دوں گا تو کوئی نہیں مانے گا حالانکہ حاکم ہے، اقتدار ہے اس کے پاس لہٰذا مشکلات کو دیکھتے ہوئے اس نے منصوبہ بندی کی، وہ منصوبہ بندی یہ کی کہ دربار ہے اس میں سفیر ہیں، یہودیوں کا بھی نمائندہ ہے، عیسائیوں کا بھی نمائندہ ہے اور دوسرے بھی نمائندے ہیں، روزانہ دربار سجتا ہے، سب آتے ہیں، علمی محفل جمتی ہے، مباحثے ہوتے ہیں، یہودی کو اپنا راز دار بنایا کہ کل تو دربار میں مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ طلب کرنا۔ پورا منصوبہ اسے سمجھا دیا۔

میری بیٹی کا رشتہ طلب کرنا مجھ سے۔دربار لگا ہوا ہے، سب علماء وفقہاء بھی موجود ہیں۔سب کو دعوت بھی دے دی۔چار پانچ سو بزرگان دین بھی جمع ہیں۔علمائے دین بھی جن کے ہاتھ میں قوت فتویٰ ہے کہ لکھیں، فتویٰ، جاری کریں تو وہاں وہ یہودی عالم کھڑا ہوا کہ آپ مجھ پر اتنے مہربان ہیں، آپ میرے ایسے دوست ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ آپ مجھے اپنی دامادی میں لے لیں۔میں آپ کا داماد بن جاؤں۔علماء وفقہاء غصے میں آ گئے، غضب ناک ہو کر کھڑے ہو گئے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو یہودی ہے۔یہودی نے پوچھا اس میں کیا حرج ہے؟ کیا یہودی مسلمان کا رشتہ نہیں ہو سکتا؟ تم تو کافر ہو اور کافر کا مسلمان سے رشتہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہا کیوں نہیں ہو سکتا کافر اور مسلمان کا رشتہ، کافر کو دی جا سکتی ہے بیٹی۔علمائے کرام تو کھڑے ہو گئے سارے کہ تو کیا بکواس کرتا ہے؟ اب تو سب کو یہ فکر کہ خلیفہ کی بیٹی یہ لے جائے گا۔کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ تو نہیں ہو سکتا تو کافر ہے اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔یہودی مُصر ہے کہ اسلام میں ایسا ہے۔ہے ایسا کہ کافر کو

بیٹی دی جاسکتی ہے مسلمان کی اور علمائے کرام نے تو جلادوں کو بلالیا کہ اس کی گردن مارو یہ کیسی باتیں کررہا ہے، ہمارے دین میں ایسی کوئی بات نہیں۔

دیکھئے لوگوں کی فکر کہاں تک جاچکی تھی آج کے دور کے لوگوں کو مت دیکھیں، اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو انداز ہوگا، باغی اور نہ معلوم کیا کیا القاب مولاؑ کے ساتھ لگائے جاتے تھے۔ یہودی نے کہا کیوں کیا تمہارے رسولؐ نے علیؑ کو بیٹی نہیں دی۔ اس یہودی نے جب کہا تو اب تو سب ہکابکا رہ گئے۔ اس نے کہا کہ جواب دو۔ رسولؐ نے علیؑ کو بیٹی نہیں دی؟

اب یہ سارے مسلمان علماء اور فقہا چکرا گئے کہ یہ کیا ہوا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا دربار کے سب دروازے بند کردو۔ جلادوں سے کہا ان کے سروں پر تلوار لے کر کھڑے ہوجاؤ۔ فیصلہ ہوگا آج، علیؑ کو جب بیٹی دی تو علیؑ باایمان تھا کہ نہیں؟ سب کی گردنیں جھک گئیں، باایمان بھی تھا، امیر بھی تھا، خلیفہ بھی تھا لیکن ہم کیا کریں تمہارے ہی آباؤ اجداد نے ہم سے کروایا تھا یہ کام، کہا کہ نہیں لکھ کے دو یہ فتویٰ اگر وہ امیرالمومنینؑ بھی رہ چکا اور وہ خلیفہ بھی رہ چکا اور جنگوں میں کارنامے بھی کرچکا تو لکھ کے دو فتویٰ کہ آج سے پوری بلاد اسلامی میں علیؑ پر سب وشتم اور تبرا بند۔

خود فیصلہ نہیں کیا اس نے سب مفتیوں سے لکھوایا، چارسو مفتیوں سے مہریں لگوا کے فتویٰ پہ اور راتوں رات پوری بلاد اسلامی میں پھیلا دیا۔ تمام ''علمائے کرام اور مفتیان ذی مقام'' کا یہ فتویٰ آ گیا کہ اب علیؑ اور اولاد علیؑ پر سب وشتم اور تبرا نہیں ہوسکتا۔

تو عزیزو! یاد رکھنا جس کی خوبی ہے ہمیں وہ بھی بیان کرنی ہے۔ یہ تاریخی حقائق ہیں ان سے چشم پوشی بہتر نہیں۔ اس کی یہ خوبی سامنے آئی تو کیوں آئی؟ اگر امامؑ کا سایہ اس پر نہ پڑتا، اگر امامؑ کی محبت کے سائے میں وہ نہ آتا، اگر امامؑ کے کردار کو نزدیک سے نہ دیکھتا، اگر امامؑ کے پاس نہ بیٹھتا، اگر امامؑ کی سیرت کو نہ دیکھتا تو اس کا ضمیر بیدار نہیں ہوسکتا تھا۔

خاندان وہی لیکن جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی ہے کہ یزید کا بیٹا معاویہ تخت کو چھوڑ کر چلا گیا کہ میں اس تخت پر نہیں بیٹھوں گا تو بات یہ نہیں ہے کہ سب کو ایک ہی پیرائے میں ایک ہی نظر سے

دیکھتے چلے جائیں۔

رشتہ وہی ہے کہ اگر اسلام سے انسانیت کو الگ کر دیا تو سوائے قصائیوں کے، تو سوائے تیغ و تلوار، مار کاٹ اور لوٹ مار کے کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ اسلام میں سلامتی ہی نہیں رہے گی باقی سب کچھ ہوگا لیکن اگر اسلام میں وہی تعلیمات رہیں، انسانیت کو بیدار کرنے والا عنصر یعنی جو محور ہے انبیاءؑ کی تعلیمات کا اور ائمہ طاہرینؑ جس کے وارث ہیں۔ اگر انسانیت ہے تو مذہب زندہ ہے اور اگر انسانیت نہیں ہے تو پھر مذہب ایک بے روح مردہ جسم ہے جس میں روح نہیں ہے۔

تو اہلِ بیت علیہم السلام کی زندگیوں میں یہی چیز آپ کو ملے گی کہ انھوں نے انسان بنانے کی کوشش کی چاہے ایک ہی بنے۔

ہارونِ مکی بنے، مسلم ابن ضرارہ بنے، نہال بنے، منہال بنے۔ ایسے کردار بنتے جائیں، فضل بن شازان بنے۔ ائمہ طاہرینؑ نے ان کرداروں کو مثال بنا کر پیش کیا۔

دوسری طرف یہ جتنی بھی بنوامیہ اور بنو عباس کی سلطنتیں گذریں سوائے فتوحات کے کارنامے، لڑائیاں، جنگیں وغیرہ وغیرہ۔ جب اسلام کی تاریخ بنا کر انہی کے واقعات پڑھاتے جائیں گے تو لوگ تو یہی کہیں گے کہ یہی اسلام ہے۔ آپ نے اسلام کو دنیا کے سامنے جیسا پیش کیا اور پیش کر رہے ہیں تو دنیا تو اسی کو اسلام سمجھے گی ناں؟

عملی طور پر آپ کچھ اور پیش کریں، کتاب میں کچھ اور لکھ دیں۔ یہ تو نہیں چل سکتا۔ تو بس آج ضرورت کس بات کی ہے کہ جس اسلام کے ہم سب دعوے دار ہیں، جس اسلام کا ہم ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، جس اسلام کا ہم شور مچاتے ہیں، خدا کے بندو! اس اسلام کے کچھ مظاہر تو دنیا کو دکھانے کے لئے پیش کرو کہ یہ اسلام ہے۔

یہ جو تم اسلام کے نام پر اپنا کردار و عمل پیش کر رہے ہو اس سے تو اسلام کا چہرہ اور مسخ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ تمہارا یہ طرزِ عمل تو اسلام کے چہرے کو مزید سیاہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ جو تصویر تم اسلام کی دنیا کو دکھا رہے ہو وہ اسلام تو نہ ہوا؟

عزادارانِ حسینؑ! ہر امامؑ کا یہی راستہ ہے کہ اگر فسادِ اخلاق و کردار میں پھنسے ہوؤں میں سے ایک بھی نکلتا ہے تو اُسے نکال لو۔ کیا جنابِ سیّد الشہداءؑ ایک لاکھ آدمی کربلا میں نہیں جمع کر سکتے تھے، آپ کیا سمجھتے ہیں؟ کیوں نہیں جمع کر سکتے تھے، کیا زبان میں اتنی تاثیر نہیں تھی، کیا خطابت میں اتنا زور نہیں تھا؟ ان سے زیادہ کسی کے پاس زبان میں تاثیر ہے؟ ہاشمیوں سے زیادہ کسی کے پاس خطابت ہے؟ ہاشمیوں کے پاس کسی کو اپنے تحت تاثیر لانے سے زیادہ زور، زورِ خطابت ہے اور کیا دنیا نے مشاہدہ کیا ہے یا نہیں؟ چاہے وہ دربار ہو ابن زیاد کا، چاہے وہ دمشق کی جامع مسجد ہو، چند لمحوں میں مجمع کو پلٹ کر بتا دیا ہاشمیوں نے کہ دیکھو! ہم یہ بھی کر سکتے ہیں۔

تو کیا کربلا میں ایک لاکھ آدمی جمع کرنا مشکل تھا حسینؑ کے لئے؟ نہیں کوئی مشکل نہیں تھا مگر یہ ائمہ طاہرینؑ کا طریقہ نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں کے ریوڑ کو جمع کرنا ان کا ہدف نہیں تھا، ایک نکل کر آئے مگر وہ ایک ایسا ہو کہ رہتی دنیا تک وہ ایک، ایک کروڑ پر بھاری ہو۔ اسی لئے حسینؑ نے بہتر کرداروں کا انتخاب کیا کربلا میں۔ تنابیں سکڑیں زمین کی اور جہاں جہاں ایسے کردار تھے وہ سب حسینؑ کے پاس جمع ہو گئے۔

نہ کوئی عمر کی قید، نہ سنِ وسال کی قید۔ نوّے سال کا ہے تو وہ ایسا ہے، سات آٹھ مہینے کا ہے تو ویسا ہی ہے۔ حسینؑ کو یہ فکر نہیں ہے کہ میرے سپاہیوں میں لڑنے والے کتنے ہے؟ حسینؑ تو جانتے ہیں کہ میرا نوّے سال کا سپاہی بھی ویسا ہی لڑے گا جیسے علی اکبرؑ۔ میرا چند ماہ کا علی اصغرؑ بھی ویسا ہی لڑے گا جیسے جواں سال علی اکبرؑ۔ میری سکینہؑ بھی بازارِ کوفہ و شام میں اور زندانِ شام میں ویسی ہی جنگ کرے گی جیسے میدان جنگ میں علی اکبرؑ، میری بہن زینبؑ بھی اسی طرح پرچم برادری کرے گی جیسے میدان کربلا میں عباس علمدارؑ۔

حسینؑ تو اپنے لشکر کا انتخاب کر کے لائے تھے۔ یہ مت سوچئے یا یہ مت پوچھئے ہم سے کہ جب پتہ ہی تھا کہ یہ کچھ ہونا ہے تو بیبیوں کو کیوں لے آئے؟ بہنوں کو کیوں لے کر آئے؟ بچوں کو کیوں لے کر آئے؟ یہ آپ کی سمجھ میں کیسے آئے گا سرکار! اگر یہ سب نہیں آتے تو کیا کربلا مکمل

ہو جاتی؟

کربلا کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کہ ثانی زہراؑ بھی ہوں، ام کلثومؑ بھی ہوں، سکینہؑ اور رقیہؑ بھی ہوں، ام لیلیٰؑ اور ام ربابؑ بھی ہوں اور گود کا بچہ علی اصغرؑ بھی ہو۔ شیر خوار علی اصغرؑ بھی ہو۔

کیسی تمنا کی تھی ام ربابؑ نے شب عاشور، ایک ہی خیمہ تو تھا جس سے رونے کی آواز آ رہی تھی اور وہ خیمہ تھا ام ربابؑ کا۔ یہ ماں صرف اس لئے رو رہی ہے کہ میرے پاس صبح عاشور حسینؑ پر قربان کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ایک یہ چند ماہ کا بچہ علی اصغرؑ ہے اور ایک چار سال کی بچی سکینہؑ ہے۔ کاش علی اصغرؑ تو اتنا بڑا ہوتا کہ تلوار اٹھا لیتا کہ کل میں بھی کچھ قربان کر دیتی۔ کیسی آرزو کی تھی ام ربابؑ نے اور پروردگار نے اپنی اس کنیز کو کیا مقام دیا؟

کربلا کی خواتین میں ہر خاتون کو، ہر معظّمہ کو ایک الگ مقام بھی عطا ہوا ہے۔ ایک اجتماعی مقام، ایک انفرادی رتبہ اور جناب ام ربابؑ کا رتبہ کیا ہے؟ سب سے الگ، سب سے جدا۔ تمنا یہ کر رہی ہیں، رو راس لئے رہی ہیں رات بھر کہ میرے پاس کچھ ہے نہیں، کچھ ہوتا تو حسینؑ پر قربان کرتی تو پروردگار نے اس نیت کے بدلے میں انھیں کیا اعزاز دیا؟ اپنی اس کنیز خاص کو کیا رتبہ دیا کہ اب فاتح کربلا بھی ام ربابؑ کا علی اصغرؑ اور فاتح شام بھی ام ربابؑ کی سکینہؑ۔ یہی ہے ناں درج تاریخوں میں کہ عباسؑ فاتح فرات اور علی اصغرؑ فاتح جنگ کربلا۔

فاتح شام کون؟ ام رباب کی بیٹی سکینہؑ۔ یہ نیت کے پھل ہیں۔ بندگی کے ثمرات ہیں۔ جب ماں یہ تمنا کر رہی ہوگی تو شاید علی اصغرؑ بھی ہمک ہمک کر اشاروں کی زبان میں سمجھا رہے ہوں گے کہ اے مادرِ گرامی! ذرا عصر عاشور تو آنے دیجئے۔ ذرا سا صبر کیجئے۔ پھر دیکھئے! میں کیسی جنگ کرتا ہوں۔ میرا معرکہ چچا عباسؑ کے معرکے سے کم نہیں ہوگا۔

عزداران حسینؑ! وہ وقت آیا عصر عاشور جب اصغرؑ کے کانوں میں بابا کے استغاثے کی آواز آئی۔ اصغرؑ نے گہوارے میں ہمکنا شروع کیا، کوئی متوجہ نہ ہوا اور جب کوئی متوجہ نہ ہوا تو علی اصغرؑ نے کروٹ لی اور گہوارے سے خود کو نیچے گرا دیا۔

سمجھو! میری بے زبانی کو، میرا بابا مجھے مدد کے لئے پکار رہا ہے، میں اپنے بابا کی نصرت کے لئے جاؤں گا۔ بیبیاں سمجھیں پیاس سے تڑپ رہا ہے، گریہ وزاری شروع ہوگئی۔ حسینؑ واپس پلٹے صدائیں سن کے فرمایا ابھی میں زندہ ہوں، کہا فرزند رسولؐ! علی اصغرؑ بہت بے چین ہے۔ تڑپ کر جھولے سے اپنے آپ کو گرالیا ہے، پیاس سے بے چین لگتا ہے۔ بس حسینؑ نے علی اصغرؑ کی طرف نگاہیں کیں شائد نگاہوں ہی نگاہوں میں کچھ باتیں ہوئیں۔ علی اصغرؑ نے اپنا مدعا زبانِ بے زبانی سے بیان کیا کہ بابا! اب میں کب جاؤں گا؟ اور حسینؑ کی زبان پہ جملے کہ لاؤ علی اصغرؑ کو دو میں اس کی پیاس بجھالاؤں۔

پیاس ہی بجھانے تو لے کے گئے تھے علی اصغرؑ کی۔ کیوں کہ دادا حیدر کرارؑ انتظار کر رہا ہے جام کوثر لئے کہ کب میرا نھا مجاہد فاتح کربلا آئے اور کب میں جام کوثر سے اسے سیراب کروں؟

علی اصغرؑ کو لے کر حسینؑ نکلے۔ باہر دھوپ کی شدت ہے کملا گیا رباب کا یہ پھول۔ باپ نے عباء کا سایہ کر دیا بچے پر، دشمن یہی سمجھ رہے ہیں کہ لاشیں اٹھاتے اٹھاتے تھک گیا حسینؑ اس لئے اب قرآن لے کے آ گیا۔ انھیں نہیں معلوم کہ ابھی سب سے بھاری لاشہ لے کر جانا ہے حسینؑ کو میدان کربلا سے۔ سب سے مشکل لاش اٹھا کر لے جانی ہے۔ اپنے اسی جوان کو لے کے آیا ہے حسینؑ کربلا کے میدان میں۔

آنے کے بعد خطاب کیا حسینؑ نے فوج جفا کار سے۔ میری تمہاری جنگ ہے ناں؟ میری تمہاری لڑائی ہے ناں؟ ایک منطقی بات، ایک عقلی بات، مجھ سے بیعت کے طلب گار ہو۔ اس چند ماہ کے بچے کی تو کوئی ذمہ داری نہیں؟ اس سے تو کوئی بیعت کا مطالبہ نہیں ہے ناں؟ اس کی ماں کا دودھ بھی خشک ہو گیا ہے اِسے تھوڑا سا پانی پلا دو۔ جب جواب نہ ملا لو۔ حسینؑ نے جلتی ریت پر لٹا دیا بچے کو، خود دور چلے گئے۔ تم میں کوئی سپاہی آئے اور میرے معصوم بچے کو پانی پلا دے۔ کوئی جواب نہ ملا۔ حسینؑ نے واپس اٹھالیا علی اصغرؑ کو۔ اب علی اصغرؑ سے کہتے ہیں کہ بیٹا تو خود ہی حجت تمام کر دے تو بھی تو حجت خدا کا بیٹا ہے۔

عزاردارن حسینؑ میں اپنے جملوں میں کہتا ہوں کہ حسینؑ نے اذن وغا دیا علی اصغرؑ کو کہ بیٹا اب حملہ کر، بیٹا! اب اپنی شجاعت کے جوہر دکھا بس اِدھر علی اصغرؑ کو اجازت ملی جنگ کی اُدھر علی اصغرؑ نے حملہ کر دیا اور عزادارو! کیسا حملہ تھا علی اصغرؑ کا؟ اِدھر علی اصغرؑ نے تیر چلایا اور اُدھر عمر سعد کے سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیئے۔ پورا لشکر پسپا ہو گیا۔ لشکر یزید و ابن زیاد کا ہر سپاہی منہ پھیر پھیر کر رونے لگا۔ ایک ہی تیر تو چلایا تھا علی اصغرؑ نے لیکن وہ تیر ایسا تھا، خشک ہونٹوں کی کمان اور سوکھی ہوئی زبان کا تیر، کتنا طاقت ور تھا یہ تیر کہ عمر سعد کے اپنے ہی سپاہی تلواریں لے کر عمر سعد کی گردن پر پہنچ گئے۔ عمر سعد اس بچے کو پانی پلا دے ورنہ تیری خیر نہیں ہے۔

گھبرا گیا تھا عمر سعد کہ یہ حسینؑ کس مجاہد کو لے کے آ گیا کربلا میں؟ ایسا حملہ تو عباسؑ کا بھی نہ تھا۔ ایسا حملہ تو علی اکبرؑ کا بھی نہیں تھا۔ آواز دی حرملا کو جلدی آ۔ حرملا پہنچا تو عمر سعد نے کہا

اِقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَیْنِ

جلدی کر حسینؑ کے کلام کو قطع کر

ورنہ ابھی قیامت برپا ہو جائے گی

عزادارانِ حسین! جو تیر لے کے چلا تھا حرملا، ان میں سے دوسرا تیر اب کام میں آتا ہے، تیرِ سہ شعبہ۔ ذرا آپ تصور کر لیجئے کہ تین منہ کا تیر کتنا ہی چھوٹا سہی ارے علی اصغرؑ کی گردن سے تو بڑا ہی ہو گا ناں؟ چند ماہ کے بچے کی گردن سے تو بڑا ہو گا ناں؟ کتنا ہی چھوٹا سہی تیرِ سہ شعبہ۔ اس نے زہر میں بجھا ہوا تیر سہ شعبہ کمان میں جوڑا اور نشانہ لیا علی اصغرؑ کی گردن کا۔ نہیں عزادارو! علی اصغرؑ کی گردن کا کیوں؟ حکم تو یہ ہوا ہے اِقْطَعْ کَلَامَ الْحُسَین حسینؑ کے کلام کو قطع کر۔ بس میں یہی کہتا ہوں ہمیشہ کہ مجھے یقین ہے کہ حرملا نے نشانہ لیا ہے حسینؑ کی گردن کا لیکن ابھی آخری مجاہد زندہ ہے، ابھی آخری سپاہی زندہ ہے اور ایسے میں تیر حسینؑ تک کیسے آ سکتا تھا؟ تیر چلا اور اس نے کربلا کے آخری مجاہد کو، کربلا کے فاتح علی اصغرؑ کو لہو میں نہلا دیا، ام ربابؑ کا ارمان پورا ہو گیا۔

اَلا لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ

آٹھویں مجلس

أعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى

أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ

مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ

عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ مِنَ أَلآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ

أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ

الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.

بِسْمِ أَللّٰهِ أَلرَّحْمٰنِ أَلرَّحِيمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوّٰيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفْئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجدہ ۷، ۸، ۹)

آپ لوگوں سے درخواست کروں گا کہ ملتان کے جواں مرگ دولہا محمد عباس صدیقی اور ان کی اہلیہ ڈاکٹر کنیز زہرا فریحہ سمیت اپنے تمام مرحومین اور شہدائے ملت جعفریہ کے لئے ایک بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر بخش دیں۔

مومنین کرام! آج کی تاریخ حضرت باب الحوائج، قمر بنی ہاشم، ثانیٔ حیدر کرار، تاج دار وفا، علم بردار کربلا حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔ آج کی تاریخ ایسی نہیں ہے کہ میں کسی بات کی آپ کو مبارک باد وغیرہ دوں لیکن ایک بہت ہی اطمینان بخش صورت حال سامنے آئی ہے لہٰذا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو مومنین وہاں موجود نہیں تھے انہیں بھی وہ اطمینان بخش خبر پہنچاؤں تا کہ ایک طرف انہیں خوشی ہو اور دوسری طرف اطمینان کہ جوان کے دل کی آرزو ہے، جو ہر مومن چاہتا ہے، مومنین کے قدم اسی سمیت میں اُٹھ رہے ہیں۔

صورت حال یہ تھی کہ نشتر پارک کی جب مجلس ختم ہوئی تو اس مجلس میں اعلان کر دیا گیا تھا احتجاج کا اور پوری دنیا جانتی ہے کہ جب ہزاروں کا مجمع احتجاج کرنے نکلے تو کیا کچھ ہو سکتا تھا اور خدا گواہ ہے کہ کچھ دیر کے لئے ہم بھی گھبرا گئے تھے کہ اتنے زخم خوردہ جوان ہیں، اگر یہ بے قابو ہو گئے تو پھر کسی کے سنبھالنے سے سنبھل نہیں سکتے۔

دوسرا خدشہ یہ تھا کہ جو کھیل کھیلا جاتا ہے یعنی معاملے کو بگاڑ دیا جائے اور فساد برپا کر کے اُسے علماء کے سر پر لاد اجائے کہ دیکھو! انہوں نے پھر یہ کروایا لیکن یہ باب الحوائجؑ کا صدقہ ہے، یہ آپ لوگوں کے دل کی آواز ہے، یہ اللہ کی تائید ہے، یہ شہداء کے خون کا صدقہ ہے کہ یقین کیجئے اتنا بڑا مجمع جو مجلس کے بعد بندر روڈ پر آ کر بیٹھا تھا، اس میں عورتیں بھی تھیں، اس میں بچے بھی تھے اور زیادہ تعداد جوانوں کی تھی لیکن ہم دنیا کو یہی دکھانا چاہتے تھے کہ ہم ایک شریف، ایک معزز اور ایک پڑھی لکھی قوم ہیں اور ہمارے لوگ انسانیت کے جذبے سے سرشار ہیں۔

ہم کوئی دہشت گردوں کا ٹولا نہیں ہیں کہ اپنے جوانوں کی جانوں سے کھیلیں
ان کے جذبات کو بھڑکائیں اور انہیں دوسری راہوں پر ڈالیں
خدا نے ہماری قوم کی عزت کو آج بڑھایا
خدا نے ہماری قوم کے وقار میں اضافہ کیا

ہمارے اپنے ملک کا میڈیا حقائق کو نشر کرے یا نہ کرے مگر پوری دنیا کا میڈیا وہاں موجود تھا

جس میں بین الاقوامی خبر رساں ایجنسیاں موجود تھیں جو فلم برداری بھی کر رہی تھیں اور سب کے لبوں پر فقط یہی ایک بات تھی کہ اگر یہ مجمع آج بے قابو ہو جائے تو پھر کیا ہوگا؟

لیکن ہم نے سوال کرنے والوں کو یہی بتایا کہ یہ کوئی عام مجمع نہیں ہے یہ بوترابی مکتب کے لوگ ہیں، یہ حسینی مکتب کے لوگ ہیں، احتجاج جس طرح سے معزز قومیں کیا کرتی ہیں اسی طرح سے ریکارڈ کرا کر بتا دیا کوئی ایک پتھر تک نہیں پھینکا گیا، کوئی ایک ڈنڈا نہیں چلا ہزاروں افراد کا مجمع جو جذبوں سے سرشار تھا مگر جس کے جذبات پر اس کی عقل اور دینی تقاضوں کی حکمرانی تھی لیکن جب اسے ایک کال دی گئی تو سارا کا سارا مجمع ایک جگہ بیٹھ گیا اس نے بہ غور پوری گفتگو کو سنا۔

تو عزاداران حسینؑ! ان تمام تاریکیوں میں ابھی نور کی بہت سی کرنیں موجود ہیں

ہمارا سرپرست، ہمارا رہبر، ہمارا امامؑ موجود ہے اور ہمیں ناز ہے اس پر

چلتے چلتے چار مصرعے سن لیجئے

دُرود زندہ ہے اپنا سلام زندہ ہے
خدا کے بعد محمدؐ کا نام زندہ ہے
کسی کے پاس تو مردہ بھی اب نہیں باقی
ہمیں ہے ناز ہمارا امامؑ زندہ ہے

عزاداران حسینؑ! آپ کی قوم کو آج ایک عزت ملی ہے، ایک وقار ملا ہے۔ لوگوں نے دیکھ لیا ہے کہ دہشت گرد کون ہے اور شریف و پڑھی لکھی اور معزز قوم کون؟

آج شہداء کی روحیں بھی خوش ہیں کہ تحرک پیدا ہوا اور دنیا کو پتا چلا کہ ہمارے مکتب کی روش کیا ہے؟ اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی چاروں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیں۔ دو آنکھیں وہ جو آپ کے چہرے پر ہیں اور دو آنکھیں وہ جو آپ کے دل میں خدا نے آپ کو دی ہیں۔ یاد رکھئے گا مومن کو خدا نے دل میں بھی آنکھیں دی ہیں جن سے وہ سازشوں کو دیکھا کرتا ہے۔ اپنے چاروں کانوں کو بھی کھلا رکھئے گا۔ دو کان یہ جو آنکھوں کے قریب ہیں اور دو کان وہ جو خدا نے دل میں دیئے ہیں جن

سے مومن پوشیدہ باتوں اور مکاری و سازشوں کی باتوں کو سنا کرتا ہے، آج یہ اچھی صورت حال سامنے آئی ہے کہ جتنی تنظیمیں وہاں پر موجود تھیں ان سب نے یہ اعلان کیا ہے، یہ خدا کا بڑا انعام ہے ہمارے لئے کہ انھوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنی تنظیموں اور تحریکوں کی طرف سے کال نہیں دی جائے گی۔ ہماری ایک ہی شناخت سب سے زیادہ معتبر ہے لہٰذا اسی شناخت کو زندہ رکھا جائے گا اور جب پکارا جائے گا، جب بلایا جائے گا تو شیعیان حیدر کرّار کے نام سے بلایا جائے گا اور جو لوگ وہاں موجود نہیں تھے انھیں بھی یہ پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔

یہ خدا نے کرم کیا ہے کہ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

خلوص تو ہو اور اگر خلوص ہے آپ کے پاس تو کیسے خدا کی بارگاہ میں آپ کی فریاد نہیں پہنچے گی؟

بس عزاداران حسین! ہمیں ایک نکتے کو یاد رکھنا ہے کہ عزاداری امانت ہے
جب تک حسینؑ سے وفادار رہو گے جب تک حسینؑ سے مخلص رہو گے
حسینؑ تمہیں کبھی دنیا کی نگاہوں کے سامنے ذلیل نہیں ہونے دے گا
اگر حسینؑ کی راہ میں..... اسلام کی راہ میں..... تمہارا سر کٹ بھی جائے
مگر حسینؑ تمہارے سر کو سربلند رکھے گا
تمہیں دنیا کے سامنے سرخرو رکھے گا
یہ وعدہ ہے حسینؑ کا..... یہ وعدہ ہے مادرِ حسینؑ کا
بس حسینؑ کے ساتھ مخلص رہو
عزاداری کے ساتھ مخلص رہو
جب تک خلوص باقی ہے..... عزت بھی تمہاری ہے..... وقار بھی تمہارا ہے

سربلندی بھی تمہاری ہے

عزادارانِ حسینؑ! ظاہری طور پر تھوڑا سا نقصان اٹھالینا، عزت اور ذلت کے فیصلے نہیں کرتا۔

زینبؑ نے دربار ابن زیاد لعن میں یہی کہا تھا ناں؟

جب اس لعین نے کہا تھا کہ دیکھو! خدا نے تمہیں ذلیل کیا تو پلٹ کر بنت علیؑ نے اسے جواب دیا تھا کہ تیری مجال اور تیرے امیر کی مجال کہ تم لوگ ہمیں ذلیل کرو؟

اِنَّ الْقَتْلَ لَنَا عَادَةٌ وَ الشَّهَادَةَ لَنَا كَرَامَةٌ

جناب سید سجادؑ سے بھی یہ جملہ منقول ہے کہ قتل ہو جانا ہماری عادت اور شہادت ہمارے لئے کرامت ہے، عزت و شرف ہے۔ ہم خاندان رسالت ہیں، ہم وحی کا مرکز ہیں، یہ تو آنے والا وقت بتائے گا تجھے کہ کون ذلیل و رسوا ہوا اور پروردگار نے کسے عزت دی؟

تو جس طرف میں اشارہ کرنا چاہ رہا ہوں آپ کے آج کے اتحاد کو دیکھتے ہوئے۔ آپ کی آج کی یک جہتی کا مشاہدہ کرتے ہوئے، پھر خفیہ ادارے انتشار پھیلانے کے لئے حرکت میں آئیں گے۔

کسی ایسی بات پر کان مت دھریئے گا

کسی ایسے پمفلٹ کو جو بغیر نام کے یا فرضی نام سے شائع کیا جائے

نو یا دس محرم کے جلوس سے متعلق کہ بٹھایا جائے گا یا چلایا جائے گا

انتشار پیدا کرنے کی ایک کوشش کی جا سکتی ہے

تا کہ اس یک جہتی کو پارہ پارہ کیا جا سکے

جس نے ایوان حکومت کو لرزا براندم کر کے رکھ دیا ہے

اس یک جہتی، اس اتحاد کو توڑا جائے

آپ میں سے ہی کچھ مومنین نے جو دردِ دل رکھتے ہیں

آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے یہ قدم اٹھایا تھا

اللہ نے اس میں برکت بھی دی

اللہ نے اس میں عزت بھی دی

اب خفیہ ہاتھ کام کرنا شروع کریں گے

مختلف قسم کی افواہیں..... مختلف قسم کی باتیں

یہ کرنا ہے، وہ کرنا ہے، یہ نہیں کرنا، وہ نہیں کرنا

نہیں جو کہا جائے گا وہی کیا جائے گا

اور یہ طے ہو چکا ہے کہ ہر کام شیعیانِ حیدر کرار کے نام سے کیا جائے گا

دوسری بات، اس نام سے بھی کوئی جعلی پمفلٹ آ سکتا ہے

امکان ہے کہ بانٹ دیا جائے

کس کس کو کہا جائے گا؟

کیسے بتایا جائے گا کہ یہ جعلی ہے؟

تو اس کے لئے یہ طے ہوا ہے

کہ جیسے آج نشتر پارک سے یہ اعلان کیا گیا

کوئی بھی لائحہ عمل ہو اس کا اعلان منبر سے

خود علماء، ذاکرین اور خطباء کریں گے

اس سازش کو ناکام بنانے کے لئے یہ تدبیر ضروری ہے۔ منبروں سے جب تک اعلان نہ ہو، تمام ذاکرین، تمام خطباء، تمام علماء ایک ہی بات کو بتائیں گے کہ ہاں یہ طے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ خصوصاً جس طرح آج جوانوں نے مظاہرہ کیا ہے یقین کریں ہمیں فخر ہے اپنے جوانوں پر، خدا کی قسم! آج ہم نے اپنے جوانوں کا جذبہ دیکھا، ہمارے جوان کچھ بھی کر سکتے تھے مگر یہ سر جھکا کر بیٹھے جب ان سے کہا گیا اور اسی طرح سر جھکا کر ہزاروں کا مجمع واپس چلا گیا۔

وہاں جوانوں نے عہد کیا، یہ بات بھی دو طرفہ ہے، اگر آگے چلنے والے خائن ہوں، خیانت

کارہوں اور ملت وفادارتب بھی گاڑی نہیں چلتی۔آگے چلنے والا بے چارہ مخلص ہواور پیچھے چلنے والوں میں دم نہ ہوتب بھی گاڑی نہیں چلتی۔

قوموں کی گاڑیاں کیسے چلتی ہیں؟ جب دونوں طرف خلوص ہو، وفا ہو، محبت ہواور دین کے ساتھ اخلاص ہو۔ جب تک یہ دوطرفہ اخلاص برقراررہے گا آگے چلنے والے ہمارے بزرگ حضرات کا اخلاص برقراررہے گا، آپ کی قوت، آپ کی یک جہتی اور آپ کے اتحاد کی طاقت کو دنیا کی کوئی طاقت ضرب نہیں لگاسکتی، ضعف نہیں پہنچاسکتی۔

تو بس حقیقت یہ تھی جو آپ کے گوش گزار کرنا تھی، آپ کے حوصلے بڑھانے کے لئے۔ایسا نہیں ہے کہ ہرطرف سکوت چھایا ہوا ہے۔نہیں، ہرطرف سکوت چھایا ہوانہیں ہے۔سب دردِدل رکھنے والے جستجو کے راستوں پر نکلے ہوئے ہیں نکلے ہوئے ہیں اوراس صورت حال کو ان شاء اللہ، خدا سے ہماری دعا بھی یہی ہے کہ بتدریج اور بہتری کی طرف جائے۔

آپ سے بھی گذارش ہے کہ اپنے امامؑ سے بھی لولگا کر رکھئے گا۔فریاد کیجئے۔رات میں فقط ایک بارتو یاد کرسکتے ہیں ناں اپنے زمانے کے امامؑ کو؟

فریاد کیجئے کہ مولا آپؑ ہمارے رہبر ہیں

آپؑ ہمارے قائد ہیں

اورآپؑ ہمارے امامؑ ہیں

تو امامؑ کا یہ وعدہ ہے کہ ہر مشکل گھڑی میں

میں تمہاری مدد کروں گا

جب کہ تمہیں پتا بھی نہیں ہوتا کہ میں کتنی مصیبتوں کو تم پر سے ٹال دیتا ہوں

کتنے دشمنوں کے ہاتھوں سے وہ ہتھیار چھین لیتا ہوں

جو تمہارے خلاف استعمال ہونا ہوتے ہیں

ہم تم سے بے خبر نہیں ہیں

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ تو امامؑ کو یاد کریں، آپ مولاؑ کو یاد کریں

اور ایسی حالت میں آپ کا مولاؑ آپ سے بے خبر ہو؟

نہیں عزیزو! ہمارا مولاؑ ہم سے بے خبر نہیں ہے

لیکن اس وقت ہم اپنے امتحان کے دور سے گذر رہے ہیں

اب مرد کون ہے؟ دلیر کون ہے؟

وہ جو اس امتحان کی منزل میں ثابت قدمی سے ڈٹ جائے، اس لئے کہ

یہ امتحان ہے ہمارا اور ہماری پوری ملت کا۔

ان شاء اللہ ہم ہمیشہ کی طرح سرخرو ہو کر اس امتحان میں بھی کامیاب ہو جائیں گے

فضائل کا حصہ آج ذرا کم ہوگا اس لئے کہ میں چاہتا ہوں کہ علم دار کربلاؑ کا تذکرہ ذرا تفصیلی ہو جائے۔ کئی دن ہو گئے مصائب اتنے اختصار کے ساتھ پڑھے جا رہے تھے کہ تسلی نہیں ہو رہی تھی آج ایک حوصلہ ملا ہے۔ آج کی مخصوص تاریخ ہے، تو میں بھی چاہتا ہوں کہ اسی علم بردار کربلاؑ کا ذکر زیادہ ہو کہ جس کا پرچم اٹھا کر ہم یہ عہد کرتے ہیں ہر سال کہ مولاؑ ہمارے شانے تو کٹ سکتے ہیں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم ترے علم کو زمین پر گر جانے دیں، یہ نہیں ہوسکتا۔

اپنے نوجوان دوستوں سے..... اپنے بچوں سمیت

سب کے کانوں میں یہ بات ڈال رہا ہوں کہ علم مت اٹھانا حضرتِ عباسؑ کا.....

مگر یہ عہد کرنے کے بعد اٹھانا کہ اس کی عزت کو برقرار رکھو گے

دیکھئے! یہ اتنی آسان چیز تو نہیں ہے

یہ اتنی معمولی چیز تو نہیں کہ ہر کوئی اسے اٹھانے کا اہل ہو؟

نہیں، بلکہ یہ تو حسینؑ کے لشکر کا علم ہے

یہ عباسؑ کا علم ہے اگر ہمت نہیں ہے تو اس علم کو نہ اٹھاؤ

لیکن جب اس علم کو اٹھا لو تو پھر شبیہہ بن جاؤ علم بردار حسینی کی

اب تم علم اٹھائے ہوئے ہو
وہی علم جو میدانِ کربلا میں عباسؑ نے اٹھایا تھا
صرف علم تو شبیہہ نہیں ہے اب تم بھی عباس علم دارؑ کی شبیہہ ہو
جب تک جسم اور روح کا رشتہ باقی ہے
اے عباسؑ! ہم تیرے علم کو گرنے نہیں دیں گے
حسینیت کا علم کربلا میں جب ٹھنڈا ہوا تھا
جب عباسؑ کے بازو قلم ہو گئے تھے
جب تک جسم میں جان باقی ہے اس علم کو گرنے نہیں دینا

عزادارانِ حسینؑ! مجھے زیادہ تذکرہ نہیں کرنا لیکن آپ کی تسکین کے لئے کیونکہ کل آخری مجلس ہوگی اس لئے چاہتا ہوں کہ جو موضوع لے کر چل رہا ہوں اس کے متعلق بھی دس سے پندرہ منٹ آپ سے بات کرلوں۔

بس خلاصہ یہ تھا انبیاءؑ کی بعثت کا، پیغمبروں کی بعثت کا، رسولوں کی بعثت کا کہ دو چیزوں کی طرف لوگوں کو بلالیا جائے۔ دو محور قرار پائے تھے دعوت کے، ایک خدائے واحد کی پرستش، ایک دعوت توحید

ایک تو سارے جھوٹے معبودوں کو ایک طرف ہٹا کر..... ایک اللہ رب العالمین کی بندگی کی طرف لے جانا..... دوسری چیز محض عبادت نہیں..... محض خدا کا زبان سے اقرار نہیں۔

دوسری چیز ان کے سوئے ہوئے انسان کو بیدار کر دینا..... ان کا تزکیہ نفس کر کے، ان کو ایک مثالی انسان بنا دینا۔

ہر نبی کے بعد امت تحریف کر کے دین کو کچھ سے کچھ بناتی رہی تو نتیجہ یہ نکلا کہ انسانیت ختم ہو جاتی اور دکانیں باقی رہ جاتیں۔ مذہب کے نام کی دکانیں باقی رہ گئیں اور انسانیت ختم ہوگئی۔ آخری رسولؐ جس معاشرے میں تشریف لائے کل پوری منظر کشی کر چکا، اس کی تکرار نہیں کروں

گا۔اس معاشرے کا بھی پیش منظر اور پس منظر آپ کے سامنے پیش کر دیا۔اب اس کے بعد سلسلہ یہ شروع ہوا کہ

کلمہ تو رہے گا

نماز بھی رہے گی

عبادت بھی رہے گی

خدا کا نام بھی رہے گا

مگر ایک مسئلہ درپیش ہوگا انسانوں کو

وہ کون سا مرحلہ درپیش ہوگا؟ وہ مسئلہ یہ درپیش ہوگا کہ سب کچھ ان کے پاس ہوگا

مگر انسانیت کی تعلیمات ختم ہو جائیں گی

انسانیت کی تعلیم کو پامال کیا جائے گا

تاراج کیا جائے گا

اور آج پوری دنیا

آپ کے سامنے اسی حقیقت کی مظہر ہے

ہر ملک

ہر نظام

ہر حکومت

انسانیت، انسانیت، انسانیت کی دہائی دے رہی ہے

ایمنیٹی انٹرنیشنل، این جی اوز اور ہزاروں کی تعداد میں انسانی حقوق کے ادارے

وجود میں آ گئے جو انسانیت کا ڈھول پوری دنیا میں پیٹ رہے ہیں

یہ بھی طرفہ تماشا دیکھئے کہ!

دوسروں کو دہشت گرد قرار دینے والے

خود دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد ہیں۔
پوری دنیا کے اعداد و شمار وہ شائع کرتے ہیں
کہ فلاں ملک میں اتنے قتل ہو گئے
فلاں ملک میں اتنے قتل ہو گئے
دوسرے ملکوں میں اتنے قتل ہو رہے ہیں
اور اگر ساری دنیا کا حساب کیا جائے
کہ دنیا میں خود آپ نے کتنے قتل کئے
دنیا میں آپ نے کتنی تاراجی کی
تو دہائی دینے والوں کا حساب
سب سے زیادہ الم ناک ہے
لرزا دینے والا ہے
دنیا میں کتنے ملکوں کو آپ نے صفحۂ ہستی سے ہی مٹا دیا
کتنی قوموں کی نسل کشی کی
تو انسانیت کے جو سب سے بڑے قاتل ہیں،
وہی آج انسانیت کے سب سے بڑے ٹھیکے دار ہیں
یہ ہے انسانیت کا حال
لیکن مجبور ہیں انسانیت کا نام لینے پہ
ہر مکتب
ہر مذہب
ہر سسٹم
کوئی سیاسی پارٹی ہو

کوئی مذہبی پارٹی ہو

بے دین پارٹی ہو

کوئی بھی ہو

سب انسانیت اور انسانی حقوق ہی کو اپنی فکر کا محور قرار دیتے ہیں

ہر نظام کے دعوے داروں کا یہی معاملہ ہے

کمیونزم آیا انسان کو نجات دلانے کے لئے

تو ستر لاکھ انسانوں کی لاشوں پر وہ نظام قائم ہوا

اور بے چارہ ستر سال بھی نہ چل سکا

ستر سال میں اس کی بساط لپٹ گئی۔

میں اس بحث میں نہیں جانا چاہتا

تو انسانیت نہ ہونے کے باوجود ہر ایک شخص

انسانیت کی ضرورت پر متفق ہے کہ انسانیت ہونی چاہیے

پوری دنیا متفق ہے کہ ہونی چاہیے

حقیقت کیا ہے کہ

ہر مکتب

ہر سسٹم

ہر نظریہ

انسانیت کی تعریف اپنے حساب سے کر رہا ہے

یعنی پہلے اپنے مفادات کو سیف کرتا ہے

محفوظ بناتا ہے

پھر انسانیت کی تعریف کر کے انسانیت کی دہائی دینا شروع کر دیتا ہے

اور پوری احتیاط سے کام لیتا ہے

کہ کہیں سے بھی میری گرفت نہ ہونے پائے

جیسے ہمارے ہاں احتسابی قوانین بنائے جاتے ہیں

یہ دیکھ کر کہ کوئی ایسا قانون تو نہیں بن رہا

جس میں خود میں پھنس جاؤں

یا اس میں میری کیبنٹ کا کوئی وزیر پھنس جائے۔

کوئی میرا آدمی گرفت میں آجائے

تو قانون بناتے ہیں کہ احتساب ہوگا، یہ ہوگا، وہ ہوگا لیکن احتساب کی سب نے ایسی تعریف کی کہ اپنا دامن بچ جائے دوسروں کی گرفت ہو جائے۔ اپنے قتل چھپ جائیں اور دوسروں کے قتل سامنے آجائیں۔ اپنی تاراجی کے کارنامے چھپ جائیں اور دوسروں کی تاراجی کے کارنامے سامنے آجائیں۔

یہی کچھ اسلام کے ساتھ ہوا کہ اسلامی تاریخیں بھی لکھی گئیں، سیرت کی کتابیں بھی لکھی گئیں اور مسلسل لکھی جارہی ہیں لیکن جب تک آپ اپنے گریبان میں جھانک کر نہیں دیکھیں گے کہ خود آپ نے انسانیت کو کتنا تاراج کیا دنیا کیسے آپ کی طرف آئے گی؟ دنیا تو نہیں آسکتی۔

آج دنیا کے سامنے آپ کا عملی کردار کیا ہے؟

وہ دہشت گردی کا کردار ہے

وہ قتل وغارت گری کا کردار ہے

وہ لوٹ مار اور جبر وتشدد کا کردار ہے

آپ نے اس دور حاضر میں اسلام کی جو عملی تصویر دنیا کے سامنے پیش کی ہے

ایسی حالت میں دنیا اسلام کی طرف کیسے آئے گی؟

آپ کی طرف کیسے آئے؟

تو عزیزو! اسلام کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوا

اہتمام یہ کیا کہ کلمہ تو ہوگا..... نماز تو ہوگی..... عبادت تو ہوگی..... حج تو ہوگا.....

زکواۃ تو ہوگی..... یہ سب کچھ تو ہوگا

لیکن اگر تمہارے پاس ہمدردی ہی نہ ہوگی

اگر تمہارا سویا ہوا انسان ہی بیدار نہ ہوا

تو تمہارا یہی مذہب، تمہارے لئے تباہی کا باعث بن جائے گا

لہٰذا اس تباہی اور بربادی سے بچانے کے لئے رسولؐ نے ایک راستہ بتادیا کہ

دیکھو! صرف عبادات نہیں..... صرف نماز نہیں

بلکہ جب تک ان دونوں چیزوں کو ایک دوسرے سے جوڑو گے نہیں

اس وقت تک کامل نہیں بن سکتے

دوسری چیزیں کون سی ہیں؟

ایک ہے احکام بتانے والا

ایک ہے ان احکام کی عملی تربیت دینے والا استاد

شاگرد پر سب سے زیادہ جو اثر پڑتا ہے وہ اپنے استاد کا پڑتا ہے

شاگرد پر اثر ہوا کرتا ہے اپنے استاد کا جس استاد سے تربیت حاصل کرتا ہے

ویسے ہی اس کے کردار میں وہ چیزیں ظاہر ہوں گی

تو بس یہ دو راستے یوں الگ ہوئے۔ جس نے جس استاد سے یا جن اساتذہ سے تربیت حاصل کی وہ یہی سمجھتے رہے کہ اسلام یہ ہے کہ جب تک دوسروں کو قتل نہ کرو، اسلام کا حق ادا نہیں ہوگا اور جو ایسے اساتذہ سے تربیت حاصل کرتے رہے کہ جو قاتل کو جام شہد پلائے، شربت شیریں پلائے، جو ایسے اساتذہ کے درس میں آتے رہے کہ جو قاتلوں کی پیاس بجھائیں، جو قاتلوں کو اپنے گھر میں پناہ دیں، یہ مثال دینا چاہتا ہوں نتیجے تک پہنچانے کے لئے۔

آپ نے واقعہ حرّا کا ذکر سنا ہے ناں مدینے کی تاراجی کا؟ جو تریسٹھ اور چونسٹھ ہجری کے درمیانی عرصے میں بپا ہوا تھا۔ جس میں مدینے کو تاراج کیا گیا تھا۔ مسلم ابن عقبہ، یزید کے جرنیل نے، مدینے کو ایسا تاراج کیا تھا جس کے لئے تاریخ کہتی ہے کہ سڑکوں پر مدینے کی خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ ہر معتبر اور مستند تاریخ نے اس واقعے کو نقل کیا ہے۔ تین سو سے زائد صحابہ کرامؓ کو تہہ تیغ کیا، قتل کیا مدینے میں۔ مسلم ابن عقبہ، یزید کے جرنیل نے۔ اس وقت ایک حکم تھا بس کہ ایک خاندان محفوظ ہوگا۔ یزید نے حکم دے کے بھیجا تھا۔ واقعہ کربلا کے بعد اسے اندازتو ہو گیا تھا ناں؟ جب جس حسینؑ کو چھیڑا گیا وہ ایک کربلا بنادے گا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ حسینؑ کا بیٹا جناب سید سجادؑ بھی حسینؑ ہے۔ جس حسینؑ کو جس زمانے میں چھیڑا جائے گا، وہ ایک کربلا بنادے گا۔

تو کربلا کا سبق سامنے تھا۔ اس لئے فرمان شاہی یہ تھا کہ سوائے علیؑ ابن الحسینؑ کے خانوادے کے یعنی چوتھے امامؑ کے گھرانے کے باقی کسی کو امان نہیں۔ باقی جس کے ساتھ تو جو چاہے سلوک کر۔ یہ آرڈر تھا یزید کا مسلم ابن عقبہ کے لئے۔

اب آپ دیکھئے! وہ جو میں نے بتایا کہ اسلام کے دو رویوں میں جو فرق ہے اور اپنے جوانوں کو یہی بتا رہا ہوں کہ اس اسلام کو نہیں چھوڑنا کہ جو انسانیت کا اسلام ہے

بڑے زخم لگتے ہیں تمہارے دلوں پر
بڑے زخم لگتے ہیں ہمارے دلوں پر

لیکن نہیں عزیزو! ہم اس اسلام کے وارث ہیں جس کی تعلیم رسولؐ نے دی، جس پر عمل ائمہؑ نے کرایا۔ آپ جانتے ہیں مروان کون ہے؟ خانوادۂ رسالت کا ازلی دشمن، واقعہ کربلا کے ذمہ داروں میں سے ایک ذمہ دار اور مدینے میں پناہ صرف ایک گھر کو حاصل ہے اور وہ علیؑ ابن الحسینؑ کا گھر ہے بس اور کسی گھر کو جائے پناہ کا درجہ حاصل نہیں ہے۔

مدینے سے باہر جو لوگ زیارات کر کے آئے ہیں وہ جانتے ہیں اور جو لوگ ابھی زیارات کر کے نہیں آسکے تو ان کے لئے میری دلی دعا ہے کہ خدا تمام مومنین کو اس گھر کی بھی زیارت

کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اس گھر کے کچھ آثار آج بھی باقی ہیں۔

مدینے کے باہر ایک باغ تھا اب شہر کے بڑھنے پھیلنے سے وہ شہر کی حدود میں آ گیا ہے۔وہ گھر جس میں واقعہ حرا کے وقت جناب سید سجادؑ اپنے خانوادے کو لے کر آ گئے تھے۔

آپ دیکھئے! یزید بنو امیہ کا خلیفہ ہے اور مروان انہیں یہاں تک پہنچانے والا، ان کا مددگار۔ اب مروان کو بھی پناہ نہیں ہے اور مروان کی حالت یہ ہے کہ میں جاؤں تو کہاں جاؤں؟ پناہ لوں تو کہاں لوں؟ ہمارے اور آپ کے جیسا کوئی انسان ہوتا تو کیا کرتا اس وقت عزیزو! یہ سبق دیا معصومینؑ نے کہ دیکھو! جو اسلام حقیقی ہے اس میں اور جو تم سمجھے ہو اس میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔مروان کے لئے جب جان بچانے کا کوئی چارہ کار نہ بچا تو وہی مروان اپنے بال بچوں کو لے کر چوتھے امامؑ کے دروازے پر آیا اور التجا کرتا ہے۔لوگوں نے منع بھی کیا کہ تو اتنا بڑا دشمن ہے ان کا، تجھے پناہ نہیں دیں گے۔اتنا بڑا واقعہ ہوا کربلا کا اور تو اس میں برابر کا شریک ہے، تجھے پناہ نہیں دیں گے۔مروان اتنا بڑا دشمن ہے خاندانِ رسالت کا مگر جانتا ہے کہ یہ امام وقتؑ ہے

یہ وارث اسلام ہے، یہ وارث دین ہے

جانتا ہے امام کے مرتبے و مقام کو پہچانتا ہے

اپنے بیوی بچوں، بھانجوں بھتیجوں کو جو بھی تھے سب کو لے کے پہنچ گیا۔کہتا ہے فرزند رسولؐ! آپؑ کے گھر کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں میرے پاس کہ جہاں میں اپنے خاندان کو لے کر نکل سکوں۔

آپ جانتے ہیں کہ امامؑ نے کوئی سوال جواب نہیں کیا۔امامؑ نے کہا کہ میں جانتا تھا۔میں نے تیرے لئے انتظام کیا ہوا ہے۔امامؑ نے دروازے کھول دیئے اور جب تک واقعۂ حرا تمام نہیں ہوا یہ اپنی پوری آل و اولاد کے ساتھ چوتھے امامؑ کے گھر میں پناہ لیے رہا۔

اب آپ مجھے بتایئے! ہم اگر جائیں تو کہاں جائیں۔میرے بھائی! مسئلہ صرف کلمہ پڑھنے اور نماز پڑھنے کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر اسلام تمہیں انسان ہی نہ بنا سکا تو پھر اس اسلام کا

فائدہ کیا ہوا؟ اگر تمہارے اس چھپے ہوئے انسان کو ہی سامنے نہ لا سکا تو اسلام کا فائدہ کیا ہوا؟

امامؑ نے یہ درس دیا۔ اچھا اس کے بعد بھی، آپ یہ دیکھئے! کہ امامؑ نے کتنا بڑا احسان کیا کہ مروان کے پورے خاندان کو پناہ دی، پورے خاندان کی جان بچائی لیکن جب یہی آل مروان دوبارہ اقتدار پر آئے پھر انہوں نے آلِ رسولؐ کے ساتھ کیا کیا؟

ظاہر ہے انہوں نے اپنی روش نہیں چھوڑی وہ اپنی فطرت پہ چلتے رہے

جوان کی فطرت تھی کہ جب وقت پڑا تو امامؑ نے انھیں پناہ دی اور جب مشکل حالات سے نکلے تو پھر انہیں کی تلواریں اور اہل بیت رسالتؐ کے بچوں کی گردنیں تھیں۔

وہ جو مولائے کائناتؑ نے خواب میں کسی شاعر کے شعر ایک شخص کو بتاتے تھے۔ سوال کیا تھا کسی نے مجھ سے، حوالہ اس وقت یاد نہیں لیکن میں نے کہیں پڑھا ہے کہ خواب میں اس نے مولاؑ کی زیارت کی اور سوال کیا کہ مولاؑ یہ کیا بات ہے کہ جب آپؑ نے مکہ فتح کیا تو آپؑ نے ان کو چھوڑ دیا اور جب انھوں نے آپؑ پر قابو پایا تو انھوں نے آپؑ کے بچوں کو تہہ تیغ کر دیا۔ تو آپؑ نے فرمایا یہ بات فلاں شاعر کے اشعار میں ہے تو جا کہ اس سے سن لے۔ وہ شخص صبح دوڑا کہ تو نے کون سے شعر کہے ہیں؟ شاعر قسم کھا کے کہتا ہے کہ میں نے آج رات یہ اشعار خاندان رسالتؐ کی فضیلت میں لکھے ہیں اور ابھی تک کسی کو نہیں سنائے، تو پہلا آدمی ہے جسے میں یہ شعر سنا رہا ہوں۔

یعنی بارگاہ مولاؑ میں وہ اشعار قبول ہوئے تو اس نے یہی بات کہی کہ دیکھو! ہم میں اور تم میں کتنا تفاوت ہے؟ جب ہم حکومت پر آئے، طاقت ہمارے پاس آئی۔ ہم نے جب تم کو غلام بنایا یعنی مکہ میں فتح حاصل کی تو ہم نے تمہیں معاف کر دیا، ہم نے تم پر رحم و کرم کیا، ہم نے تمہیں مال غنیمت میں سے حصّہ بھی دیا لیکن جب تم اقتدار پر آئے تو پھر وادیاں خون سے جھلک اٹھیں اور پھر تم نے لوگوں کو اسیر کیا۔ شعر بہت سارے ہیں، مطلب تک پہنچنے کے لئے میں خلاصہ کر رہا ہوں۔ تم نے ہمارے بچوں کی گردنوں پر تلواریں چلائیں لیکن یہی ہونا چاہیے تھا اور اس لئے ہونا چاہیے تھا کہ جس ظرف میں جو کچھ ہوتا ہے وہی چھلکتا ہے۔ جس برتن میں جو کچھ ہوگا وہی تو باہر

آئے گا۔

تو عزاداران محترم! مسئلہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہے کہ جس ظرف میں جو ہوگا وہی تو چھلکے گا۔ ہمارے پاس جو کردار ہے ہمیں اس کردار کو ظاہر کرنا ہے۔ ہم اسی کے وارث ہیں۔ ان کے ایک ٹولے کے پاس جو ہے، ایک مخصوص ٹولے کو خطاب کر کے کہہ رہا ہوں، اس کے پاس سے وہی کچھ تو باہر آئے گا۔ ظاہر ہے جو اس ٹولے کی میراث ہے وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ ہماری جو میراث ہے ہم اس کی حفاظت کریں گے اور ایک عالم جانتا ہے کہ ہم انسانیت کی اعلیٰ ترین اقدار اور کردار کے وارث ہیں۔

بس عزاداران حسینؑ! اسی لئے کردار تخلیق کئے اہل بیتؑ نے۔ میں عاشورےؑ کی مثال دے چکا ہوں آپ کے سامنے، کربلا کی مثال دے چکا ہوں آپ کے سامنے۔

ان مثالوں کی اگر آپ تشریح کرنا چاہیں آیت کی زبان میں، قرآن کی زبان میں تو کربلا والوں کے علاوہ تو بہت کم لوگ ایسے نظر آتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۲۹)

محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور جو ان پر ایمان لائے ہیں جو ان کے ساتھی ہیں اگر تم ان کو دیکھنا چاہو تو ان کی صفات یہ ہیں کہ جب دشمن کہ مقابلے پر آتے ہیں تو شدید سخت بن کے اور جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو مہر و محبت کی تصویر ہوتے ہیں۔

اور اقبالؔ نے بھی اس آیت کی تشریح اپنے شعر میں یوں کی ہے ؎

ہو حلقۂ یاراں تو بہ ریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

یعنی جب باطل کے مقابلے پر جاؤ تو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ اور جب اپنے حلقے میں ہو تو تم سے نرم، شفیق اور محبت کرنے والا کوئی نہ ہو۔

کربلا میں جو بھی حُسینی کردار تھے سب کے سب اسی آیت کی تصویر نظر آ رہے تھے۔ حسینؑ کے انصار سب ستاروں کے مانند اور ان میں بھی سب سے نمایاں علیؑ کا چاند۔ فقط علیؑ کا چاند نہیں بلکہ ہاشمیوں کا چاند۔ قمر بنی ہاشمؑ جسے بڑے ارمانوں سے علیؑ نے پرورش کیا تھا۔ جوان کیا تھا۔ عباسؑ کی تربیت کا کتنا خیال تھا؟ وہ عباسؑ جسے علیؑ ایک خاص سانچے میں ڈھال رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کس دور کا واقعہ ہے لیکن قرائن یہی بتاتے ہیں کہ یہ مولائے کائناتؑ کی ظاہری خلافت کا زمانہ ہے۔ اس وقت جناب عباسؑ کم سن نہیں ہوں گے کیونکہ جناب عباسؑ نے جنگ میں شرکت کی ہے، جمل و صفین میں بھی اور نہروان میں بھی اس لئے یقیناً پندرہ سولہ سال کے تو ہوں گے۔ قرائن یہی بتاتے ہیں اس لئے بھی کہ اس سے پہلے حالات نے مولاؑ کو خطبے دینے کی مہلت ہی کہاں دی؟ فرصت ہی کب تھی کسی کے پاس خطبہ سننے کی؟ خطبہ سنتا کون؟ تو آپؑ کی ظاہری خلافت کے دور کا ہی خطبہ لگتا ہے بات کو آگے بڑھانے کے لئے جس کا میں سہارا لینا چاہتا ہوں۔

مولاؑ خطبہ دینے میں مصروف ہیں یقیناً سب بیٹھے ہوئے ہوں گے اور سب بچے جوان ہیں۔ قرائن یہی بتاتے ہیں کہ سب بچے جوان ہیں۔ قنبر بھی موجود ہیں وہاں جناب سید الشہداءؑ کو پیاس کی شدت نے تڑپایا ہوگا۔ اس وقت پانی طلب کیا ہے اور جناب عباسؑ سب سے پہلے دوڑتے ہوئے گئے ہیں۔ جناب عباسؑ پانی لے کر آئے ہیں، پانی چھلک رہا ہے۔ خوشی خوشی پانی لے کر آ رہے ہیں۔

جس روایت میں اس واقعے کو بیان کیا گیا ہے وہ روایت کہتی ہے کہ مولائے کائناتؑ نے یہ منظر دیکھا تو آپؑ منبر سے اتر آئے، زار و قطار رو رہے ہیں۔ منبر سے اترے اور عباسؑ کو سینے سے لگا لیا۔ لوگ حیران ہو گئے۔ مولاؑ اس میں بھلا رونے کی کیا بات ہے، آپ گریہ وزاری کر رہے ہیں، عباسؑ تو خدمت کر رہے ہیں حسینؑ کی؟ کہا جو میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں دیکھ سکتے۔ وہ تم نہیں سمجھ سکتے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میرا عباسؑ، حسینؑ کے بچوں کے لئے پانی لانے کی

کوشش کرے گا، پانی بہہ جائے گا اور میرے عباسؑ کے بازو قلم ہو جائیں گے۔

مسجد کوفہ میں گریہ وزاری کا طوفان برپا ہو گیا۔ علیؑ نے کربلا کے مصائب پڑھ دیئے۔ میں نے کہا کہ اگر یہ ذکر بعد میں ایجاد ہوا ہوتا پھر تو دنیا روک سکتی تھی لیکن یہاں تو صورتِ حال یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے رونما ہونے سے پہلے خدا کا رسولؐ مجلس کرتے ہیں، مادرِ حسینؑ مجلس کرتی ہیں۔ ابوترابؑ مجلس کرتے ہیں اور واقعات بتاتے ہیں تو اس لئے یہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ اس ذکر کو روکے۔

یہ ذکر خدا کا عطیہ ہے اس ملت کے لئے، جس ملت کو اس نے، اس قابل سمجھا، اس ملت کو یہ نعمت دے دی۔ ہمارے لئے ذکرِ حسینؑ نعمت ہے؟ اس لئے کہ اگر آپ سے یہ ذکرِ حسینؑ سے لیا جائے تو آپ کے پاس بچا کیا؟ کیا بچا، بتایئے! اگر ذکر حسینؑ لے کر آپ کو اگر پوری دنیا بھی دے دی جائے تو خدا کی قسم فقط حیوانیت بچے گی اور کچھ نہیں بچے گا۔

یہ ہم سے پوچھو ہم تمہیں بتائیں گے کہ ذکرِ حسینؑ کیا ہے؟ یہ مصیبت نہیں ہے بلکہ اللہ نے کائنات میں اگر کوئی نعمت ہمیں دی ہے تو وہ ذکرِ حسینؑ ہے۔ ہم تو یہ سوچتے ہیں کہ اگر ذکرِ حسینؑ ہمیں نہ ملتا تو ہمارا حشر کیا ہوتا؟ تو اللہ جس قوم کو جس قابل پاتا ہے ویسی ہی امانت اس کے سپرد کرتا ہے۔ آپ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی تو خدا نے آپ کے سپرد یہ امانت کر دی۔

تو عزادارانِ حسینؑ! بس یہ عزاداری خدا کی نعمت ہے، خدا کا عظیم عطیہ ہے۔ ایک اور موقع پہ شاید ظاہری خلافت سے پہلے کا دور ہے۔ کیوں کہ جناب عباسؑ کا اس روایت میں جو سن ملا ہے وہ نو دس سال کا ہے لیکن کیوں کہ قد و قامت شروع ہی سے بلند ہے تو نو دس سال کے سن میں چودہ پندرہ سال کے نظر آتے ہوں گے۔ جناب علیؑ لے کر گئے جناب عباسؑ کو اس باغ میں جس میں آپؑ مزدوری کرتے ہیں۔ اس باغ کے آثار بھی ابھی تک مدینے میں موجود ہیں۔ خدا آپ کو ایک ایک آثار اور مقام اہل بیتؑ کی زیارت کرائے۔ (آمین) آثار موجود ہیں، وہ باغ موجود ہے کہ جہاں مولائے کائناتؑ مزدوری کیا کرتے تھے، وہاں لے کر گئے اور جناب عباسؑ کو ایک مقام پر

کھڑا کر دیا کہ بیٹا جب تک میں واپس نہ آجاؤں کسی کو اس راہ گذر سے گذرنے مت دینا، جناب عباسؑ خوش ہو گئے کہ آج بابا نے مجھے کوئی ذمہ داری سونپی ہے۔

پہرہ دے رہے ہیں، کچھ دیر گذری، دیکھا کہ کوئی سوار چلا آرہا ہے اور رخ بھی ادھر ہی ہے۔ اس کو آواز دی بھائی وہیں ٹھہر جا۔ اگر تیرا ارادہ اس راہ گذر سے گذرنے کا ہے تو دوسری طرف سے چلا جا، بابا نے ادھر سے گذرنے سے منع کیا ہے۔ وہ چلا آرہا ہے، سُن نہیں رہا، قریب پہنچا تو عباسؑ نے لگام پہ ہاتھ ڈال دیا۔ اچھا سوار نے اپنے عمامے کی تحت الحنک کو اس طرح چہرے پر ڈالا ہوا ہے کہ پورا چہرہ ہی چھپ گیا۔ عمامہ پیشانی پر آیا ہوا ہے۔ پیشانی بھی پوری نظر نہیں آتی صرف دو آنکھیں نظر آرہی ہیں۔

اب عباسؑ بھی کم سن ہیں، لگام پہ ہاتھ ڈال دیا۔ کہا تو نے سنا نہیں میں تجھ سے کیا کہہ رہا ہوں؟ یا تو انتظار کر میرے بابا کے آنے کا ورنہ کسی دوسرے راستے سے چلا جا۔ آنے والا کسی اور ارادے سے آیا ہے اترا اور اس نے تلوار نکال لی۔ عباسؑ نے بھی شمشیر نکالی اور کہا ٹھہر جا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ پہلے اپنا تعارف کراؤں کہ میں کون ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تو بے خبری میں میرے مقابلے پر آجائے۔ جانتا ہے میں کون ہوں؟ میں علیؑ کا بیٹا عباسؑ ہوں۔ میں عباسؑ ابن ابوترابؑ ہوں۔

آنے والے نے تو حملہ بھی کر دیا۔ عباسؑ نے بھی جواب میں شمشیر چلانی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر تو عباسؑ شمشیر چلاتے رہے تھوڑی دیر کے بعد عباسؑ کو احساس ہوا کہ یہ آنے والا کوئی غیر معمولی آدمی ہے۔ یہ کوئی عام شمشیر زن نہیں ہے۔ کچھ دیر کے بعد جب تلوار چلا چلا کے کم سن عباسؑ کے بازو شل ہونے لگے تو عباسؑ کہتے ہیں بھائی تو اپنا تعارف تو کرا کہ تو کون ہے؟ تو تو بالکل ایسے تلوار چلا رہا ہے جیسے میرے بابا تلوار چلاتے ہیں۔

بس عزادارانِ حسینؑ! ادھر عباسؑ نے اپنی عاجزی کا اظہار کیا ادھر آنے والے نے تلور پھینکی اور عباسؑ کو گلے سے لگا لیا۔ عباسؑ، عباسؑ کسی اور سے نہیں اتنی دیر تو اپنے بابا علیؑ سے مقابلہ کرتا

رہا۔کوئی اور نہیں عباسؑ میں ہوں بس اب مجھے اطمینان ہوگیا کہ تو کربلا میں میری نیابت کرے گا۔ یہ ہے مقصد خلقتِ عباسؑ۔کربلا کے لئے خلق ہوا ہے عباسؑ۔علیؑ نے کربلا کے لئے مانگا ہے۔

جناب عقیل کو جب رشتے کے لئے بھیجا تو یہی کہا کہ ایسے بہادر قبیلے کی عورت ہونی چاہیے جس سے ایسا فرزند ہو جو کربلا میں حسینؑ کے دفاع کے وظیفے کو انجام دے سکے، حسینؑ کے کام آسکے۔یہ ہے عباسؑ، جس کی ماں نے جب دہلیز خانہء زہراؑ پر قدم رکھا تھا تو قدم نہیں رکھا تھا بلکہ پہلے پیشانی رکھی تھی اور شہزادوں، شہزادیوں کے قدموں میں بیٹھ کر ام البنینؑ نے یہ عرض کی تھی کہ اے شہزادو، شہزادیو! میں ماں بن کر نہیں بلکہ ادنیٰ سی کنیز بن کر آئی ہوں۔تو اسی ماں کے رحم مبارک سے جنم لینے والا بیٹا کیسا ہوگا کہ جس کی ماں نے اسے اپنے دودھ میں غلامی حسینؑ کا درس گھول کر پلا دیا ہو، وہ عباسؑ کیسا ہوگا؟

روایتیں کہتی ہیں کہ عباسؑ نے کبھی شہزادیوں کو سر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ارے شہزادیوں کو تو کجا کبھی عباسؑ نے حسینؑ کے سامنے نگاہیں بلند نہیں کیں۔کیوں؟ اس لئے کہ یہ میرا آقا ہے اور میں اس کا غلام ہوں۔ایسا درس دیا تھا ماں نے اپنے بیٹے کو غلامی حسینؑ کا۔

یہ سارے درس گھوم رہے ہیں عباسؑ کے ذہن میں اور کربلا میں ایک موقع ایسا آیا کہ ثانی زہراؑ کے سامنے عباسؑ سر جھکائے ہوئے آئے اور اذن وغا طلب کیا۔میدان میں جانے کی اجازت طلب کر رہا ہے عباسؑ۔مولاؑ سے تو اجازت مل چکی اے شہزادی آپ بھی اجازت دے دیجئے، میں آخری سلام کے لئے آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔

زینبؑ کو کتنا مان ہے عباسؑ پر؟

زینبؑ نے عباسؑ کو دیکھا اور کہا عباسؑ جا رہے ہو؟ اچھا جاؤ زینبؑ روکے گی نہیں تمہیں لیکن میری ایک بات سنتے جاؤ۔میں مدینے میں سنا کرتی تھی کہ واقعہ کربلا ہوگا۔میرا بھائی حسینؑ قتل کر دیا جائے گا۔مال واسباب لوٹ لیا جائے گا۔میرے سر سے چادر کھینچ لی جائے گی اور میرے بازوؤں میں رسی بھی باندھی جائے گی۔عباسؑ جب یہ باتیں میں سنا کرتی تھی تو میں تیرے

چہرے کی طرف دیکھا کرتی تھی۔ جانتے ہیں کتنا فرق ہے ثانی زہراؑ کے سن میں اور جناب عباسؑ کے سن میں؟ کم سے کم اٹھارہ سے بیس سال کا فرق ہے۔ اتنی بڑی ہیں جناب زینبؑ، جناب عباسؑ سے۔

تو میں اپنے بھائی عباسؑ کو دیکھتی تھی اور سوچا کرتی تھی کہ جس کا ایسا بھائی ہو، کسی کی جرأت ہے کہ اس کے سر سے چادر کھینچے؟ اس کے بازوؤں میں رسی باندھے؟

عزاداران حسینؑ! بس میں نے ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ زینبؑ کو اتنا مان کیوں تھا؟ عباسؑ کا سن ہے چار یا پانچ سال جناب زینبؑ ہیں بائیس یا تئیس سال کی۔ اس وقت کا میں نے ایک واقعہ پڑھا تھا ایک روایت دیکھی تھی کہ جب شہزادیاں جناب زینبؑ اور جناب ام کلثومؑ قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے نکلتی تھیں تو جتنے بھائی تھے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتے تھے، حلقے میں لے کے چلتے تھے اور اس حلقے میں شہزادیوں کے آگے آگے چھوٹا سا عباسؑ ایک ننھی سی تلوار لے کر چلتا تھا اور ننھے عباسؑ کی زبان پر یہ جملے ہوتے تھے کہ مدینے والو! اپنی آنکھیں بند کرلو۔ اے مدینے والو! اپنے دروازے بند کرلو شہزادیاں قبر رسولؐ کی زیارت کے لئے جارہی ہیں۔ شہزادیاں بقیع کی زیارت کے لیے جارہی ہیں تو زینبؑ کو کیوں نہ مان ہو اپنے اس بھائی پر جس کی محبت اور وفا کا یہ انداز ہو؟

جناب زینبؑ نے کہا کہ عباسؑ اب تو تم جارہے ہو ناں تو اب مجھے یقین ہے کہ میرے سر سے چادر بھی کھینچ لی جائے گی اور میرے بازوؤں میں رسن بھی بندھے گی۔ عباسؑ کیسی ڈھارس ہے کربلا کی کہ جب اجازت طلب کی تھی حسینؑ سے تو دو جملے کہئے تھے کہ عباسؑ سے کہ عباسؑ جانتے ہو ناں کہ تمہارا علم ان بیبیوں اور بچوں کے لئے کتنی بڑی ڈھارس ہے؟ ان کو کتنا حوصلہ ہے تم سے؟ جب کسی شہید کی لاش آتی تھی تو بیبیاں اور بچے علم کو دیکھا کرتے تھے تو تسلی ہو جاتی تھی کہ ابھی علم دار موجود ہے، ابھی عباسؑ موجود ہے۔ ابھی کوئی پروا نہیں لیکن عزاداران حسینؑ! ایک وقت وہ آیا کہ جب عباسؑ نے گھاٹ پر قبضہ کرلیا اور اپنے گھوڑے کو نہر میں اتار دیا پانی مشکیزے میں بھر

لیا اور اپنے رہوار کو اشارہ کیا کہ تو بھی پانی پی لے۔ عباسؑ کا رہوار ہے ناں اس نے پانی سے منہ پھیر لیا، عباسؑ نے چلو میں پانی لیا۔ کوئی کہتا ہوگا تو کہے، پانی لبوں تک لائے، سکینہؑ کی پیاس یاد آئی تو پانی کو پھینک دیا مگر میں یہ نہیں کہتا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ عباسؑ.....عباسؑ ہے۔ عباسؑ نے چلو میں پانی لیا اور فرات کے منہ پر مار دیا اور کہا کہ یہ دیکھ علیؑ کا لال ایسے قبضہ کرتا ہے گھاٹ پر اور میرا یہ قبضہ کچھ دیر کے لئے نہیں ہے، اب قیامت تک تیرے کنارے پر میرا علم لہرائے گا۔

اے آقا عباسؑ! فقط فرات کے کنارے تک نہیں

اے آقا عباسؑ! تو نے اپنے عہد کو پورا کیا یہ تیرے غلام اپنے عہد کو پورا کر رہے ہیں
جہاں جہاں یہ جائیں گے
دنیا کے کونے کونے میں تیرے علم کو یہ لہرائیں گے
یہ بچے اپنے عہد کو پورا کریں گے

عباسؑ نے فرات کو مخاطب کر کے کہا ہوگا کہ اب قیامت تک تیرے گھاٹ پر میرا قبضہ رہے گا۔ عباسؑ واپس پلٹے، چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور حکم ہوا کہ تیروں کی بارش کرو کسی بھی حال میں پانی خیموں میں نہ جانے پائے۔ حسینؑ دور کھڑے ہیں اور نظریں علم پر ہیں۔ علم پہلے تیزی سے خیمہ گاہ کی طرف بڑھنا شروع ہوا پھر اس کی رفتار کم ہوگئی۔ پھر حسینؑ نے دیکھا کہ علم ایک طرف ٹھہر گیا ہے، کچھ دیر کے بعد علم جھکا لیکن پھر اٹھ گیا۔ حسینؑ سمجھ گئے کہ میرا شیر مشکل میں آ گیا۔ میرے شیر کا بازو قلم ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد علم پھر جھکا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر اٹھ گیا۔ حسینؑ نے ایک آہ کھینچی، ہائے میرے عباسؑ کا دوسرا بازو بھی قلم ہو گیا، کچھ دیر کے بعد علم پھر جھکا، عزاداران حسینؑ پھر تیسری بار علم جھکا تو اٹھ نہ سکا۔ حسینؑ نے کمر تھام لی۔ عباسؑ.....اے عباسؑ! میری کمر ٹوٹ گئی.....عباسؑ، حسینؑ کی کمر ٹوٹ گئی۔

عزادارو! کیا ہوا عباسؑ کے ساتھ، ایک بازوَ قلم ہوا پھر دوسرا بازو بھی قلم ہو گیا۔ کیسے جنگ کرتا؟ کیسے علم کو سنبھالتا؟ کیسے مشکیزے کو سنبھالتا؟ علم بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ بس مشکیزے پر جھک گیا تھا

عباسؑ کہ کسی طرح پانی محفوظ رہ جائے۔گھوڑے کو ایڑھ لگانی شروع کی۔اے میرے رہوار! بس کسی طرح مجھے خیمے تک پہنچادے۔اس کے بعد تجھے کوئی زحمت نہیں دوں گا میرے مولاؑ کے بچے پیاسے ہیں۔

عزاداران حسینؑ! رہوار آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔عمر سعد نے حرملا کو طلب کیا، حرملا دیکھ! جب تک مشکیزہ سلامت ہے کوئی طاقت عباسؑ کو آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ارے ایسا کام کر کہ مشکیزے کا پانی بہہ جائے۔حرملا کہتا ہے میں نے تیر چلّے میں کھینچا۔عباسؑ کے قریب آیا ارے تیر لگاؤں تو کہاں لگاؤں۔عباسؑ مشک پر اس طرح چھا گیا تھا کہ جتنے تیر مارتے جاتے تھے سب عباسؑ کے جسم میں پیوست ہوتے جاتے تھے۔حرملا کہتا ہے میں نے عباسؑ کے گرد چکر کاٹا۔میں نے عباسؑ کے گھوڑے کا طواف کیا پہلو میں ایک گوشہ خالی نظر آیا میں نے قریب سے اپنا آہنی تیر جو مارا تو مشکیزے کو چھوتا ہوا عباسؑ کی پسلیوں میں پیوست ہو گیا بس اس تیر کا لگنا تھا کہ عباسؑ کی فریاد بلند ہوئی۔وامصیبت..... ہائے عباسؑ کی مصیبتا..... ہائے عباسؑ کی مصیبت۔

ارے عباسؑ نے جو فریاد بلند کی وہ تیر کے پسلیوں میں لگنے کی وجہ سے نہیں۔ارے مشکیزے کا پانی بہہ گیا۔عباسؑ کے ارمان بہہ گئے۔عباسؑ کی آرزوئیں بہہ گئیں۔

عزاداران حسینؑ! بس مشکیزے میں تیر کا لگنا تھا کہ عباسؑ نڈھال ہو گئے اور اپنے رہوار سے کہنے لگے کہ اے میرے رہوار! اب خیموں کی طرف کہاں جاتا ہے اب واپس چل۔ارے پانی ہی نہ رہا، اور میرے بازو بھی نہیں رہے کہ میں اب دوبارہ پانی لانے کی کوشش کروں۔

مصائب کا وہ ٹکڑا بھی سن لو کہ عباسؑ نے کہا کہ میری یہ مصیبت تو پڑھا کرو کہ کربلا میں میں تنہا تھا اس مصیبت میں۔ارے مولاؑ! وہ کون سی مصیبت تھی کہا سنو! جب میرے دونوں بازو کٹ چکے تھے، جب مشکیزے کا پانی بہہ چکا تھا۔چاروں طرف سے تیر سنناتے ہوئے آرہے تھے اور میرے جسم میں پیوست ہو رہے تھے۔ایک ملعون نے تیر مارا جو میری آنکھ میں پیوست ہو گیا مجھے بڑی اذیت ہوئی، میں نے سر کو جھٹکا دے کر چاہا کے یہ تیر نکال دوں مگر نہ نکال سکا۔میں نے کٹے ہوئے

بازوؤں سے چاہا کہ اس تیر کو کھینچ لوں مگر نہ نکل سکا۔ میں نے ساری قوت جمع کی اپنے زانوؤں کو فضا میں بلند کیا اور تیر کو زانوؤں کے درمیان لے کر کھینچ کر نکالنا چاہا کہ ایک ملعون نے ایسا گرز مارا کہ میں گھوڑے سے نیچے آ رہا۔

اے ذاکر حسین! کربلا کا جو شہید گھوڑے سے گرتا تھا ارے فطرت انسانی کا تقاضا ہے کہ جب انسان بلندی کی طرف سے زمین پر آتا ہے تو ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے ارے جب میں گھوڑے سے نیچے آیا تو بازو بھی نہ تھے اس طرح سر کے بل گرا کہ سارے تیر میرے بدن میں پیوست ہو گئے۔

اَلا لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ

نویں مجلس

أَعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى
أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا وَ نَبِيِّنَا اَبِى الْقَاسِمِ
مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِينَ الْمَعْصُومِينَ وَ لَعْنَةُ اللّٰهِ
عَلٰى اَعْدَائِهِمْ أَجْمَعِينَ مِنَ الْآنَ اِلٰى قِيَامِ يَوْمِ الدِّيْنِ
أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعالٰى فِى كِتَابِهِ الْمُبِيْنِ وَ هُوَ أَصْدَقُ
الْقَائِلِيْنَ وَ قَوْلُهُ الْحَقّ.
بِسْمِ أللّٰهِ ألرَّحْمٰنِ ألرَّحِيْمْ

أَلَّذِىْ اَحْسَنَ كُلَّ شَىْءٍ خَلَقَهُ وَ بَدَءَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ. ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَاءٍ مَّهِيْنٍ ثُمَ سَوَّيهُ وَ نَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهِ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ وَ الْأَفِئِدَةَ قَلِيْلًا مَّاتَشْكُرُوْنَ (السجده ۷ ،۸، ۹)

شب عاشور سے لے کر عاشور تک، سوائے غم حسینؑ کے کوئی غم نہیں منانا چاہیے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ ہم پر کوئی بھی مشکل ہو، مصیبت ہو، غم ہو، خدا تمام مومنین کے گھروں کو سلامت رکھے لیکن اگر کہیں موت بھی ہو جائے تو تدفین کا عمل عاشور کا دن گذار کر ہی کیا جاتا ہے لیکن اگر کوئی

خدمتِ حسینؑ کرتا ہوا، ذکرِ حسینؑ کرتا ہوا، انہی تاریخوں میں، انہی ایام میں منبر سے رخصت ہو جائے، تو اس کو یاد کرنا بہت ضروری ہے۔

آپ کے لئے ایک بہت ہی افسوس ناک خبر یہ ہے کہ عالم اسلام، بالخصوص عالم تشیع اور بالالخص برصغیر کے ایک عالمِ حقیقی، عالمِ باعمل جن کی دین کے سلسلے میں، تشیع کے سلسلے میں خدمات نصف صدی پر محیط ہیں، میری مراد جناب علاّمہ ذیشان حیدر جوادی صاحب اعلی اللہ مقامہ سے ہے جو ابوظہبی میں مجلس پڑھتے ہوئے ہم سے بچھڑ گئے۔ آج وہاں عاشور کا دن تھا، وہ عاشور ہی کی مجلس پڑھتے ہوئے ہم سے رخصت ہو کر کربلا والوں کے ساتھ ملحق ہو گئے۔ پروردگار عالم یقیناً انھیں شہدائے کربلا کے ساتھ محشور فرمائے گا۔ ان شا اللہ

میں عاشور کے بعد ان کی خدمات پر روشنی ڈالنا اپنے فرائض منصبی میں سے خیال کرتا ہوں لیکن اس وقت آپ سے بس یہی درخواست کروں گا کہ آپ علاّمہ ذیشان حیدر جوادی صاحب کے لئے ایک سورہء فاتحہ پڑھ کر بخش دیجئے۔

دو چار جملے اور بھی آج کی مجلس کے لئے ضروری سمجھتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ راتیں ایسی نہیں ہیں کہ انسان شکریہ اور دوسری ایسی چیزوں کا تذکرہ کرے۔ فرش عزاء کی اگر کوئی خدمت کرتا ہے، یہ فرش عزا کیوں کہ کسی ایک شخص کی خدمات کا مرہون منت نہیں ہوا کرتا کہ فقط پڑھنے والے یا سننے والے سے اس کی زینت ہوتی ہو، نہیں بلکہ ایک فرش عزاء بچھانے کے لئے بہت سارے لوگ مل کر کام کرتے ہیں۔ بہت سارے لوگوں کا برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ چپلیں سیدھی کرنے والے سے لے کر آڈیو وڈیو بنانے والے ہوں، پانی پلانے والے ہوں یا کسی بھی طرح سے دوسری خدمات انجام دینے والے ہوں، یہ سب کے سب شریک ہوتے ہیں تو آپ کے لئے فرش عزاء بچھتا ہے، آپ آ کے بیٹھتے ہیں اور میں بیان کرتا ہوں یعنی سب چیزیں بنی بنائی ہمیں ملتی ہیں، ان کو بنانے میں بہت سے لوگ زحمتیں برداشت کرتے ہیں۔ تو میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ان نوجوانوں کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اسکاوٹس یہاں رات دن زحمتیں کرتے رہے، انتظامات کرتے رہے اور

ان انتظامات میں مزاج کے مطابق اپنی قوم کے افراد کی باتیں بھی سنتے رہے۔ ڈانٹیں بھی کھاتے رہے ہیں حالانکہ وہ بے چارے انہی کی خدمت انجام دیتے ہیں، انہی کے لئے انتظامات کرتے ہیں اور انہیں سہولتیں مہیا کرتے ہیں اور پھر جو سپاہی یہاں پر تعینات، رہے چاہے وہ پولیس کے ہوں، ٹریفک کے ہوں، رینجرز کے ہوں، ان تمام سپاہیوں کی خدمت میں یہی عرض کرسکتا ہوں اور ہر سال یہی عرض کرتا ہوں کہ نہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرنے کے قابل ہیں، نہ ہم آپ کو اس کا کوئی اجر دے سکتے ہیں لیکن آپ یقین رکھیئے کہ آپ نے نواسہء رسولؐ کا فرش عزاء بچھانے میں تعاون کیا ہے، زحمت کی ہے آپ کو یقیناً زحمت اٹھانی پڑی ہے میں تو یہی دعا کرتا ہوں، آپ بھی یہی دعا کیجئے اور یہی یقین رکھیئے کہ جس جس نے خلوص سے اس عزاداری کی خدمت کی ہے، ذکر حسینؑ کو زندہ رکھنے کے لئے خدمت کی ہے، مادرِ حسینؑ اس کو اجر دیں گی اور میں آپ لوگوں کی سلامتی کے لئے بھی دعا کرتا ہوں اور یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ پروردگار عالم کے فضل سے اس ملک میں ایسا ماحول اور ایسا امن وامان قائم ہو جائے کہ آپ کو یہ زحمتیں ہی نہ اٹھانی پڑیں۔

ہماری بھی مجبوری ہے، آپ کی بھی مجبوری ہے، ماحول کی بھی مجبوری ہے ورنہ کس کا دل چاہتا ہے کہ یہ ماحول رہے لیکن آپ نے جس احسن طریقے سے اپنی ڈیوٹی انجام دی، خدا کی بارگاہ میں آپ کی زحمت قبول ہو کیوں کہ آپ نے خدا کے رسولؐ کے نواسے کے ذکر کو آباد کرنے میں زحمت اٹھائی ہے، یہاں سخت ڈیوٹیاں انجام دیں ہیں، ہمیں اس کا احساس ہے خدا کی بارگاہ میں ان شاء اللہ یہ ڈیوٹی اگر کوئی عبادت سمجھ کر کرے تو ویسے ہی عبادت ہے، اگر انسان ڈیوٹی سمجھتا ہے تب بھی جس ادارے میں کام کر رہا ہے اس کا کام ایمان داری سے انجام دینا شرعاً عبادت کہلاتا ہے اور آپ نے تو ڈبل عبادت کی ہے ایک تو آپ کی ڈیوٹی اور دوسرے فرزند رسولؐ کا ذکر، خدا آپ کی اس عبادت کو قبول فرمائے۔ (آمین)

عزیزانِ محترم! مجھے آج اپنے بیان کو سمیٹنا ہے یعنی مرکزی خیال کو آج آپ کے سامنے مربوط کر کے پیش کر دینا ہے کہ میرا مقصد کیا ہے، میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوا یا نہیں یا کس حد

تک کامیاب ہوا؟ یہ الگ بات ہے۔آپ نے میری بے بضاعتی اور کم علمی کو بھی پیش نگاہ رکھا ہوگا، حالات کو بھی پیش نظر رکھا ہوگا جس کی وجہ سے کبھی کبھی اِدھر اُدھر ہو جانا پڑتا تھا۔ان حالات میں میں نے بڑی کوشش کی تھی کہ جو مرکزی فکر ہے اس کو پیش کر دیا جائے آج کیونکہ آخری مجلس ہے لہٰذا آج ہم اپنی بات کو مکمل آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔آج کی شب جناب شہزادہ علی اکبرؑ کے مصائب سے بھی مخصوص ہے۔مرکزی فکر جس کے تحت ہم نے ''ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار'' جس موضوع کو معین کیا تھا اس کا بھی جائزہ لیں گے کہ ہم پیغام پہنچانے میں کامیاب ہوئے یا نہیں؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔لیکن فکر یہ تھی کہ ایک ہے ارتقائے مذہب اور ایک ہے دین کو آگے بڑھانا۔اگر انسانیت کی بات آجائے تو کینوس ذرا وسیع ہو جاتا ہے اور اس میں اور بھی چیزیں شامل ہو جاتی ہیں۔

بنیادی فکر ہر نبیؑ، ہر پیغمبرؑ، یہی لے کے آتا رہا
جیسا کہ میں نے آپ کے سامنے مثال بھی دی تھی کہ
مذہب تو باقی رہ جاتا تھا
لیکن انسانیت ختم ہو جاتی تھی
خدا کا ذکر باقی رہ جاتا تھا
مگر انسانیت ختم ہو جاتی تھی
دین میں یہ تحریفات اسی سبب سے ہوتی رہیں
لہٰذا یہ اہتمام کیا گیا تھا
کہ دین کو ہر ممکن کوشش کر کے تحریفات سے بچائیں
اور یہ اہل بیت علیہم السلام کی ذمہ داری تھی
وہ جانتے تھے کہ کوشش کے باجود بھی تحریفات تو ہوں گی
تاویلات تو پھر بھی ہوں گی

انحرافات کے راستوں پر تو لوگ پھر بھی جائیں گے

اور جا رہے ہیں

اپنی اپنی مرضیاں تو لوگ دین میں داخل کرنے کی کوشش پھر بھی کریں گے

کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے

لیکن ایک راستہ ایسا ہونا چاہیے

ایک فکر ایسی ہونی چاہیے

کہ اگر کوئی حق کا متلاشی ہو

یا جو حق تک پہنچنا چاہتا ہو

تو اس کے لئے ایک راستہ روشن رہنا چاہیے

ان تحریفات

ان تاویلات

ان انحرافات

کے مقابلے میں اہل بیت علیہم السلام نے اس فکر کو زندہ رکھا

تا کہ نمازیں بھی قائم رہیں

روزے بھی قائم رہیں

مگر اسی کے ساتھ انسانی ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش بھی جاری رہے

کبھی مظلومیت کے ذریعے

کبھی ظلم سہہ کر

کبھی گھر میں بیٹھ کر

کبھی میدان جنگ میں نکل کر

انسانی ضمیر کو بیدار رکھنے کی کوشش جاری رہے

بنیادی فکر جو تھی

جس فکر کو اہل بیتؑ پیش کر رہے تھے

وہ تھی انسان کی چھپی ہوئی انسانیت کو بیدار کرنے کی کوشش

تا کہ اس کا انسان بیدار ہو جائے

ہر مقام پر

دیکھئے جنگ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کو زخم لگتے ہیں

وہ چاہتا ہے کہ کب مجھے موقع ملے

اور کب میں اپنے مخالف سے اپنے زخموں کا بدلہ لوں

لیکن ہمیں صرف اہل بیت علیہم السلام کی زندگی میں یہ بات ملے گی

کہ چاہے حالت جنگ ہو

چاہے حالت امن ہو

چاہے دوست ہو

چاہے دشمن

ایک فکر کو دلوں میں اتارا

اور جہاں جہاں زمین ہموار تھی

وہاں وہاں یہ فکر اترتی چلی گئی۔ آپ دیکھئے کہ شب عاشور رات بھر میں لوگوں کی تقدیریں بدلتی چلی گئیں۔ رات بھر میں جانے والے جہنم کے راستے کی طرف بھی چلے گئے اور جس نے توفیق الٰہی پالی، رات بھر میں وہ حیوانوں اور درندوں کا ساتھ چھوڑ کے انسان بن گئے، حق کی طرف آ گئے۔ دیکھئے راستے کی مثال دے رہا ہوں کہ جب جناب سید الشہداءؑ مکہ سے عراق کے راستے میں تھے تو حُر نے ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ امامؑ کا راستہ رُوکا تھا اور اس حالت میں روکا تھا کہ باقی باتیں تو بعد میں ہوں گی۔ پہلے میرے پیاسے لشکر کی پیاس بجھائی جائے اور لشکر کس کا

ہے، ظاہر ہے دشمن کا، ابھی تک حُر اِدھر تو نہیں آیا، ابھی تو ابن زیاد کا حکم لے کر آیا ہے، ابھی تک تو شامی فوج کا سالار ہے۔

ایک ہزار سپاہیوں کے ساتھ دشمن نے راستہ روکا ہے اور جناب سید الشہداؑ کے ساتھ عورتیں بھی ہیں، بچے بھی ہیں اور سفر کتنا طے کرنا ہے، ابھی نہیں معلوم، نہیں معلوم سے مراد ابھی طے نہیں ہوا، ابھی تو جاری ہے سفر۔ کتنا سفر طے کرنا ہے، یہ ابھی طے نہیں ہوا۔ دشمن کا لشکر ہے اور پیاسا ہے۔ یہ جو اثرات ہوئے فتح کربلا کے، وہی موجب بنے ان کرداروں کی تخلیق کے۔ اب جناب سید الشہداؑ نے حکم کیا دیا، بتایئے کہ جہاں دو لشکر ایسے مقابل ہوں اور ان میں سے ایک لشکر اپنا سارا زادِ سفر دشمن لشکر کے حوالے کر دے کیا آپ کو ایسی مثالیں ملیں گی؟ اگر عام انسان بھی ہو، اگر اچھا انسان بھی ہو، اگر دین دار بھی ہو، تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا کہ ظلم نہیں کرے گا۔ یہ تو نہیں کرے گا کہ اپنے حق سے بھی دستبردار ہو جائے۔ وہ کہے کہ تمہارا حق تو میں نے چھینا نہیں لیکن میں اپنا حق تمہیں نہیں دوں گا۔ یہ اصول ہے لیکن سید الشہداؑ نے کیا حکم دیا کہ تمام مشکیزوں کے منہ کھول دو، تمام چھاگلوں کے منہ کھول دو اور اس ایک ہزار کے لشکر کو سیراب کر دو، ان کی سواریوں کو بھی سیراب کر دو۔ یہاں تک کہ آپؑ کے کچھ اعوان و انصار نے دبے الفاظ میں یہ بات بھی کہی کہ فرزند رسولؐ! ہمارا سفر بھی بہت طویل ہے اگر یہ سارا کا سارا پانی ہم نے انھیں دے دیا تو خود ہم کیا کریں گے؟

جناب سید الشہداؑ نے یہی جواب دیا کہ اس وقت ان کی ضرورت مقدم ہے گو دشمن ہیں، مگر پیاسے ہیں۔ جناب سید الشہداؑ نے تمام پانی ان کے حوالے کر دیا یہ کردار ہمیں کہیں نہیں ملے گا، یہ پہلا قطرہ تھا اس رحمت باراں کا، اس رحمت کی بارش کا جو حُر اور اس کے چند سپاہیوں پر گرے تھے۔

ایک اور بات شاید آپ کے لئے نئی بات ہو، یا جو جانتے ہوں انھوں نے منبر سے نہ سُنی ہو۔ یہ بھی عرض کروں گا کہ حُر کیونکہ لشکر کا سردار تھا اس لئے اس کا ادھر آنے کا واقعہ زیادہ مشہور و معروف

ہوالیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ صرف حُر آیا تھا بلکہ چند افراد اور بھی آئے تھے۔ سید مرتضی حسین صدرالا فاضل اعلی اللہ مقامہ، کی کتاب میں بھی واقعہء کربلا کی جو تفصیلات درج ہیں اور مجھے اس پر اس لئے بھی اعتبار بھی ہے کیونکہ اور معتبر کتابوں میں بھی اس حقیقت کا بیان موجود ہے کہ دو چار افراد نہیں آئے تھے بلکہ شب عاشور بارہ سے بیس افراد کا ذکر ملتا ہے جو عمر ابن سعد ابن ابی وقاص کے لشکر سے نکل کر امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں آ گئے تھے لیکن حُر کیوں کہ ایک اہم کردار تھا، سردار تھا، اس لئے اس کا ذکر آپ زیادہ سنتے ہیں۔ کربلا کے سب شہیدوں کے نام تو آپ کو نہیں معلوم فقط چند افراد کا ذکر آپ سنتے ہیں یعنی بہتر اور بہتر بھی عرف میں کہتے ہیں کیوں کہ یہی تعداد شہدائے کربلا کی معروف ہے جب کہ شہداء کی جو فہرست ہے وہ سو سے زیادہ ہے۔

بہتر کے لئے یہ کہا جاتا ہے کہ جو مقابلہ کر کے میدان جنگ میں شہید ہوئے یا ہاشمیوں کے سارے نام مثلاً اولاد عقیلؑ، اولاد جعفر طیارؑ اور اولاد مسلمؑ کے نام ہیں۔ یہ گفتگو میں اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ کو بھی تھوڑی سی تحقیق کی باتیں سننے کی عادت ہو جائے۔ ایسی نئی باتوں کی نہیں کہ جن کا کوئی وجود ہی نہ ہو، جب کہ اس کے تو ہم پہلے ہی بہت عادی ہیں۔

ہم دوسروں کو تو کہتے ہیں مگر ہمارے یہاں بھی کچھ ''فیکٹریاں'' ہیں جو روایات کو گھڑا اور بنایا کرتی ہیں، ایسی روایات بیٹھے بٹھائے جنہیں تخلیق کیا جاتا ہے وہ واقعات جن کا کہیں وجود ہی نہیں مگر میری مراد تو ان واقعات سے ہے جو تاریخ کربلا میں موجود ہیں مگر بیان نہیں کئے جاتے، ان کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں کہ یہ کردار آئے شب عاشور، میں ان کرداروں کو اجاگر کرنا چاہ رہا ہوں کہ کس طرح لوگوں کی انسانیت کو ابھارنے اور نکھارنے کا سید الشہداءؑ اہتمام کر رہے ہیں۔

یہ تیس آدمی، اگرچہ بارہ سے تیس آدمیوں کا ذکر ملتا ہے تو کیوں؟ یہ سب کے سب حُر کے لشکر میں نہیں تھے، جس نے راستہ روکا تھا بلکہ شب عاشور یعنی نو محرم کو جب جنگ کا اعلان کیا گیا تو آپ جانتے ہیں کہ جناب سید الشہداءؑ نے کہا کہ ایک رات کے لئے جنگ کو موخر کر دو یعنی کل تک کے

لئے، میں چاہتا ہوں اور میرا خدا جانتا ہے کہ میں توبہ، عبادت، استغفار اور تلاوت کو کتنا دوست رکھتا ہوں؟ جب کہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مہلت نہیں لی تھی، نہیں مہلت لی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ مہلت لی تھی کیوں؟ اس لئے کہ امام حسینؑ بتانا چاہ رہے تھے کہ اگر اب بھی تم میں کوئی حق کا متلاشی ہے تو سمجھ لے کہ میں نے راستہ کھلا چھوڑا ہے تا کہ حق و باطل میں تمیز کر کے حق کی طرف آجائے۔ اس لئے حسینؑ نے ایک رات کی مہلت لی، تو اس رات کا یہ اثر ہوا کہ جب کچھ سپاہیوں نے دیکھا، غور کیا، عمر ابن سعد اور ابن زیاد کے لشکر کے سپاہیوں نے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ ہم ان پر ہر ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہیں لیکن یہ خدا کی یاد سے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ کو غافل نہیں ہونے دیتے۔

حسینؑ کی اس رات بھر کی عملی تبلیغ نے جس جس کے دل میں بھی ذرا سی انسانیت تھی اس کے ضمیر انسانی کو بیدار کیا۔ یہ افراد نکلے اور حسینؑ کی صف میں شامل ہو گئے۔ یہ کردار ہے اہل بیتؑ کا۔ لاکھوں کروڑوں کی بات نہیں، امامؑ جو مبارزہ کرتا ہے، امامؑ جو جہاد کرتا ہے، وہ ایسا کرتا ہے کہ ایک طرف آپ لاکھوں کروڑوں انسانوں کو کلمہ پڑھوا دیں کہ جی کلمہ پڑھوا دیا، آپ نے اُدھر سے اِدھر کر لیا لیکن اگر ان کی فطرت ہی نہ بدل پائی تو وہ اسلام میں آ کے بھی وہی حرکتیں کریں گے جو زمانہ کفر میں کرتے تھے، جو زمانہ شرک میں کرتے تھے۔ جیسا کہ فتح مکہ کے بعد ہوا کہ کلمہ تو پڑھ لیا لیکن فطرت، جاہلیت پر برقرار رہی۔

کلمہ تو پڑھ لیا

نماز تو پڑھ لی

روزہ تو رکھ لیا

مگر فطرت نہ بدل پائی۔

تو جب فطرت نہ بدل پائی تو جونہی اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں آیا، جیسے ہی وہ مسند اقتدار پر پہنچے وہی کفر کی فطرت عود کر آئی۔ نام کے مسلمان ہو گئے مگر کام کافروں والے برقرار رہے۔

نام اپنے مسلمانوں والے رکھ لئے مگر عادات و اطوار اور فطرت زمانہء جاہلیت اور کفر والی

برقرار رہیں۔ اب ان میں سے جو کوئی بھی انسان تھا، میں نے عرض کیا کہ مجھے جھجک نہیں ہوتی بیان کرنے میں کہ اگر دشمن کے سلب سے بھی کوئی انسان نکلتا ہے، تو ہمیں اس کے کردار پر بھی روشنی ڈالنی ہے۔

دیکھئے! ابوجہل سردار ہے، اسلام کا کتنا بڑا دشمن ہے؟ بہت بڑا دشمن یعنی جو رسالت مابؐ کے زمانے میں اسلام کے بڑے دشمن ہیں ان میں سے بھی ایک بڑا نام ہے عمر بن ہشام جسے حضورؐ نے ابوجہل قرار دیا۔ جنگ بدر میں یہ قتل ہوا، مارا گیا۔ اتنا بڑا سردار، جس کو مسلمان برملا بُرا کہتے ہیں اور رسولؐ انھیں روکتے بھی نہیں لیکن ایک وقت ایسا آیا، ایک لمحہ ایسا آیا کہ رسولؐ نے مسلمانوں سے کہا کہ اس وقت ابوجہل کو بُرا مت کہنا۔

آپ کے سامنے تاریخی واقعہ نقل کر رہا ہوں، کون سا موقع؟ عکرمہ بن ابوجہل اس کا بیٹا، ہر جنگ میں یہ مسلمانوں کے خلاف شریک رہا ہے، ہر جنگ میں لڑا ہے، فتح مکہ کے دن، ابوسفیان کے گھر کو تو رسولؐ نے جائے پناہ قرار دے دیا لیکن عکرمہ ان افراد میں سے ہے جس کے لئے حکم ہے کہ جہاں ملے اس کو قتل کر دو۔ عکرمہ مکہ سے فرار ہو گیا، جدّہ کی طرف کہ ساحل سے کشتی میں بیٹھوں اور فرار ہو جاؤں۔ اس کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا، یہ مسلمان ہو کے پیغمبرؐ کی خدمت میں آئی اور آنے کے بعد کہتی ہے کہ خدا کے رسولؐ میں اپنے شوہر عکرمہ کے لئے پناہ چاہتی ہوں، امان چاہتی ہوں۔ اب یہ اسلام قبول کر چکی ہے اور اپنے شوہر کے لئے امان چاہتی ہے تو رسولؐ نے ایک شرط رکھ دی کہ اگر عکرمہ حالتِ اسلام میں آئے گا تو میں اس کو معاف کر دوں گا۔ اس نے عکرمہ کے تعاقب میں قاصد دوڑائے اور خود بھی گئی۔ ابھی کشتی روانہ ہونے والی ہے کہ عکرمہ کی بیوی پہنچ گئی اور عکرمہ سے کہتی ہے کہ واپس آ جا میں نے تیرے لئے امان طلب کر لی ہے۔

عکرمہ کہتا ہے مجھے اعتبار نہیں، بیوی کہتی ہے کہ میں نے خود رسولؐ سے امان لی ہے۔ یہ سنا تو اس نے کشتی کو واپس کنارے پر لگایا، ٹھیک ہے ایک شرط کے ساتھ، رسولؐ نے کہا ہے کہ اگر تو اسلام کی حالت میں آئے گا تو تیری جان بخش دی جائے گی۔ بس یہ سننا تھا کہ عکرمہ کشتی سے اتر آیا

دوسرے ساتھیوں نے کہا کہ اگر تم گئے تو تمہاری گردن قلم کردی جائے گی۔ عکرمہ کہتا ہے کہ نہیں، اگر رسولؐ نے امان دی ہے کہ کلمہ پڑھ لوں۔ محمد ابن عبداللہؐ نے مجھے امان دی ہے تو مجھے اس کی سچائی پر یقین ہے کہ اگر میں کلمہ پڑھ لوں گا تو وہ میری جان بخش دے گا۔

میں یہ دو کردار کیوں پیش کر رہا ہوں کہ فتح مکہ کے وقت کچھ لوگوں کی فطرت بدلی اور کچھ لوگوں کی فطرت نہیں بدلی۔ کلمہ سب نے پڑھا، کچھ اسی فطرت پر برقرار رہے کچھ نے اپنی فطرت کی اصلاح کی۔ تو اب جب عکرمہ آرہا ہے رسولؐ کی طرف تو ظاہر ہے ابوجہل کا بیٹا ہے اور ابوجہل پر صبح شام لعن طعن ہوتی ہے لہٰذا رسولؐ نے اصحاب کو جمع کیا اور کہا کہ دیکھو خبردار! عکرمہ آرہا ہے، ابوجہل کا بیٹا اور اس حالت میں آرہا ہے کہ اسلام قبول کر چکا ہے دیکھو! اس کے سامنے اس کے باپ ابوجہل کو بُرا مت کہنا ہر چند کہ، بُرا تو وہ ہے، اور قیامت تک رہے گا، جو بُرا ہے وہ بُرا ہی رہے گا لیکن اتنا اشارہ دیا رسولؐ نے کہ دیکھو اُس کے سامنے اُس کے باپ کو برا بھلا مت کہنا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اُس کی دل آزاری ہوگی۔

عکرمہ اب مسلمان ہے، ہوگیا مسلمان لیکن اپنے ماں باپ سے جذباتی لگاؤ تو ہوتا ہے اس لئے اُس کے باپ کو بُرا بھلا مت کہنا کیوں کہ عکرمہ اب اسلام قبول کر چکا ہے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو اس کی دل آزاری ہوگی۔ اب جب عکرمہ نے یہ کردار دیکھا، وہ بھی فتح مکہ کے وقت جب کہ اس کی گردن مارنے کا حکم ہے۔ دوسروں کی گردن مارنے کا حکم نہیں، دوسروں کے گھروں کو پناہ قرار دیا لیکن پیغمبر اسلامؐ یہی دکھانا چاہ رہے ہیں، یہی بتانا چاہ رہے ہیں کہ ان کے گھروں کو پناہ قرار دینا تو کیا میں انھیں کوئی بھی منصب دے دوں، میں مالِ غنیمت میں سے بھی کتنا ہی دے دوں لیکن یہ جس فطرت پر ہیں ان کی فطرت بدلنے والی نہیں اور جس کے خمیر میں تھوڑی سی بھی انسانیت ہو اگرچہ ابوجہل کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، اس پر رسولؐ کے ایک کرم نے اتنا اثر کیا کہ تاریخیں بتاتی ہیں کہ کسی جنگ میں کسی معرکے میں شہید ہوا عکرمہ۔

وہی عکرمہ جو خندق پار کر کے بھی آیا تھا اور مولائے کائناتؑ کے مقابلے سے فرار بھی ہوا تھا۔

تو جو تاریخی حقائق ہیں ہم وہی کچھ بیان کرتے ہیں۔ ہماری کسی سے ضد بحث نہیں ہے۔ ہم یہ بتانا چاہتے ہیں، یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ رسولؐ اور آل رسولؐ کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان تخلیق کر دیئے جائیں۔

اس میں کوئی تمیز نہیں رکھی رسولؐ اور اہل بیت رسولؐ نے کہ ہمارے خاندان کا ہو، ہم پر پہلے ایمان لائے یا ہمارے جان نثاروں میں سے ہو تو اس کی انسانیت کو تو بیدار کریں گے لیکن اگر ہمارا خاندانی دشمن ہو، ہمارے ساتھ جنگوں میں لڑا ہو، تو اس کی نسلوں کو بھی معاف نہیں کریں گے۔ رسولؐ اور آل رسولؐ نے ایسا نہیں کیا۔ اب وہ چاہے مروان کی نسل میں ہی کوئی مومن کیوں نہ نکل آئے تو اہل بیتؑ نے اس کو سینے سے لگایا، اس سے بدلے نہیں لئے کہ تمہارے آباؤ اجداد نے ہمارے ساتھ یہ کیا تھا۔ مولائے کائناتؑ کے اصحاب میں کتنے ہی آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو ماضی میں مختلف کردار کے حامل رہے تھے۔

تو ہمارے مسائل کا حل کیا ہے، اس آخری بات کو ہمیں بھی سمجھنا ہے، ہمارے مسائل کا حل صرف اس میں نہیں ہے کہ ہم یہ باتیں کرتے چلے جائیں۔ یہ ملک، یہ عالم اسلام خصوصیت سے جس تباہی سے دوچار ہے تو جب تک ہم کردار تخلیق نہیں کریں گے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

کیا یہاں نماز نہیں ہو رہی؟

کیا یہاں اذان نہیں ہو رہی؟

کیا عبادتیں نہیں ہو رہی ہیں؟

کیا ہر سال تیس لاکھ مسلمان خانہء کعبہ کا طواف نہیں کر رہے؟

سب کچھ ہو رہا ہے اور کیا چاہیے!

لیکن اس کے باوجود کوئی مانے یا نہ مانے، پست ترین قوموں میں مسلمانوں کا نام ہے

اس کے باوجود دنیا کے مذاہب میں زبوں حالی کا شاہکار ہے اسلام

اس کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں پر اثر انداز ہونے سے قاصر ہے اسلام

آپ کس طرح قائل کریں گے دوسروں کو؟

آپ کس طرح دوسروں کو تبلیغ کریں گے؟

آپ کیسے دوسری قوموں کو جا کے اسلام کا پرچار کریں گے

آپ کے پاس سوائے باتوں کے کچھ نہیں ہے سرکار!

سوائے جمع خرچ کے کچھ بھی تو نہیں ہے

کیوں؟ اس لئے کہ عملی میدان میں آپ خالی ہیں

عملی میدان میں آپ کے پاس وہ کیریکٹر نہیں ہے

جو کیریکٹر انسان کو انسان ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے

انسان بنانے کے لئے ضروری ہے

اس کے حقیقی مسلمان بننے میں

اس کیریکٹر کے نہ ہونے کی وجہ سے

اس کردار کے نہ ہونے کی وجہ سے

نمازیں بھی ہیں

روزے بھی ہیں

حج بھی ہے

ساری عبادتیں ہیں

نہیں ہے تو مسلمان میں سلامتی ہی نہیں ہے باقی سب کچھ ہے

تو اب یہ تاریخی ذمہ داری کسے پوری کرنی ہے؟ جن کے پاس یہ پورا سلسلہ ہے جن کے پاس یہ پورا راستہ ہے۔ ہر امامؑ کی زندگی میں آپ کو ایسے واقعات ملیں گے کہ جہاں انھوں نے اپنے اصحاب وانصار کی شکل میں جاں نثار کرداروں کو تخلیق کیا، ان کا رشد کیا، ان پر محنت کی۔ انسان

ساز تھے یہ لوگ، انسانوں میں انسانیت کی تشکیل کیا کرتے تھے، انسان بناتے تھے۔

ہجوم، فوجیں اور لشکر اکھٹے نہیں کیے بلکہ انسانوں کو تخلیق کیا، کرداروں کو تخلیق کیا، کس کے مقابلے میں کہ اگر دنیا تلاش کرنا چاہے کہ حقیقی اسلام کیا ہے اور حقیقی اسلامی کردار کیا ہے؟

تو ایسا نہ ہو کہ انھیں عام انسانوں میں کوئی کردار ہی نہ ملے

آج کے دور میں بھی اس کردار کی حفاظت کرنا اور وہ انسانی کردار پیش کرنا کس کی ذمہ داری ہے؟ عزیزو! وہ ذمہ داری ان کی ہے جو اہل بیتؑ سے محبت کے دعوے دار ہیں، جو اہل بیتؑ سے اپنے رشتے کو جوڑتے ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اس کردار کو پیش کریں۔

گفتگو کا خلاصہ پیش کر رہا ہوں۔

یہ مسائل، مشکلات اور مصائب، نظریات کو ختم نہیں کرتے، یہ مکاتب کو ختم نہیں کرتے، جسم ختم ہو جاتے ہیں، روحیں جسموں سے نکل جاتی ہیں، کردار تاریخوں میں باقی رہ جاتے ہیں۔ ان کرداروں کا ذکر سنتے ہیں لوگ اور ان کرداروں کے سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اب یہ محرم

یہ انسان سازی کا مہینہ ہے

صفر، انسان سازی کا مہینہ ہے

حسینؑ تو دعوت دے رہے ہیں

کہ میری دعوت تو عام ہے

اگر کوئی حُر بننا چاہتا ہے تو آجائے

سب کے لئے ہمارے دروازے کھلے ہیں

ہمارے لئے بھی کھلے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی

یہاں تک کہ غیر مسلموں کے لئے بھی

حسینؑ کے دروازے کھلے ہیں

کسی خوشی فہمی کا شکار نہ ہوں

کہ حسینؑ یا حسینیت پر کسی کی اجارہ داری ہے

حسینؑ کی دعوت تو عام ہے

محرم ہو یا صفر حسینؑ کی دعوت سب کے لئے ہے

کہ تم میں سے اگر کوئی اپنے کردار کو سنوارنا، بنانا چاہتا ہے

تو آجائے مکتبِ کربلا کے دروازے سب لئے باز ہیں

کھلے ہوئے ہیں

اس وقت کو گنوانا نہیں ہے

اس وقت سے استفادہ کرنا ہے

اس وقت سے فائدہ اٹھانا ہے

کتنی بڑی نعمتیں آپ کو دی گئیں، جلوسوں کی شکل میں، مجلسوں کی شکل میں لہٰذا جب جلوس میں جا رہے ہوں تو سڑک پر بھی ہمیں چلتا پھرتا مبلغ ہونا چاہیے یا نہیں؟

جلوس اٹھانے کا مقصد کیا ہے آپ کا، یہ بتا دیجئے؟ عزادارو! جب جلوس میں آپ نکلتے ہیں تو اب آپ کی انفرادی حیثیت ختم ہوگئی، جب آپ سڑکوں پر نکلتے ہیں تو اب آپ کی انفرادی شخصیت نہیں رہی، اب آپ انفرادی حیثیت میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ مت سوچیں کہ اب جو میں کام کروں گا وہ میرا کام ہوگا۔ نہیں، دنیا فقط ایک نظر سے آپ کو دیکھ رہی ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ شیعیان حیدر کرّار ہیں۔

صرف ایک نام سے آپ کو پہچانا جا رہا ہے، آپ اپنا نام کچھ بھی رکھ لیں۔ آپ اپنی تقسیم بندی جیسے چاہیں کر لیں، آپ اپنے کردار کو جیسے چاہیں پیش کریں۔ مجمع دیکھ کے کہ چلو آج ہمارا سڑکوں پر قبضہ ہے لیکن دنیا آپ کو اس آئینے میں دیکھ رہی ہے کہ یہ مکتب اہل بیتؑ سے وابستہ لوگ ہیں۔

تو یاد رکھیں! چاہے بچے ہوں، چاہے جوان ہوں، چاہے بوڑھے ہوں جب آپ سڑکوں اور

گذرگاہوں پہ آجائیں، جب آپ شاہراہوں پہ آجائیں تو آپ خود مبلغ ہیں۔ آپ خود حسینؑ کے مکتب کا دنیا سے تعارف کرانے والے لوگ ہیں۔ اب آپ کیسے تعارف کراتے ہیں، یہ آپ کی اپنی ذمہ داری ہے کہ آپ اپنا تعارف کیسے کرائیں دنیا سے کہ ہم کون ہیں؟

ہم اخلاقی سانچوں میں ڈھلی ہوئی قوم ہیں، ہم مہذب قوم ہیں یا ایک ایسی قوم ہیں جو بے مہار ہے، جس کی مہار کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ ایک ایسا ریوڑ ہیں جس کا کوئی رکھوالا نہیں ہے۔

تو مکتب کے مقاصد کیسے آگے بڑھیں گے؟

راستے پر کیسے آگے بڑھیں گے؟

جب آپ دنیا کے سامنے اس کردار کو پیش کریں گے

جو کردار آپ سے اہل بیتؑ نے طلب کیا ہے

جو حسینؑ نے آپ سے طلب کیا ہے

اگر وہ کردار نشو ونما پا رہا ہے تو سمجھ لیں کہ مقصد کربلا آگے بڑھ رہا ہے

مقصد حسینیت آگے بڑھ رہا ہے

حسینؑ دعوت دے رہے ہیں کہ آؤ اور میرے پاس جمع ہو جاؤ

میری بارگاہ میں جمع ہو جاؤ

میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں نے حُر کو حُر کیسے بنایا؟

میں تمہیں بتاؤں گا کہ زہیر بن قین کو زندہ جاوید کردار کیسے بنایا؟

آؤ کربلا میں آکر دیکھو کس طرح میں نے اپنے انصار پر فخر و مباحات کیے؟

اپنی بات کو عاشور کے آخری خطبے سے متصل کرنا چاہتا ہوں اور جو میں نے پڑھا ہے، روایت بھی یہی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ تاسوعا یعنی نو محرم کا دن جب تمام ہوا، مغربین کی نماز تمام کی جب میرے مولاؑ نے اور اپنے انصار کو حکم دیا کہ سب میرے خیمے میں جمع ہو جائیں۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ میں اگرچہ بیماری کی حالت میں تھا لیکن میں

نے اپنے آپ کو اس خیمے تک پہنچایا تا کہ میں اپنے بابا کی گفتگو سن سکوں۔

جب سب اعوان وانصار جمع ہو گئے تو میرے بابا نے خطبے کا آغاز حمد باری سے کیا کہ تمام حمد و شکر اس پروردگار کے لئے ہے کہ جس نے ہمیں خاندانِ رسالتؐ سے قرار دیا، جس نے ہمارے گھر کو وحی کا مرکز قرار دیا میں ہر نرمی اور ہر سختی میں اس کی حمد وثناء بجالانے کو خود پر لازم سمجھتا ہوں اور پھر فرماتے ہیں، میں قلبی اطمینان سے یہ بات کہتا ہوں، اپنے اصحاب سے فرماتے ہیں کہ پورے یقین سے یہ بات کہتا ہوں کہ جیسے ناصر و مددگار تم مجھے ملے، ایسے انصار نہ تو میرے جدّ رسول خداؐ کو ملے، نہ میرے بابا علی مرتضیٰؑ کو ملے اور نہ ہی میرے بھائی حسن مجتبیٰؑ کو ملے۔ تم نے میرا ہر طرح سے ساتھ دیا ہے، ہر امتحان اور ہر آزمائش میں پورے اترے ہو۔ پھر بابا فرماتے ہیں کہ اب میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور اپنی بیعت تم پر سے اٹھاتا ہوں۔

چوتھے امامؑ نے نقل کیا ہے کہ میں اپنی بیعت تم پر سے اٹھاتا ہوں اس رات کی تاریکی کو اپنی سواری قرار دو اور میرے اہل بیتؑ میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑو اور دیہاتوں وشہروں میں منتشر ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ حالات میں کشائش پیدا ہو اور پروردگار حالات میں کشادگی عطا فرمادے، حالات معمول پر آجائیں اور تم عام زندگی بسر کرسکو۔

خاموشی سے گفتگو سن رہے ہیں انصارانِ حسینی، کچھ توقف کے بعد سید الشہداؑ فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ گمان ہے کہ میرا ساتھ چھوڑنے کے بعد، تمہارے لئے روز حشر مشکلات پیش آسکتی ہیں تو میں تمہاری شفاعت کا ضامن ہوں اور تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں تمہاری شفاعت کروں گا اور ویسے بھی یہ لوگ فقط میرے خون کے پیاسے ہیں تمہارے نہیں۔ جب تم چلے جاؤ گے اور یہ مجھے قتل کرلیں گے تو انھیں تم سے کوئی سروکار نہیں رہ جائے گا اس لئے کہ یہ صرف میری جان لینا چاہتے ہیں تو جو مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا، اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو جائے گا۔ تم نے یہاں تک میرا ساتھ دیا بس اب جاؤ۔

چراغ گل کیا حسینؑ نے تو انصار حسینی کی گریہ وزاری کی صدائیں بلند ہو گئیں۔ انصار حسینی بلند

آواز سے گریہ وزاری کرنے لگے۔ چراغ دوبارہ روشن ہوا، اسی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے جاتے ہیں کہ سب سے پہلے ام البنین کے بیٹے جناب عباسؑ کی سربراہی میں آگے بڑھے اور دست بستہ عرض کیا کہ فرزند رسولؐ ہم آپؑ کو چھوڑ کر چلے جائیں جب کہ ہم نے آپؑ کی نصرت میں نہ ابھی تک تلوار چلائی، نہ تیر چلائے، نہ نیزے چلائے اور نہ تیروں اور تلواروں کے زخم اپنے جسموں پر کھائے، اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے گئے تو دنیا کیا کہے گی کہ فرزند رسولؐ سے محبت کا دعویٰ کرنے والے، فرزند رسولؐ کو ان حیوانوں اور درندوں میں چھوڑ کر آ گئے؟ ان الفاظ کے ساتھ ام البنینؑ کے بیٹوں نے اپنے عہد وفا کی تجدید کی۔ اب عقیل و جعفر طیار کی اولاد آگے بڑھی، اولاد عقیل میں جناب مسلمؑ کے بھائی بھی ہیں اور جناب مسلم کے دو جوان بیٹے بھی ہیں، دو چھوٹے بیٹے تو کوفہ میں شہید ہوئے تھے اور دو جوان بیٹے کربلا میں لڑ کر شہید ہوئے ہیں۔ یہ آگے بڑھے جناب سید الشہداءؑ انھیں دیکھ کر فرماتے ہیں کہ دیکھو! تمہارے لئے مسلم کی شہادت کافی ہے، میں تمہیں بیعت سے آزاد کرتا ہوں، جاؤ اور اپنی جانیں بچا کر چلے جاؤ۔ مسلم نے شہادت دی تمہارا حق ادا ہو گیا۔ انھوں نے زار و قطار رونا شروع کیا۔ اولاد مسلم، اولاد عقیل اور اولاد جعفر طیار، یہ سب آگے اور کہنے لگے کہ فرزند رسولؐ ہم اس کائنات میں اپنے بہترین چچا علیؑ کے فرزند کو چھوڑ کر چلے جائیں؟ اپنے سیّد و سردار کو چھوڑ کر چلے جائیں؟ اپنے آقا کو چھوڑ کر چلے جائیں؟

اے فرزند رسولؐ! یہ ناممکن ہے۔ نہ ہم نے آپ کو چھوڑنے کی نسبت کبھی سوچا ہے اور نہ ایسا سوچ سکتے ہیں۔ بس ہماری یہ آرزو ہے کہ ہم آخر وقت تک آپؑ کا دفاع کریں اور ہماری جانیں آپ کے قدموں پر نچھاور ہو جائیں۔

ہاشمیوں نے اپنے عہد کی تجدید کی، پھر اعوان و انصار آگے بڑھنا شروع ہوئے۔ جناب زہیر بن قین کے مشہور جملے تاریخ میں موجود ہیں کہ مولاؑ میں آپؑ کی نصرت کرتے ہوئے قتل کر دیا جاؤں، جلا دیا جاؤں پھر قتل کر دیا جاؤں پھر جلایا جاؤں، ستر بار مجھے زندگی دی جائے، ستر بار میرے ساتھ یہ سلوک کیا جائے مگر اے فرزندِ زہراؑ! میں آپؑ کی نصرت سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا،

میں آپؑ کی مدد سے ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔

مسلم ابن عوسجہ جن کے لئے روایات میں لکھا ہے کہ اتنے بزرگ تھے، اتنے ضعیف تھے، اتنے کہن سالہ تھے کہ پلکیں آنکھوں پر آجاتی تھیں تو دیکھنے میں دشواری ہوتی تھی اس وقت پلکوں کو اٹھا کر دیکھا کرتے تھے اور ان کے لئے تاریخ میں یہ بھی رقم ہے کہ روزِ اعاشور حسینؑ نے رومال ان کی پلکوں کو اوپر کر کے باندھ دیا تھا تا کہ صاف دیکھ سکیں۔ یہ حسینؑ کا ضعیف مجاہد آگے بڑھا، لڑنے والوں میں جناب مسلم ابن عوسجہ کا سن نوے سال ہے۔ آگے بڑھ کر کہتے ہیں فرزند رسولؐ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم آپ کو چھوڑ کر جائیں اور جائیں تو کہاں جائیں اور اگر ہم نے ایسا کرلیا تو پھر قیامت کے دن رسول خداؐ کو کیا منہ دکھائیں گے کہ ہم آپؑ کو ان حیوانوں کے درمیان چھوڑ کر آگئے؟

تو ان کی غیرت ان کی شجاعت اور وفاداری کا مسئلہ تھا۔ ان کے لئے جنت کا مسئلہ نہیں تھا۔ حسینؑ سے محبت اور ان کا بیدار ضمیر جس نے یہ گوارا نہیں کیا کہ فرزند رسولؐ کو چھوڑ کر چلے جائیں۔

حبیب ابن مظاہر کے بارے میں تو آپ سُن ہی چکے کہ ساری سختیوں کے باوجود حسینؑ کا یہ جاں نثار دوست سارے محاصروں کو توڑ کر کوفے سے کربلا پہنچ گیا۔ تو جس نے کربلا پہنچنا چاہا وہ کربلا پہنچا، اس نے نصرتِ امامؑ بھی کی۔ سب نے تجدید بیعت کی۔ جب یہاں تک معاملہ پہنچا تو اب تک تو حسینؑ نے جنت نہیں دکھائی تھی جب یہ آخری امتحان بھی لے لیا حسینؑ نے تا کہ ثابت ہو جائے تاریخ میں کہ میرے انصار کیسے تھے، میرے جاں نثار کیسے تھے؟

جب اس منزل پر بھی امتحان لے لیا تو اب حسینؑ نے فرمایا کہ اب تم بھی نگاہیں اٹھا کر ذرا آسمان کی طرف دیکھو! انصار حسینی نے جب نگاہیں بلند کیں اور کشف حجاب کر دیا حسینؑ نے، حقیقت سے پردہ اٹھا دیا حسینؑ نے، تو ان انصار حسینی نے جنت میں اپنے مقامات کا مشاہدہ کیا اور حسینؑ اپنے ساتھیوں سے فرماتے ہیں کہ میرے شیرو! پروردگار نے جو مقام تمہیں بہشت میں دیا ہے وہ کسی اور کو نہیں دیا۔

اب عشقِ حسینؑ میں سرشار، یہ حسینی جاں باز ایک دوسرے سبقت لے جا رہے ہیں، سبقت کر رہے ہیں ایک دوسرے پر، اسی لئے روایات میں لکھا ہے کہ جو ناصر بھی حسینؑ کا میدان جنگ میں جاتا تھا اس کے چہرے کی سرخی بڑھتی جاتی تھی، اس کا چہرہ کھلتا جاتا تھا جیسے وہ موت کی طرف نہیں بلکہ زندگی کی طرف چلا جا رہا ہو۔

شب عاشور بڑے اطمینان سے گذر رہی ہے۔ ایک بار زینبؑ نے فضہ کو بھیج کر حسینؑ کو بلوایا اور پوچھا ماں جائے اپنے ساتھیوں کا امتحان لیا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ کل صبح ان میں سے کوئی آپؑ کو چھوڑ کر چلا جائے؟

بعض جگہوں پر جناب نافع بن ہلال کا نام ملتا ہے کہ جب ان کے کانوں میں یہ آواز آئی تو عمامہ سر سے اتار کر پھینکا اور دوڑے انصار کی طرف کہ ساتھیو! جمع ہو جاؤ غضب ہو گیا، قیامت آ گئی۔ چیخ چیخ کر سب کو جمع کیا۔ سب حیران کہ نافع کس لئے سر پیٹ رہے ہیں۔ کہا کہ ثانی زہراؑ کو یہ اعتبار نہیں کہ تم صبح حسینؑ کی نصرت کرو گے یا چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔ ارے خدا کے لئے دختر رسولؐ کو چل کر یقین دلاؤ کہ ہم فرزندِ رسولؐ کو چھوڑ کر جانے والے نہیں۔

انصارانِ حسینی نے اپنی شمشیروں کو بے نیام کیا اور ثانی زہراؑ کے خیمے کے سامنے پہنچے۔ شور و غوغا بلند ہوا، معلوم ہوا کہ انصارِ حسینی جمع ہیں اپنی تلواریں پھینک دیں۔ اے فضہ! ثانی زہراؑ کو ہمارا پیغام پہنچا دے کہ ہماری وفا پر اعتبار رکھیں اور اگر اعتبار نہیں تو ہمیں حکم دیں کہ ہم اپنی گردنیں کاٹ کر ابھی حسینؑ کے قدموں میں پھینک دیں۔

یہ تھے انصارِ حسینی، ڈھارس ہو گئی زینبؑ کو، اطمینان ہو گیا زینبؑ کو کہ اب ان میں سے کوئی بھی میرے بھائی کو چھوڑ کر جانے والا نہیں ہے لیکن عزادارانِ حسینؑ! یہ شب عاشور ہے کہ جب مناجات کی آوازیں بھی ہیں، جب تلاوت کی آوازیں بھی ہیں، جب خدا کی بارگاہ میں قنوت کی آوازیں بھی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بچوں کی **العطش العطش** کی صدائیں بھی ہیں۔

آج مجھے شبِ عاشور کے بھی کچھ مصائب پڑھنے ہیں پھر شہزادہ علی اکبرؑ کی مصیبت بیان

کروں گا۔اذان دینے کی ذمہ داری ہر صبح جناب نافع کی ہے۔ یہ سیّدالقرّاء بہترین سخن کا مالک ہے۔صبح عاشور مقام اذان کی طرف چلنے لگے تو حسینؑ نے آواز دی۔اے نافع! خدا آپ کو جزائے خیر دے خدا آپ کو جزائے خیر دے لیکن آج میرا دل چاہتا ہے کہ لہجہء رسولؐ سن لوں۔ میں آج اپنے نانا کی آواز سن لوں۔

نافع سمجھ گئے اور سر جھکا دیا۔اے فرزند پیغمبرؐ! ہماری بھی یہی خواہش ہے۔انصار نے جب یہ سُنا کہ علی اکبرؑ اذان دیں گے تو عزادارنِ حسینؑ! سب انصار ہمہ تن گوش ہو گئے۔ان میں سے اکثر نے تو پیغمبرؐ کو دیکھا ہی نہیں تھا بس سُنا تھا حسینؑ کی زبانی کہ اگر میرے نانا کی زیارت کرنا چاہتے ہو تو میرے بیٹے علی اکبرؑ کو دیکھو۔اس کا لہجہ میرے جدّ کا لہجہ، اس کی چال ڈھال میرے جدّ کی چال ڈھال، اس کی سیرت میرے جدّ کی سیرت اور اس کی صورت میرے نانا کی صورت ہے۔

بس سب انصار جمع ہوئے علی اکبرؑ مقام اذان تک پہنچے، ابھی اللہ اکبر کی پہلی صدا بلند ہوئی تھی کہ خیام حسینی میں گریہ برپا ہو گیا۔شور و شین کی صدائیں بلند ہوئیں۔ بیبیوں نے بھی اکبرؑ کی آواز سُنی۔ بیبیاں جانتی ہیں کہ یہ آخری آواز ہے علی اکبرؑ کی، اس کے بعد اب یہ آواز سننے کو نہ ملے گی۔

ظہر کے وقت تو آپ جانتے ہیں کہ کس عالم میں حسینؑ نے نماز ادا کی تھی؟

صبح عاشورہ علی اکبرؑ نے اذان دی، حملے کا آغاز ہوا۔انصار حسینی اپنے عہد وفا پورا کر کے جا رہے ہیں۔

عاشور کا دن استغاثہ حسینی کے جواب کا دن ہے

عاشور کا دن ھل من ناصراً ینصرنا کی آواز پہ لبیک کہنے کا دن ہے

عاشور کا دن خیام حسینی کی حفاظت کے لئے جانیں قربان کرنے کا دن ہے

عاشور کا دن حرم رسول خداؐ کے دفاع کرنے کا دن ہے

عاشور کا دن حرم حسینی کے دفاع کرنے کا دن ہے

عاشور کا دن حسینیت کے دفاع کرنے کا دن ہے

عزادارِ انِ حسینؑ جب تک جان باقی ہے، انصارانِ حسینی اپنے عہد کو پورا کریں گے۔ جب جان چلی جائے گی تو پھر تڑپتے ہوئے لاشے یہی تو کہیں گے کہ مولاؑ موت نے مجبور کر دیا، پھر زندگی مل جائے تو پھر اسی طرح تیرے حرم کا دفاع کریں گے، اسی طرح تیرے بچوں کا دفاع کریں گے، اسی طرح تیرا دفاع کریں گے۔

عزادارانِ حسینؑ! انصاران حسینی یہ پیغام دے گئے کہ جب تک جان باقی ہے

ذمہ داری باقی ہے

مت گھبرانا! جب دین پر بات آجائے

جب حسینیت پر بات آجائے

تو پھر تمہاری ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ اپنی جان ہتھیلی پر لے کر

حسینیت کے دفاع کے لئے آجانا

حسینؑ کے دفاعؑ کے لئے آجانا

اس کے بعد کی ذمہ داری

خود حسینؑ کی ذمہ داری ہے

اس کے بعد کی ذمہ داری

خود رسولؐ کی ذمہ داری ہے

اس کے بعد کی ذمہ داری

خود پروردگار کی ذمہ داری ہے

یہی ہوا اور انصار حسینی نے اپنے عہد کو پورا کر دیا۔ ہاشمیوں کی نوبت آئی، ہاشمیوں میں بھی سبقت، اولاد جعفر، اولاد عقیل پر سبقت کرتی ہے، اولاد عقیل، اولاد مسلم پر سبقت کرتی ہے، اولاد مسلم، اولاد حسنؑ پر سبقت کرتی ہے اور اولاد حسنؑ اولاد علیؑ پر سبقت کرتی ہے۔

آخر وہ وقت آیا کہ جب علم بھی ٹھنڈا ہو گیا، جب چھدا ہوا مشکیزہ اور خون آلود علم لے کر حسینؑ

واپس خیموں میں آ گئے اور بس اب یہ ایک کڑیل جوان علی اکبرؑ، حسینؑ کا اٹھارہ سالہ جوان آیا ہے اپنے بابا کے خیمے میں، بابا! اب مجھے میدان میں جانے کی اجازت دے دیجئے۔ اجازت نہ دینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حسینؑ اپنے ہاتھوں سے عونؑ و محمدؑ کے لاشے لائے تھے، اپنے ہاتھوں سے قاسمؑ کا لاشہ اٹھایا تھا، اپنے ہاتھوں سے عباسؑ کا مشکیزہ اور علم لے کر آئے تھے۔ اتنے شہیدوں کے لاشے اٹھا کر لائے تھے حسینؑ۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ اپنے علی اکبرؑ کو روک لیتے، بس ایک جملہ کہا اچھا بیٹا جا رہے ہو جاؤ لیکن اپنی ماں سے رخصت ہو لو۔

علی اکبر ماں کے خیمے میں آتے ہیں، سلام کیا، یہ کربلا کی مائیں ہیں

ان کی شجاعت پر ہمارا اسلام ہو

ان کے جذبوں اور حوصلوں پر ہمارا اسلام ہو

سلام کیا، اے مادر گرامی! بس آخری رخصت کے لئے آیا ہوں۔ ام لیلیٰ نے اپنے لخت جگر کے چہرے پر نگاہ کی، اور بڑے اطمینان و وقار کے ساتھ کہتی ہیں اے علی اکبرؑ! ارے میں کون ہوتی ہوں اجازت دینے والی، اپنی پھوپھی سے اجازت لو۔

علی اکبرؑ ماں کے خیمے سے ثانی ءزہراؑ کے خیمے میں آئے، عزادارو! اجازت دے دو کہ روایت کو اصل الفاظ کی بجائے اپنے انداز میں بیان کر دوں۔ سلام کا جواب تو دیا ثانی زہراؑ نے لیکن علی اکبرؑ سے منہ پھیر لیا۔ علی اکبرؑ گھبرا کر پوچھتے ہیں اے پھوپھی اماں! کیا ہم سے کوئی خطاء ہو گئی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم آپ کے سامنے آئے ہوں اور آپ نے منہ پھیر لیا ہو۔

ثانی زہراؑ فرماتی ہیں بیٹا علی اکبرؑ! ارے ایسا ہو سکتا ہے کہ تیری پھوپھی تجھ سے ناراض ہو جائے، لیکن علی اکبرؑ میں جانتی ہوں کہ اس وقت تو کس ارادے سے آیا ہے۔

ارے علی اکبرؑ! تیری جوانی بچانے کے لئے تو میں نے عونؑ و محمدؑ کو قربان کر دیا تھا

میں کس طرح تجھے میدان میں جانے کی اجازت دے دوں؟

علی اکبرؑ، زینبؑ کی آغوش کا تربیت یافتہ ہے

علی اکبرؑ، زینبؑ کی گود کا تعلیم یافتہ ہے

علی اکبرؑ، زینبؑ کی آغوش میں پلا بڑھا ہے

سب کچھ ثانی زہراؑ ہی سے تو سیکھا تھا، پس وہی انداز اختیار کیا، جو زینبؑ نے عونؑ و محمدؑ کو اجازت دلوانے کے لئے اختیار کیا تھا۔ اچھا پھوپھی جان آپ اجازت نہیں دیں گی؟ تو علی اکبرؑ بھی میدان میں نہیں جائے گا۔ جب تک آپ اجازت نہیں دیں گی، ہم بھی میدان میں نہیں جائیں گے لیکن ایک سوال کا جواب دے دیجئے کہ میری دادی زہراؑ کا رتبہ بلند ہے یا آپ کا؟

گھبراء گئیں زینبؑ، کہا تم نے یہ کیسا سوال کیا؟

ارے کہاں میں ایک ادنیٰ سی کنیز اور کہاں وہ معصومۂ کونینؑ؟

کہاں وہ سیّدۃ النساء العالمینؑ؟

بس یہ سن کر شہزاد علی اکبرؑ کہتے ہیں، اچھا پھوپھی جان پھر یہ بتایئے! کہ روز حشر میری دادی نے آپ سے پوچھ لیا کہ زینبؑ اپنے علی اکبرؑ کو بچالیا اور میرا حسین قتل کر دیا گیا، میرے حسینؑ کے گلے پر خنجر چل گیا تو آپ کیا جواب دیں گی؟

اَلا لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلَی الْقَوْمِ الظَّالِمِیْنَ

جھکانا چاہا تھا جس سر کو شام والوں نے
شکست دیکھئے! اُس سر کو خود اُٹھا کے چلے
شہید محسنؔ نقویؒ

عزیزم مولانا سید حسن ظفر نقوی کا تعلق برصغیر کے نامور علمی خانوادے سے ہے۔ ملّی سطح پر ہندوستان میں اُن کے ماموں ڈاکٹر کلب صادق صاحب دام مجدہ اور پاکستان میں عزیز القدر مولانا سید حسن ظفر نقوی کی دینی وسماجی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ دین وملت کی طرف داری کا شعور وادراک انہیں ورثے میں ملا ہے۔ ان کی ایک انفرادی شناخت ہے لہٰذا ان کا خطیبانہ سفر ہو یا تحریری ارتقاء دونوں ہی قابل تعریف ہیں۔

''ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کا کردار'' ان کی نہایت قابلِ قدر تقاریر ہیں جنہیں تحریر کے قالب میں بڑی خوش اسلوبی سے ڈھالا گیا ہے۔ اگر چہ خطیبانہ اعتبار سے یہ موضوع بظاہر خشک نظر آتا ہے اور خطابت کے مروجہ تناظر میں یہ موضوع سامعین کے لیے بھی زیادہ کشش نہیں رکھتا مگر یہ عزیزم کا کمال ہے کہ انہوں نے اس قسم کی مجلسیں سننے والوں کا بھی ایک حلقہ پیدا کرلیا ہے اور سامعین میں تاریخ سے واقفیت کا ذوق وشعور بھی ایک بار پھر بیدار کر دیا ہے کیونکہ ماضی میں تاریخ سے گہری آگاہی مکتب تشیع کا ایک امتیاز رہا ہے۔

آج جب کہ انسانی معاشرے ہوا وہوس سے دوچار ہو چکے ہیں۔ حرص ومفاد پرستی نے انسانی اقدار کو پاش پاش کرنے کے سلسلے میں انسانوں کو دلیر کر دیا ہے۔ مغربی تہذیب کے مہلک عوارض نے [redacted] مذہب اور انسانیت دونوں سے دوری کے مرض میں مبتلا کر دیا ہے اور اس میں حیوانی جبلتوں کو بیدار کر کے پوری انسانیت کے لیے خطرناک بنا دیا ہے مولانا حسن ظفر نقوی نے اس صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا شافی علاج معصومینؑ کی حیات طیبہ کے شعور ومطالعے اور اس پر عمل پیرا ہونے کو قرار دیا ہے ایسے میں ارتقائے انسانیت میں معصومینؑ کے کردار جیسے اہم موضوع سے نئی نسلوں کو روشناس کرانا ازبس ضروری ہے اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ معصومینؑ کی پاکیزہ سیرتوں اور اُسوہ حسنہ کا ادراک آج کی دکھی دنیا کا واحد علاج ہے۔

مجھے امید ہے کہ حلقہ اہل نظر میں یہ کتاب انتہائی مقبول ہوگی۔ انشاءاللہ اور اسی کے ساتھ میری یہ دعا ہے کہ

ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

حجۃ الاسلام والمسلمین علاّمہ سیّد رضی جعفر نقوی مدظلہ العالی